۱۲۶

سرکشی ضلع بجنور

از

سرسید احمد خاں

مع

تفصیلی حالات مصنف و تعلیقات

مرتبہ

ڈاکٹر سید معین الحق

* *

سلمان اکیڈمی

حق نشان - ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی

کراچی - نمبر ۵

سال طباعت ۱۹۶۳ء
قیمت .... چھ روپیے
مطبوعہ .... مشہور پریس کراچی

فہرست مضامین

حصّہ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

مقدمہ

قومی مصلح، سیاسی رہنما، اور ماہر تعلیم ہونے کے علاوہ سرسید احمد خان ایک مؤرخ بھی تھے، اُن کی کثیر التعداد تصانیف میں سب سے پہلی کتاب جس کی بدولت ان کو شہرت حاصل ہوئی، ایک تاریخ ہی ہے۔ آثار الصنادید اپنی نوعیت کی اردو میں ایک خاص اور اہم تصنیف ہے۔ آج عمارات دہلی پر ہمارے پاس بہت مواد ہے، اور اس شعبہ میں تحقیق کے قدم کافی آگے بڑھ چکے ہیں، لیکن پھر بھی اولیت کا فخر آثار ہی کو ہے۔ سید احمد خان کو اس موضوع سے کس قدر دلچسپی تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قطب مینار کے کتبات پڑھنے کے لئے انھوں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ وہ ایک جھولے میں لٹک کر ان کتبوں کے چربے لیا کرتے تھے یہ طریقہ یقیناً نہایت خطرناک تھا، چنانچہ ان کے دوست، صہبائی جو ان کے ساتھ ہوتے تھے، ان کو اس حالت میں دیکھ کر ڈرتے ہی رہتے تھے، بہرحال یہ امر باعث مسرت ہے کہ سید احمد خان کی اس جانفشانی اور محنت کا صلہ خود ان ہی کی زندگی میں مل گیا، فرانس کے مشہور مستشرق، گارساں دی تاسی نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرکے اس کو یورپ میں روشناس کرایا۔ آثار الصنادید کے علاوہ، سید احمد خان نے تین قدیم تاریخوں کی تصحیح کی اور ان کو شایع کیا، ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی، ابوالفضل کی آئین اکبری اور جہانگیر بادشاہ کی

توزک، ہماری تاریخ کے ماخذ میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں، یہ تینوں کتابیں، سید احمد خاں نے نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیں برنی کا تقریباً سو سال تک یہی ایڈیشن طلبار تاریخ کے زیر مطالعہ رہا، حال ہی میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے نیا ایڈیشن نکلا ہے۔ توزک جہانگیری نول کشور پریس میں شائع ہوئی لیکن اس مطبع کی دوسری کتابوں کی طرح نہایت غلط ہے، آئین اکبری بے شک ایشیاٹیک سوسائٹی بنگال نے شائع کی، لیکن آج یہ بھی کمیاب ہے۔

ان تصانیف کے علاوہ سید احمد خان نے دو کتابیں بجنور پر لکھیں، ایک تو اس ضلع کی تاریخ تھی جس کا سارا ایڈیشن ۱۸۵۷ء میں ضائع ہوگیا، دوسری کتاب تاریخ سرکشی بجنور ہے جو اب شائع کی جا رہی ہے، یہ پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء میں جیسا کہ اسکے صفحہ اول سے ظاہر ہے شائع ہوئی، اس کے بھی تقریباً سارے مطبوعہ نسخے تلف ہو گئے، ایک مدت تک راقم الحروف کو بہت سے دوسرے حضرات کی طرح خیال تھا کہ اس کی شاید صرف ایک ہی جلد موجود ہے، جو علیگڑھ میں نہایت احتیاط کے ساتھ "شجر ممنوعہ" کی طرح محفوظ ہے، لیکن ۱۹۵۵ء میں پاکستان ہسٹری کانفرنس کے اجلاس کے موقع پر مجھ کو معلوم ہوا کہ مردان میں مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مرحوم کے ذخیرۂ علمیہ میں ان کے خواہرزادے جناب مولوی محمد ایوب خاں صاحب کے پاس بھی اس نادر الوجود کتاب کی ایک جلد ہے، چنانچہ میں نے محمد ایوب قادری صاحب کو مردان بھیجا، اور ہماری درخواست پر مولوی محمد ایوب خاں نے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے کتب خانہ کے لئے اس کو نقل کرانے کا انتظام کر دیا۔ اسی نسخہ کو اب شائع کیا جا رہا ہے۔

تاریخ سرکشی بجنور کی اہمیت ظاہر ہے اور اس پر تفصیلی بحث اس موقع پر ضروری نہیں۔ یہ سید احمد خان کی تالیف ہونے کے علاوہ جنگ آزادی کے ایک اہم باب کا چشم دید بیان ہے، چنانچہ اس میں جن واقعات کی تفصیلات موجود ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کا ذکر دوسرے ماخذ میں یا تو قطعی طور پر نہیں ہے اور ہے تو مسخ شدہ صورت میں، اس لحاظ سے اس موضوع پر یہ ایک نہایت مفید اور پراز معلومات شہادت کہی جا سکتی ہے۔ سرکشی کا مطالعہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جنگ آزادی کے متعلق سید احمد خان کے

خیالات کا تجزیہ کیا جائے، یہ تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے عظیم انقلاب اور ہماری پہلی ملک گیر جنگ آزادی کو سو سال تک "غدر" اور "بغاوت" کے نہایت مظبوط اور دبیز پردوں میں لپیٹ کر اس طرح رکھا گیا کہ کسی کو حقیقی واقعات کی ہوا تک نہ لگنے پائی۔ بڑے سے بڑے "محقق" سے لے کر اسکول کے بچوں کے لئے کتابیں لکھنے والوں تک، ہر مصنف اس جنگ کو "غدر" ہی کہہ کر اس کی مسخ تصویر پیش کرتا رہا۔ حکومت کے خوف سے کسی کو صحیح بات کہنے یا لکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ بعض لوگوں نے اشاروں میں یا استعاروں کی آڑ لے کر اظہار حقیقت کی کوشش کی ہے لیکن ان کے بیانات نقار خانہ میں طوطی کی آواز ہو کر رہ گئے۔ مثال کے طور پر مولانا تائب کی مثنوی سوانح احمدی کا ذکر کیا جا سکتا ہے، اس میں جنگ آزادی کے سب سے بڑے ہیرو سید احمد اللہ شاہ کے حالات ہیں۔ حال ہی میں علامہ فضل حق کا مختصر رسالہ جو انھوں نے جزیرۂ انڈمان میں بحالت اسیری تحریر کیا تھا، اور کاغذ وغیرہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انھوں نے اس کو اپنے کرتے کے کپڑے پر لکھا تھا، شایع ہوا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ راقم الحروف نے جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (جنوری ۱۹۵۷ء) میں شایع کیا ہے۔

انگریزی ماخذ اور تصانیف کے علاوہ، اردو میں بھی بعض معاصر تصانیف ہیں جن میں اس عظیم انقلاب کو غدر کہا گیا ہے۔ ان میں مولوی ذکاء اللہ کی تاریخ، ظہیر دہلوی کی داستان غدر اور سید احمد خان کا رسالہ اسباب بغاوت ہند اور تاریخ سرکشی بجنور، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، رسالہ میں سید احمد خان نے انقلاب کے اسباب و محرکات پر مفصل اور بہت عمدہ بحث کی ہے اور نہایت جرأت سے کام لے کر انگریزی حکومت اور اس کے کارکنوں پر تنقید کی ہے، یہ رسالہ پاکستان میں حال ہی میں دو بار شایع ہوا ہے اس کا انگریزی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے، سید احمد خان کی دوسری تصنیف یعنی سرکشی بجنور تجزیاتی نہیں بلکہ مورخانہ انداز میں لکھی گئی ہے، یہ انقلاب کے ایک باب کی تاریخ ہے جس کا تعلق روہیلکھنڈ کے ایک ضلع سے ہے۔ بحیثیت تاریخی ماخذ کے اس کی اہمیت اور افادیت بہت زیادہ ہے۔ سید احمد خاں صرف ایک عینی شاہد ہی نہیں بلکہ ڈرامے

کے خود کرداروں میں ہیں، ابتدائی دور میں انھوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا اور بعد میں ان کو مصائب اور خطرات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ ایک نہایت قابلِ اعتبار ذریعہ معلومات ہے۔

تاریخ سرکشی بجنور کے مطالعہ سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انقلاب کے متعلق ہم سید احمد خاں کے خیالات کا جائزہ لیں اور یہ سمجھ لیں کہ انھوں نے اس عظیم حادثہ کی بابت کیا رائے قائم کی اور اس کے لئے ان کے پاس کیا دلائل اور وجوہات ہیں، اس سلسلہ میں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ عام طور پر لوگوں کا خیال ہے اور اکثر مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حکومت سے وفاداری اور انگریزی راج کے فوائد کے وہ اس وقت قائل ہوئے جبکہ انھوں نے اپنے اصلاحی پروگرام کو عملی شکل دینے کا ارادہ کیا[۱] لیکن حقیقت یہ ہے کہ سید احمد خاں ابتداہی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اب اس برصغیر میں انگریزی اقتدار کی جڑیں اس قدر مضبوط ہو چکی ہیں کہ اس کو ختم کرنے کی ساری کوشش بے سود ثابت ہوگی، اس پر ہم کو زیادہ تعجب نہیں ہونا چاہئے، سید احمد خاں نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں مغل دربار اور امراء کی زندگی اور ان کے کردار کا مطالعہ کیا تھا، بلکہ کچھ مدت کے لئے خود وہ اس معاشرہ کی ناقابلِ تحسین خصوصیات سے متاثر رہ چکے تھے انھوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا تھا اور جانتے تھے کہ مغلیہ سلطنت دنیا کی عظیم ترین اور نہایت مضبوط سلطنتوں میں تھی، لیکن بدکردار، خود غرض اور فرقہ پرست امراء نے اس کو ختم کر دیا تھا[۲] ان کو معلوم تھا کہ عالمگیری عہد میں ہی اردوئے معلیٰ کے فوجی سردار پالکیوں میں بیٹھ کر میدان جنگ میں جایا کرتے تھے، وہ اس سے بے خبر نہ تھے کہ سید برادران نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کی غرض سے پیشوا سے مدد طلب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرہٹوں کو دہلی کے معاملات میں دخل اندازی اور کچھ عرصہ کے

۱؎ - دیکھو حیات جاوید حصہ اول صفحہ ۳۵-۳۶

۲؎ - مثال کے طور پر نجف خانی امیر الامراء کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس نے مشہور عالم اور شیخ یعنی شاہ عبدالعزیز اور مرزا مظہر جان جاناں جیسے بزرگوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں اور آخر الذکر کو قتل کرا دیا۔

بعد اقتدار حاصل کرنے کا موقع ملا، وہ اس امر سے بھی واقف تھے کہ مرہٹوں کے علاوہ سکھوں اور جاٹوں کو وسیع علاقوں پر حکومت اور اقتدار قائم کرنے کی جو سہولتیں ملیں وہ امراء کی خود غرضیوں ہی کی بدولت حاصل ہوئیں، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ شہنشاہ کے خود اپنے وزیر یعنی نوابان اودھ، مرکزی حکومت کو ختم کرنے کے ہمیشہ درپے رہے، یہ واقعات بھی ان کے سامنے تھے کہ با اختیار بلکہ نیم خود مختار صوبیداروں نے انگریزی حکومت کی بالادستی تسلیم ہی نہیں کی بلکہ انگریزی استعمار کے سامنے خود کو آلۂ کار کے طور پر پیش کیا۔[لہ] ان تمام واقعات سے زیادہ اہم واقعہ جو سید احمد خان کے پیش نظر تھا، وہ بنگال کے ہندو رہنماؤں کا رویہ تھا۔ کلایو کے زمانہ ہی سے ہندو عمائدین نے انگریزی اقتدار کو خوش آمدید کہا اور ان کی حکومت قائم کرانے میں مسلم حکومت کے خلاف ان کی مدد کی اس کے بعد انگریزوں کے ساتھ اشتراک عمل کر کے ہر طریقہ سے فائدہ اٹھاتے رہے، انیسویں صدی میں جب رام موہن رائے اور دوسرے ہندو رہنماؤں نے ہندو قومیت کے بنیادی خطوط قائم کئے تو انگریزی حکومت کی وفاداری کو اصول کی حیثیت سے اختیار کیا۔ مسلمان من حیث القوم ہر قسم کا نقصان اٹھاتے رہے، اس لئے کہ وہ اب بھی باوجود انتہائی انحطاط و تنزل کے جذبہ حب الوطنی سے کسی حد تک متاثر تھے اور اپنے تمدن کی بنیادی اقدار کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کوشش میں ان کو زبردست قربانیاں دینا پڑیں، اس میں شک نہیں کہ اگر دونوں قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں کا رویہ ایک ہی ہوتا اور آزادی کے میدان میں دونوں قربانیاں کرتے رہتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن یہ صورت یقیناً خطرناک تھی کہ ہندو تو انگریزوں سے مل کر اور ان کی وفاداری کا تمغہ لگا کر فائدہ اٹھاتے رہیں، اور مسلمان تنہا

لہ۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۸۱۴ء میں جب نواب اودھ کو ایک کثیر رقم کے بدلے میں بادشاہی کا لقب عطا کیا تاکہ شاہ دہلی کا ایک رقیب ان کے ہاتھ میں رہے، تو نواب غازی الدین حیدر نے اس پیش کش کو قبول کر کے اپنی حب الوطنی کا ثبوت دیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ سوداگروں کی ایک کمپنی کی عطا کی ہوئی بادشاہی کی کیا حقیقت تھی۔

جنگ آزادی لڑتے رہیں اور اس کے نتیجہ میں اپنے مفاد کو نقصان پہنچاتے رہیں۔

سر سید احمد خان ایک ذہین شخص تھے۔ کمپنی کی ملازمت میں داخل ہو کر انھوں نے یہ اندازہ لگایا کہ انگریزی اقتدار اب اس حد تک مضبوط ہو گیا ہے اور برصغیر کا ماحول اس سے اس قدر موافق ہے کہ اس کا مقابلہ آسان نہیں، چنانچہ انقلاب کے شروع ہوتے ہی انھوں نے یہ رائے قائم کر لی اور قطعی طور پر فیصلہ کر لیا کہ انگریزوں کی مخالفت دور اندیشی اور مصلحت کے خلاف ہے۔ عام طور پر جہاں کہیں بھی ہنگامہ شروع ہوتا تھا تو انگریز حکام جان کے خوف سے اس مقام کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے اور ہند پاکستانی حکام میں سے اکثر انقلابی رہنماؤں کی اطاعت قبول کر لیتے اور اپنے فرائض حسب معمول جاری رکھتے۔ اس طرح کمپنی کی حکومت کی بجائے انقلابی حکومت قائم ہو جاتی تھی۔ کہیں کہیں اور خال خال ایسے بھی ہند پاکستانی حکام تھے جو انقلابی حکومت سے اشتراک عمل کے لئے تیار نہ ہوتے تھے، سید احمد خان بھی اس ہی فہرست میں شمار کئے جاتے ہیں، انقلابی حکومت قائم ہوتے ہی پہلے انھوں نے انگریز حکام اور باشندوں کی مدد کی اور ان کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کیں بلکہ کلکٹر کی کوٹھی پر تو خود پہرہ دیا، انگریز حکام کے فرار ہونے پر انھوں نے انگریزی حکومت کی طرف سے بجنور کا انتظام چند شرکار کار کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیا، مگر بہت جلد ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ تدبیر کارگر نہ ہو گی، انھوں نے بجنور کے مقامی قائد یعنی نواب محمود خان کو انقلابیوں کی مدد سے دست کش ہونے کا بھی مشورہ دیا۔ لیکن ان کی یہ ساری کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ آخر میں مجبور ہو کر وہ بجنور کو چھوڑ کر میرٹھ اور پھر دہلی چلے گئے۔ انقلاب کے وقت سید احمد خان کی عمر چالیس سال تھی اور ان کی حیثیت ایک سرکاری ملازم سے زیادہ نہ تھی اس وقت ان کے سامنے اصلاحی پروگرام کا بھی کوئی منصوبہ نہ تھا، اس لئے یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سید احمد خان کسی سیاسی مصلحت یا منصوبہ کے تحت نہیں بلکہ حقیقتاً یہ سمجھتے تھے کہ انقلاب دراصل انقلاب نہیں بلکہ "بغاوت" ہے۔ انقلابیوں کی شکست اور اس کے بعد مسلمانوں کی تباہی و بربادی نے ان کو اس عقیدہ میں اور بھی پختہ کر دیا۔ چنانچہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ان کا یہ عقیدہ پختہ تر ہوتا گیا کہ ۱۸۵۷ء کا انقلاب "بغاوت" اور "غدر" سے زیادہ

کچھ نہ تھا۔

اس میں شک نہیں کہ آج ہماری رائے میں سید احمد خان کا یہ عقیدہ اور اس کی بنا پر انھوں نے جو رویہ اختیار کیا، یقیناً غلط ہے، لیکن بحیثیت ایک مورخ کے ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی یہ غلطی اجتہادی تھی، اس کے پیچھے کوئی ذاتی غرض یا مقصد نہ تھا۔ سید احمد خان کا جذبۂ ایثار بے مثال تھا، جنگ آزادی کے اختتام پر حکومت نے ان کی وفاداری کے سلسلہ میں ان کو پنشن کے علاوہ ایک جاگیر بھی عطا کرنے کا ارادہ کیا، لیکن انھوں نے پنشن تو قبول کر لی مگر جاگیر نہیں لی اس وجہ سے کہ یہ جاگیر ایک باعزت مسلم خاندان کی ضبط شدہ جائداد تھی۔ سید احمد خان کے اس ایثار کا مورخ تذکرہ تو کرتے ہیں، لیکن اس سے جو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی وفاداری کا رویہ کسی غرض یا فائدہ کی بنیاد پر نہ تھا بلکہ ان کی یہ ایمان داری کی رائے تھی، اگرچہ غلط تھی[1]۔ بہر حال سید احمد خان اس انقلاب کو بغاوت ہی سمجھتے تھے، اور ہمیشہ ان کا یہی خیال رہا۔ اس رائے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی[2]۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ سید احمد خان کے خیال میں جن مسلمانوں نے اس انقلاب میں حصہ لیا انھوں نے

---

[1] اسی قسم کی ایک اور مثال کا بھی یہاں ذکر کیا جا سکتا ہے، دہلی میں مولانا محبوب علی صاحب نے جہاد کے مشہور فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا، جنگ ختم ہونے پر حکومت نے مولوی صاحب کو جائداد دینا چاہی لیکن مولوی صاحب نے انتہائی جرأت اور ہمت سے کام لیکر یہ کہہ دیا کہ انھوں نے فتوے پر دستخط اس لئے نہیں کئے تھے کہ ان کی رائے میں فتویٰ غلط تھا اور اس جنگ کو صحیح معنوں میں جہاد نہیں کہا جا سکتا تھا، انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ان کو یہ یقین ہوتا کہ وہ فتویٰ صحیح ہوتا تو یقیناً وہ اس پر دستخط کرتے۔ گویا کہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ حق اور صداقت کی خاطر نہ کہ حکومت کی وفاداری کے جذبہ کے تحت کیا تھا۔

ملاحظہ ہو حکایات اولیاء، مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی۔ (مطبوعہ لاہور)

[2] ۱۸۷۰ء میں جب سید احمد خان لندن میں مقیم تھے تو سر جان کے نے جن کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سخت غلطی کی، وہ ان کی قربانیوں کو قدر کی نہیں بلکہ افسوس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان پر نہایت سخت اور بعض اوقات ناروا الفاظ میں تنقید کرتے ہیں، مثلاً محمود خان کو جو بجنور کے انقلابی رہنما تھے وہ "نامحمود" کہتے ہیں، اسی طرح بہادر شاہ ظفر کا ذکر انہوں نے بہت بُرے الفاظ میں کیا ہے، مگر ان کمزوریوں کے باوجود تاریخ سرکشی بجنور میں واقعات بڑی تفصیل، عمدہ ترتیب اور صحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، تاریخ کے طلبار کے لئے یہ بہت اچھا مواد ہے، بعض دستاویزات بھی ہم کو اس میں مل جاتی ہیں، مثلاً بہادر شاہ کا وہ فرمان جس کے ذریعہ انہوں نے محمود خان کو بجنور کی حکومت تفویض کی، اس میں موجود ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا حالی کا یہ خیال صحیح ہے کہ سید احمد خان جنگ آزادی کے واقعات کی یاد داشتیں اور ضروری کاغذات محفوظ کرتے رہے تھے۔

کتاب میں انقلابی رہنما، قومی جاں نثار اور مجاہدین کے نام جابجا آئے ہیں، ان پر حسب ضرورت کہیں مختصر اور کہیں مفصل حاشی دے دیئے گئے ہیں، ان میں سے بعض حاشی طویل ہیں، اس لئے متن میں ان کی نشان دہی کر کے آخر میں تعلیقات کے طور پر ان کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے، شروع میں سید احمد خان کے حالات اتنی تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ان کی زندگی اور ان کے علمی اور اصلاحی کارناموں کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ سید احمد خان

(بسلسلہ گذشتہ صفحہ) "دی ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی" نہایت مبسوط اور ایک طبقہ کے لئے قطعی طور پر قابل اعتبار تاریخ ہے اُن سے دریافت کیا کہ کیا اُن کی رائے میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ قومی تحریک کا نتیجہ تھا یا محض فوجی بغاوت تھی، سید احمد خان نے صاف جواب دیا کہ وہ فوجی بغاوت تھی اور اس کو قومی انقلاب کہنا سراسر غلط ہے، یہ ذکر بھی دلچسپ ہے کہ سرجان کے کی رائے میں یہ "صرف بغاوت" نہ تھی۔ سید احمد خان کا یہ خط سرجان کے کے "پیپرز" میں" انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے، راقم الحروف نے اس خط کو جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (جولائی سنہ ۱۹۶۰ء) میں شایع کر دیا ہے۔

کا کوئی مفصل تذکرہ موجودہ دور میں شایع نہیں تھا، یہ صحیح ہے کہ مولانا حالی کی حیات جاوید اپنی نوعیت کا ایک مخصوص تذکرہ ہے اور اس میں ہر واقعہ کی ضروری تفصیلات موجود ہیں لیکن اس نصف صدی میں بہت سی نئی معلومات دستیاب ہوئی ہیں جن سے مختلف مسائل پر روشنی پڑتی ہے، ہم نے ان مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض موقعوں پر کچھ تفصیلات بھی کتاب میں شامل کی ہیں محققین کے لئے تو نہیں لیکن عام طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے یہ تفصیلات ہمارے خیال میں کافی ہیں، ہم نے سید احمد خان کے کارناموں اور ان کے اخلاق و کردار پر کوئی علیحدہ اور مخصوص باب قائم نہیں کیا ہے، ہمارا خیال ہے کہ ان کے حالات یہاں جس طریقہ سے بیان کئے گئے ہیں ان کو پڑھ کر ہر شخص ان کے کارناموں کی صحیح اور مکمل تصویر تیار کر سکتا ہے۔

میں مفتی انتظام اللہ شہابی اور محمد ایوب قادری کا ممنون ہوں، اول الذکر نے حواشی کی تیاری اور قادری صاحب نے مسودہ کے مقابلہ اور پروفوں کی تصحیح میں میری مدد کی۔

سید معین الحق

حق نشان - کراچی
یکم دسمبر ۱۹۶۱ء

باب اول

سر سید احمد خان کے سوانح حیات

سید احمد خان اپنے نانا خواجہ فرید[1] کی حویلی میں ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے[2]۔

---

[1] خواجہ فرید کو اکبر شاہ ثانی نے اپنا وزیر مقرر کیا تھا اور دبیر الدولہ امین الملک مصلح جنگ کا خطاب بھی عطا کیا گیا تھا۔ وہ اپنی اعلیٰ تعلیم اور فراست کے لئے مشہور تھے اور کلکتہ مدرسہ میں نظامت کی خدمات انجام دے چکے تھے انہوں نے لارڈ ولزلی کے زمانے میں ایک وفد کے سلسلہ میں ایران کا سفر کیا تھا بحیثیت وزیر انہوں نے اخراجات شاہی کے سلسلہ میں اصلاحات کیں اور قرضہ کی ادائے گی کا انتظام کیا۔ دیوانِ عام کی تانبے کی چھت جسکو مرہٹہ سردار، بو ہو نے اس لالچ و غلط فہمی میں کہ وہ سونے کی ہے اتروا لیا تھا، بیکار پڑی تھی۔ خواجہ فرید نے اوس کو گلوا کر سکے ڈھلوا لئے جس سے سرکاری خزانہ کو کافی فائدہ ہوا۔ خواجہ فرید کی اصلاحات اور کفایت شعاری لوگوں کو پسند نہیں آتی تھی۔ چنانچہ آخر میں ان کو اپنے عہدہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ انہوں نے ۱۸۲۶ء میں وفات پائی۔

[2] نومولود بچہ کا نام شاہ غلام علی صاحب نے تجویز فرمایا تھا۔ شاہ صاحب نقشبندیہ خاندان کے بزرگ تھے۔ مرزا مظہر جانجاناں کے خلیفہ تھے، دہلی میں آپ کا شمار کبار مشائخ میں ہوتا تھا۔ سید احمد خان کی والدہ ان سے بیعت تھیں۔ آپ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ آثار الصنادید

سید احمد خان کے اجداد عہد عالمگیری میں ہند پاکستان آئے تھے۔ اُن کے دادا سید ہادی کو مغلیہ دربار سے عالمگیر ثانی کے زمانہ میں جواد علی خان کا خطاب عطا ہوا تھا۔ شاہ عالم نے خطاب جواد الدولہ کا اضافہ کیا۔ ان کے بیٹے میر متقی یعنی سید احمد خان کے والد، ایک آزاد طبیعت کے آدمی تھے۔ سید ہادی کی وفات پر مغل شہنشاہ ان کے بیٹے کو بھی وہی خطاب عطا کرنا چاہتا تھا لیکن سید متقی نے یہ پسند نہ کیا۔ مگر اکبر شاہ ثانی سے ان کے ذاتی تعلقات بہت گہرے تھے۔ چنانچہ خواب گاہ[1] کی مخصوص مجلس میں جہاں چند امرا کے سوا کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی سید متقی اکثر شریک ہوتے تھے اور بقول مولانا حالی سید احمد خان کہتے تھے کہ والد کے ساتھ اور نیز تنہا وہ بھی اس خاص دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ میر متقی نے فن تیراکی میں کمال حاصل کیا تھا اور شاہی خاندان کے کئی شہزادے ان کے اس فن میں شاگرد بھی تھے۔ میر متقی کے کردار کی مضبوطی کا اندازہ ہم ایک واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔ جس طرح ان کے تعلقات اکبر شاہ ثانی سے بہت گہرے تھے اسی طرح ایک دوسرے شہزادہ شمس الدین سے بھی وہ بہت قریب تھے۔ ان کے پاس بھی میر متقی کی آمد و رفت اتنی ہی زیادہ تھی جتنی کہ اکبر شاہ کے دربار خاص میں۔ لیکن اکبر شاہ شمس الدین کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کو یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ میر متقی ان کے پاس جائیں۔ چنانچہ ایک روز بادشاہ نے میر صاحب سے کہا کہ وہ مرزا شمس الدین کے یہاں جانا ترک کر دیں۔ اس پر میر متقی نے بادشاہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو میرے خلوص میں کچھ شک ہے؟ "قطعاً نہیں" بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ میر متقی نے کہا "تو پھر میں کیوں اپنی وضع بدل کر بدنامی مول لوں؟" اس کے بعد اکبر شاہ نے اس مسئلہ میں کوئی تعرض نہیں کیا اور میر متقی اپنی وضعداری کو قائم رکھتے ہوئے مرزا شمس الدین کے یہاں جاتے رہے[2]

ابتدائی تعلیم و تربیت سید احمد خان بچپن میں اس قدر تندرست اور توانا

---

[1] قلعہ معلیٰ کے اندر مثمن برج کے قریب ایک عمارت (...)۔

[2] مولانا الطاف حسین حالی۔ حیات جاوید (مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۳ء) حصہ اول ص ۱۸؛ گراہم۔ حیات سرسید (مطبوعہ لندن ۱۸۹۵ء) ص ۴

تھے کہ ان کے نانا جب کلکتہ سے واپس آئے اور ان کو پہلی بار دیکھا تو کہا کہ "یہ ہمارے گھر میں جاٹ پیدا ہوا ہے" یہ واقعہ سید احمد خان نے خود اپنی والدہ سے سنا تھا[1] بچپن میں صرف یہی خصوصیت ان کو دوسرے بچوں سے ممتاز کرتی تھی۔ خواجہ فرید کی حویلی کا احاطہ بہت وسیع تھا اور خاندان کے بہت سے بچے سید احمد خان کے ساتھ وہاں کھیلنے کے لئے آجاتے تھے اگرچہ مغلیہ سلطنت اس زمانہ میں انحطاط کے آخری دور سے گذر رہی تھی لیکن پھر بھی تیراکی۔ تیر اندازی شہسواری اور اس قسم کے دوسرے فنون کا رواج باقی تھا اور امراو شرفاء کے خاندانوں کے جوان العمر لڑکے ان میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ تیراکی کی مشق زینت المساجد کے قریب جمنا میں کی جاتی تھی۔ میر متقی چونکہ خود بہت عمدہ تیرنا جانتے تھے اس لئے ان کے لڑکے نے بھی اس فن میں زبردست مہارت حاصل کرلی تھی۔

سید احمد خان کی تعلیم قدیم طرز ہی پر ہوئی تھی۔ ان کو اپنی بسم اللہ کی تقریب اچھی طرح یاد تھی: "سہ پہر کا وقت تھا اور آدمی کثرت سے جمع تھے۔ خصوصاً حضرت شاہ غلام علی خان بھی تشریف رکھتے تھے۔ مجھ کو لا کر حضرت کے سامنے بٹھا دیا تھا۔ میں اس مجمع کو دیکھ کر ہکا بکا سا ہوگیا۔ میرے سامنے تختی رکھی گئی اور غالباً شاہ صاحب ہی نے فرمایا پڑھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مگر میں کچھ نہ بولا اور شاہ صاحب کی طرف دیکھتا رہا۔ انہوں نے اٹھا کر مجھے اپنی گود میں بٹھا لیا اور فرمایا کہ ہمارے پاس بیٹھ کر پڑھیں گے۔ اور اول بسم اللہ پڑھ کر اقرار کی اول آیتیں مالم یعلم تک پڑھیں۔ میں بھی ان کے ساتھ پڑھتا گیا[2]" اس کے بعد قرآن شریف مکان ہی پر ایک استانی سے پڑھا۔ بعدازاں مولوی حمید الدین سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ان کے انتقال کے بعد فارسی کی

---

[1] ۔ حیات جاوید حصہ اول۔ ص ۲۸۔

[2] ۔ مولانا حالی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بیان کرکے سید احمد خان نے فخریہ طور پر اپنا فارسی کا یہ شعر پڑھا جو انہوں نے اسی واقعہ کے متعلق کہا تھا۔

بہ مکتب رفتم و آموختم اسرار یزدانی ز فیض نقشبند وقت جان جان جانانی

(دیکھو حیات جاوید حصہ اول۔ ص ۴۴)

مشہور کتابیں گلستاں، بوستاں وغیرہ اور عربی کی کچھ کتابیں دوسرے اساتذہ سے پڑھیں۔ اس کے بعد ان کو ریاضی سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ یہ دلچسپی ایک حد تک خاندانی تھی کیوں کہ ان کی ننہیال کے لوگ اپنی ریاضی دانی کے لئے دہلی میں مشہور تھے۔ ریاضی کی تعلیم سید احمد خان کو ان کے ماموں زین العابدین خان نے دی۔ حکیم غلام حیدر خان سے طب پڑھنا شروع کی۔ کچھ عرصہ تک حکیم صاحب کے ساتھ مطب بھی کرتے رہے۔ اب ان کی عمر اٹھارہ انیس سال کی ہو گئی تھی۔ انھوں نے تعلیم کا سلسلہ ترک کر کے شہر کی علمی ادبی اور تفریحی صحبتوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ "سرسید کا عنفوان شباب نہایت زندہ دلی اور رنگین صحبتوں میں گذرا تھا۔ وہ راگ رنگ کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ باغوں کی سیر کو دوستوں کے ساتھ جاتے تھے اور وہاں راگ رنگ اور دعوتوں کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ہولی کے جلسوں اور تماشوں میں جاتے تھے۔ پھول والوں کی سیر میں خواجہ صاحب پہنچتے تھے۔ اور وہاں کی صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ دلی میں بسنت کے میلے میں جو موسم بہار کے آغاز میں درگاہوں پر ہوتے تھے وہاں جاتے تھے۔ خود ان کے نانا خواجہ فرید کی قبر پر چونسٹھ کھمبے میں جو بسنت کا میلا ہوتا تھا اوس میں وہ اپنے اور بھائیوں کے ساتھ منتظم اور مہتمم ہوتے تھے۔"[1] اسی زمانہ میں صہبائی اور غالب جیسے علمی مذاق کے لوگوں سے ان کے تعلقات بڑھے اور لازمی طور پر ان کا علمی ذوق اور استعداد ترقی کرتے رہے۔

ملازمت

سید احمد خان کی زندگی کا یہ دور زیادہ طویل نہ تھا۔ ۱۸۳۶ء میں جبکہ وہ اپنی عمر کی بائیسویں منزل طے کر رہے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا جس سے وہ زندگی کی گرانبار ذمہ داریاں اپنے اوپر لینے کے لئے مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے خالو مولوی خلیل اللہ خان کے پاس جو اس وقت دہلی میں صدر امین تھے عدالت کا کام سیکھنا شروع کر دیا اور جلد ہی سررشتہ دار ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کا تقرر آگرہ کمشنری میں نائب منشی کی حیثیت سے ہو گیا۔ یہاں ان کو قوانین مال و دیوانی

---

[1] حیات جاوید حصہ اول ص ۳۵-۳۶

کے مطالعہ کا اچھا موقع ملا۔ انہوں نے ان کا ایک خلاصہ اور دفاتر کے متعلق ایک دستور العمل تیار کیا۔ سید احمد خان کو امید تھی کہ اس محنت کا صلہ ان کو منصف کے عہدہ پر تقرری کی شکل میں ملے گا لیکن اس سے قبل کہ ان کا تقرر ہوتا منصفی کے امتحان کے قوانین شایع ہو گئے۔ چنانچہ ان کو بھی امتحان دینا پڑا۔ قوانین کا جو خلاصہ انہوں نے تیار کیا تھا اس کو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر انتخاب الاخوین کے نام سے شایع کر دیا۔ منصفی کے امتحان میں کامیابی پر مین پوری میں ان کا تقرر ہوا۔ ۲۴ دسمبر ۱۸۴۱ء کو انہوں نے اپنے نئے عہدہ کا چارج لیا۔ ایک ہی ماہ بعد یعنی جنوری ۱۸۴۲ء میں سید احمد خان کا تبادلہ فتحپور سیکری کو ہو گیا۔ یہاں اکبر کی بنوائی ہوئی اوس عمارت میں جس کو خوابگاہ کہا جاتا تھا انہوں نے قیام کیا۔ فتحپور سیکری میں بھی سید احمد خان کا قیام زیادہ عرصہ نہیں رہا لیکن اس زمانہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ان کو مغل شہنشاہ بہادر شاہ سے ان کا موروثی خطاب عطا کیا۔ اس کی تجویز بادشاہ کے معتمد نائب حکیم احسن اللہ خان نے کی تھی۔ سید احمد خان کے دادا کا خطاب جواد الدولہ تھا۔ حکیم احسن اللہ خان نے اسی کی سفارش کی تھی لیکن بہادر شاہ نے اوس میں عارف جنگ اپنی طرف سے اضافہ کیا۔ خطاب ملنے کی تمام رسمیں باقاعدہ ادا کی گئیں۔

صدر امینی

جس زمانہ میں سید احمد خان فتحپور سیکری میں مقیم تھے تو ان کے بڑے بھائی کا عین عالم شباب میں انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ کے لئے یہ صدمہ سخت جانکاہ تھا۔ یہ ہی سبب تھا کہ سید احمد خان نے خود اپنے تبادلہ دہلی کے لئے کوشش کی۔ آخر کار ۱۰ر فروری ۱۸۴۶ء کو وہ دہلی تبدیل ہو کر گئے اور تقریباً آٹھ سال تک وہ دہلی میں مقیم رہے۔ دہلی پہنچتے ہی ان کو خیال پیدا ہوا کہ اپنی تعلیم مکمل کریں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اٹھارہ انیس سال کی عمر میں انہوں نے تعلیم ترک کر دی تھی۔ دس سال کے عرصہ میں اکثر کتابیں جو انہوں نے پڑھی تھیں بقول مولانا حالی "نسیاً منسیاً ہو گئی تھیں"۔ اب وہ ان کو دوبارہ اور غور کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں وہ چاہتے تھے کہ دہلی کے قیام سے فائدہ اٹھا کر آگے کی کتابیں بھی پڑھ لیں۔ چنانچہ دہلی کے مشہور

واعظ مولوی نوازش علیؒ سے فقہ۔ مولوی فیض الحسنؒ سے عربی ادب اور مولوی مخصوص اللہؒ سے حدیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اسی زمانہ میں انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا۔ آثار الصنادید اسی زمانہ میں لکھی۔ اپنے بھائی کے جاری کردہ سید الاخبار کو ترقی دینے کی کوشش بھی کی۔ اس کے علاوہ چند رسالے بھی لکھے۔

بجنور کا قیام، انقلاب ۱۸۵۷ء اور سید احمد خاں

جنوری ۱۸۵۵ء میں سید احمد خاں صدر امین ہو کر بجنور آئے۔ وہ دہلی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور ایک آدھ مرتبہ جب ان کو قائم مقام صدر امینی کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس موقع پر ایک ہمدرد انگریز افسر کے کہنے سے وہ راضی ہو گئے اور بجنور جا کر چارج لے لیا۔ ان کے یہاں پہنچنے کے دو سال بعد انقلاب کا آغاز ہوا۔ سید احمد خان نے شروع ہی سے یہ رائے قائم کی کہ خونریز انقلاب اہل ہند، بالخصوص مسلمانوں کے لئے مزید مضر ثابت ہوگا۔ اگرچہ اس زمانہ میں سید احمد خان کے سامنے قوم کی اصلاح یا کسی دوسری تحریک کا کوئی پروگرام نہ تھا اور انہوں نے یہ رائے صرف اسی بنیاد پر قائم کی

۱؎ مولوی نوازش علی۔ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے نامور شاگرد اور اپنے دور کے مشہور و معروف عالم اور واعظ تھے۔ ملاحظہ ہو تذکرہ اہل دہلی ص ۱۰۱۔ از سر سید احمد خاں (مرتبہ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی) کراچی ۱۹۵۵ء۔

۲؎۔ مولوی فیض الحسن۔ سہارنپور وطن تھا مولانا فضل حق خیر آبادی کے ہم عصر اور اپنے زمانے کے مشہور عالم اور عربی زبان کے ادیب تھے۔ ۱۸۸۷ء میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مرتبہ محمد ایوب قادری ص ۴۰۲ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء)

۳؎۔ مولوی مخصوص اللہ۔ شاہ رفیع الدین دہلوی کے فرزند ارجمند تھے حدیث و تفسیر میں ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ ۱۲۷۳ھ میں انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہو تذکرہ اہل دہلی ص ۔۴۷ و تذکرہ علمائے ہند ص ۴۲۹

۴؎ تصانیف کے متعلق تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

۵؎ دہلی میں وہ کچھ عرصہ کے لئے قائم مقام صدر امین ہو کر چلے گئے تھے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تھی کہ انگریزی حکومت کی قوت کے مقابلہ میں انقلابی بہت زیادہ کامیابی حاصل نہیں کرسکیں گے لیکن بعد کے واقعات اور مصلحتوں نے ان کے اس خیال کو اس قدر پختہ کردیا کہ آخر تک انہوں نے اوس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی۔[1]

میرٹھ میں ہنگامہ کا آغاز ۱۰ مئی کو ہوا۔ دو روز بعد اس کی خبر بجنور پہنچ گئی۔ یہاں اس وقت صرف بیس یورپین تھے۔ ان کی جان بہت خطرے میں تھی۔ لیکن سید احمد خان نے یہ طے کیا کہ ان کی جان کی حفاظت ہر قیمت پر کی جائے۔ شیکسپیر اس وقت بجنور کے کلکٹر تھے۔ سید احمد خان سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ جب ان کی بیوی پر انقلاب کی خبروں سے خوف طاری ہوا تو سید احمد خان نے ان کو دلاسا دیا اور کہا جب آپ دیکھیں کہ ہماری لاش کوٹھی کے باہر پڑی ہے اس وقت گھبرانے کا مضائقہ نہیں۔ یہ الفاظ بے معنی نہ تھے کیونکہ سید احمد خان تمام رات خود ان کی کوٹھی پر پہرہ دیتے تھے۔ رات بھر وہ کرسی پر بیٹھے رہتے یا کوٹھی کے سامنے ٹہلتے رہتے تھے۔ بجنور میں انقلابیوں کے رہنما نواب محمود خاں تھے۔ ایک رات کو ان کی سرکردگی میں انقلابیوں نے انگریز حکام پر حملہ کرنے کی تیاری کی۔ موقع نہایت نازک تھا۔ لیکن سید احمد خان نے نہایت تدبر سے کام لیا اور محمود خان کو سمجھایا کہ چند انگریز افسروں کے قتل ہو جانے سے کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ اگر ان کی جان نہ لی گئی تو محمود خان کا نام ہمیشہ مشہور رہے گا۔ رہا حکومت اور اقتدار تو وہ بے شک محمود خان سنبھال سکتے ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ) اس کا سبب یہ تھا کہ "وہ چند روز کے لئے ایک خاص کام پر بھیجے گئے تھے۔"
دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول ص ۴۹۔

[1] انڈیا آفس کے کتب خانہ میں انقلاب ۱۸۵۷ء سے متعلق سر جان کے کے مجموعہ کاغذات میں سید احمد خان کا وہ خط (اصل) موجود ہے جو انہوں نے اپنے قیام انگلستان کے دوران جان کے کو اس استفسار کے جواب میں لکھا تھا کہ آیا ان کی رائے میں انقلاب کسی قومی تحریک کا نتیجہ تھا۔ باوجودیکہ جان کے نے اپنے خط میں یہ اشارہ کردیا تھا کہ وہ اس کو ایک حد تک قومی تحریک کا ہی نتیجہ تصور کرتے ہیں" سید احمد خان نے اسی رائے کا اظہار کیا کہ وہ قومی تحریک نہیں تھی۔ ۱۹۰۶ء میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سید احمد خان نے یہ بھی یقین دلایا کہ "خزانہ ہلدور نہیں جائے گا اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کوئی ایسی بات نہیں کریں گے جس سے نواب صاحب کی سرداری اور اعتبار پر دوسرے کو ترجیح ہو۔" الغرض سید احمد خان کی کوشش سے شکسپیر اور دوسرے یورپین افسروں کی جان بچ گئی اور وہ صحیح سلامت بجنور سے میرٹھ کی طرف روانہ ہو گئے۔[۲] سید احمد خان اس کے بعد اپنے دوست میر تراب علی کے ساتھ جو بجنور کے تحصیلدار تھے بسی کوٹلہ روانہ ہو گئے یہ گاؤں شہر سے چھ سات میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ لیکن محمود خان نے ان کو واپس بلوالیا۔ دوسرے ہند پاکستانی عہدہ دار بھی طلب کئے گئے۔ محمود خان نے ان سب کو حکم دیا کہ اپنے فرائض حسب سابق انجام دیتے رہیں۔ چنانچہ سید احمد خان نے بھی "دیوانی کا کام اسی طرح جس طرح انگریزوں کے سامنے کرتے تھے کرنا شروع کیا۔" اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ سید احمد خان نے اپنی رائے تبدیل کر دی تھی۔ اسی زمانہ میں محمود خان نے ان کو بلا کر کہا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ اور تم ہم سے ہمارے ساتھ شریک ہونے پر حلف کرو۔" سید احمد خان لکھتے ہیں کہ "اول تو مجھ کو بڑا ڈر ہوا کہ کیا جواب دوں پھر میں نے اپنے دل کو اسی بات پر مستقیم کیا کہ سچی بات اور سیدھی بات کہنی ہر وقت اچھی ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نواب صاحب میں اس بات پر حلف کر سکتا ہوں کہ میں ہر حال میں تمہارا خیر خواہ رہوں گا اور کسی وقت تمہاری بدخواہی نہ کروں گا۔ الا اگر تمہارا ارادہ ملک گیری اور انگریزوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا ہے تو میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوں اور میں نے کہا کہ خدا کی قسم نواب صاحب میں صرف تمہاری خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تم اس ارادہ کو دل سے

(گذشتہ سے پیوستہ) راقم الحروف اس خط کی نقل ساتھ لایا اور جولائی سنہ ۱۹۶۱ء میں "پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل" میں شائع کیا۔ دیکھو نوٹ نمبر ۲ بر صفحہ ۲۲

۱۔ سید احمد خان "سرکشی ضلع بجنور"

۲۔ گرہم کا بیان ہے کہ سید احمد خان کی درخواست پر محمود خان نے شکسپیر اور ان کی یورپین پارٹی کی سواری کے لئے دو ہاتھی اور ایک بیل گاڑی بھی دی اور خرچ کیلئے تین ہزار روپیہ دیا۔ گرہم صد ۲۹

نکال دو۔ حکام انگریزی کی عملداری کبھی نہیں جائے گی۔" سید احمد خان کے جواب سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ انقلاب کامیاب نہ ہوگا اور انہوں نے نہایت دلیری کے ساتھ اس حقیقت کو انقلابی لیڈر کے سامنے کہدیا۔ بہرحال محمود خان بھی تحریک میں کسی خود غرضی کی بنا پر شامل نہیں ہوئے تھے۔ وہ نوجوان کی بازی جنگ آزادی کی بساط پر لگا چکے تھے اور سید احمد خان کے دلائل ان کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے تھے۔

بہرحال اس ملاقات اور گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمود خان کی رائے سید احمد خان اور ان کے ہم خیال رفقار کار کے متعلق تبدیل ہوگئی۔ انقلابی حکومت کا رویہ ان کی طرف سے سخت ہوگیا۔ چنانچہ اب وہ اس فکر میں تھے کہ کسی صورت سے بجنور سے نکل جائیں۔ بجنور میں انقلابی حکومت کے لئے بالآخر ہندو زمینداروں کا مقابلہ دردِ سر ہوکر رہ گیا تھا۔ یہ لوگ چودھری کہلاتے تھے اور ان کے پاس کافی تعداد میں لڑنے والے آدمی موجود تھے۔ ۱۶ راگست کو ان لوگوں نے یکایک نواب کے آدمیوں پر حملہ کردیا اور اس کو مجبوراً نجیب آباد کی طرف جانا پڑا۔ چودھریوں نے بجنور کو دل بھر کر لوٹا۔ سید احمد خان نے محمود خان کی شکست کا حال شکسپیر کو لکھا تو اس نے حکم دیا کہ انگریزی حکومت کی طرف سے تم ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لو اور رحمت خان ڈپٹی کلکٹر اور تراب علی تحصیلدار کو اپنے ساتھ شریک کرلو چند روز انتظام سید احمد خان کے ہاتھ میں رہا۔ اب محمود خان نے بجنور پر دوبارہ قبضہ کرنے کی تیاری کرلی تھی۔ چنانچہ انہوں نے حملہ کیا اور چودھریوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ ان لوگوں نے ہلدور میں پناہ لی۔ سید احمد خان اور ان کے ساتھی بھی بجنور سے بھاگ کر ہلدور ہی چلے گئے۔ محمود خان نے ہلدور پر بھی حملہ کیا اور وہاں سے بھی چودھریوں کو بھگا دیا۔

میرٹھ کا سفر سید احمد خان کو بھی ہلدور سے بھاگنا پڑا۔ رات کے وقت وہ چپکے سے نکل کر میرٹھ کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستہ میں پلانہ گاؤں

لے سرکشی ضلع بجنور۔ صفحہ ۳۵

کے قریب مسلح ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کیا اور چاہتے تھے کہ ان کو لوٹ لیں اور مار ڈالیں لیکن بخشی سنگھ نامی ایک پٹھان نے ان کو بچالیا۔ اسی طرح قصبہ چاندپور کے قریب ایک بڑی تعداد مسلح آدمیوں کی ان پر حملہ آور ہوئی۔ اب انقلابیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ سید احمد خان کی پارٹی انگریزوں کی خیر خواہ ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں "کہ جب ہم قریب دروازہ چاندپور پہنچے اور بدمعاشان مسلمانان چاندپور کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی دفعتاً محلہ ہتیا پارہ میں ڈھول ہوا اور صدہا آدمی تلوار اور گنڈاسہ اور طمنچہ اور بندوق لے کر ہم پر چڑھ آئے۔ ہمارے مارے جانے میں کچھ شبہ باقی نہ تھا مگر فی الفور میر صادق علی رئیس چاندپور ہماری مدد کو پہنچے اور اپنے رشتہ داروں اور ملازمان کو ساتھ لے کر ان مفسدوں کو روکا...... میر صادق علی ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اور امن دیا۔ دوسرے روز خود ساتھ ہو کر موضع چھولہ تک پہونچا دیا۔ وہاں سے ہم بچھراؤں گئے... چند روز بسبب بیماری کے مقام کر کے ڈپٹی صاحب براہ خورجہ بعد پہنچانے اپنے اہل وعیال کے اور میں صدر امین سید ہا بمقام میرٹھ بحضور حکام عالی مقام حاضر ہوئے"[1] میرٹھ میں جج کرے کرافٹ ولسن نے سید احمد خان کی خدمات کی بہت تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ تقریباً چھ ماہ تک ان کو میرٹھ ہی میں رہنا پڑا۔ یہاں ان کو انگریزی افواج کے ہاتھوں دہلی کی تباہی اور مسلمانوں کی بربادی کی تفصیلات معلوم ہوتی رہتی تھیں۔ ان کو یہ بھی خبر ملی کہ انگریزی فوج نے ان کے گھر کو بھی لوٹ لیا ہے اور ان کے ماموں وحید الدین خان اور ماموں زاد بھائی ہاشم علی خان بھی باوجود انقلاب میں حصہ نہ لینے کے انگریزی انتقام کے شکار ہو گئے اور مارے گئے۔[2]

---

[1]۔ سرکشی بجنور ضلع۔ صـ ۱۴۲

[2]۔ اس واقعہ کو گریہم نے ان الفاظ میں لکھا ہے۔ "وہ (یعنی وحید الدین اور ہاشم علی خان) اسی قدر وفادار تھے جیسے کہ سید احمد لیکن اس خوفناک موقع پر مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے سب بے گناہوں کو بھی مجرموں کے کاموں کی سزا بھگتنی پڑی۔" (صـ ۲۸) یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ انگریزی فوجوں نے شہر دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے جذبہ انتقام کو پورا کرنے کے لئے دوست اور دشمن میں بہت کم فرق روا رکھا تھا۔

دہلی کو روانگی

سید احمد خان کے خاندان کے لوگ بھی دہلی کے اور باشندوں کی طرح شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن ان کی والدہ اور خالہ نہیں گئی تھیں۔ گھر پر فوج کا قبضہ ہونے کے بعد وہ جلو خانہ کی ایک کوٹھری میں جہاں ایک غریب لاوارث بڑھیا رہتی تھی، چلی گئی تھیں۔ اس تکلیف کی حالت میں انہوں نے آٹھ دن گذارے تھے کہ سید احمد خان خود دہلی پہنچ گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو انہوں نے دروازہ کھول کر پہلی بات یہ کہی "ہیں! تم یہاں کیوں چلے آئے؟ یہاں تو لوگوں کو مارے ڈالتے ہیں۔ تم چلے جاؤ۔ ہم پر جو گذرے گی گذر جائے گی۔" سید احمد خان نے ان کو سمجھایا کہ خوف کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ ان کے پاس انگریز حکام کے خطوط ہیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ دو روز سے پیاسی ہیں تو وہ فوراً جا کر قلعہ سے ایک صراحی پانی لائے۔ بغیر وقت ضایع کئے سید احمد خان نے یہ انتظام کیا کہ ڈاک کی شکرم میں ان کو اور ان کی والدہ و خالہ کو میرٹھ پہنچا دیا جائے۔ میرٹھ پہنچ کر کی تھوڑے ہی دنوں بعد انکی والدہ انتقال کر گئیں اس عرصہ میں ان کا خاندان کے دوسرے لوگ بھی میرٹھ ان کے پاس آ گئے تھے۔

جنگ آزادی کے دوران سید احمد خان نے حکومت کی جو خدمات انجام دی تھیں ان کے صلہ میں پنشن کے علاوہ شکسپیر یہ چاہتے تھے کہ چاندپور کے علاقے میں ایک جاگیر کے لئے بھی سفارش کریں۔ لیکن سید احمد خان نے منع کر دیا اور کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں رہنے کا نہیں ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک مسلمان بھائی کی ضبط شدہ جائداد میں سے انعامی جاگیر قبول کریں[1] مصلحتاً انہوں نے یہ بہانہ کر دیا کہ وہ ہندوستان میں قیام کرنا نہیں چاہتے۔ یہ جائداد ان ہی صادق علی خان کی تھی جنہوں نے سید احمد خان کو انقلابیوں کے ہاتھ سے بچایا تھا اگرچہ خود وہ انقلابی تحریک سے منسلک تھے۔

مراد آباد میں بحیثیت صدر الصدور

اپریل ۱۸۵۸ء میں سید احمد خان کو صدر الصدور مقرر کر کے

---

[1] دیکھو حیات جاوید حصہ اول صفحہ ۷۵—۷۶

مراد آباد بھیجا گیا۔ اسی زمانہ میں حکومت نے تین ممبروں کی ایک کمیٹی کی اس مقصد کے لئے تشکیل کی تھی کہ وہ ان عرضیوں کا فیصلہ کرے جو ضبطگی جائداد کے خلاف لوگوں نے دی تھیں۔ سید احمد خان کے علاوہ دو یورپین یعنی کمشنر روہیلکھنڈ اور جج مراد آباد اس کے ممبر تھے۔ "انگریزی حکام" بقول مولانا حالی "نیچرل طور پر ہندوستانیوں کی طرف سے عموماً بدگمان اور نہایت غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے...... اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا۔ اگرچہ سر سید نے اپنی زبان سے کمیشن مذکور کی کارروائی کے متعلق کبھی ہمارے سامنے کچھ بیان نہیں کیا لیکن مراد آباد کے معتبر اشخاص سے سنا گیا ہے کہ سر سید کی شرکت کے سبب یہاں کے کمشنر نے عذر داریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف کے ساتھ کی اور صوبہ شمال مغرب میں ضبط شدہ جائدادیں جس قدر ضلع مراد آباد میں واگذاشت ہوئیں ایسی کسی ضلع میں نہیں ہوئیں" اس کے بعد حالی نے مولانا عالم علی کا واقعہ لکھا ہے انہوں نے بعض یورپین افراد کو پناہ دی تھی لیکن انقلابیوں سے ان کو نہ بچا سکے تھے۔ ہنگامہ کے بعد وہ روپوش ہو گئے تھے سید احمد خان نے ان کو کلکٹر کے روبرو پیش کر دیا لیکن یہ کہہ کر بچا لیا کہ وہ خود بے قصور تھے [۱]

مراد آباد کے دوران قیام ہی میں سید احمد خان کی قومی خدمات کا سلسلہ شروع ہوا سب سے پہلا مسئلہ ان کے سامنے یہ تھا کہ انگریزوں کے جذبہ انتقام کو کم کیا جائے اور ان کے غضب سے کم از کم بے گناہوں کو تو بچا لیا جائے۔ ۲۸ جولائی ۱۸۵۹ء کو شاہ بلاقی صاحبؒ کے مزار کے قریب انہوں نے اپنی عمر کی پہلی پبلک تقریر کی۔ یہ موقع ان کو اس سلسلہ میں مل گیا کہ ملکہ وکٹوریہ کا جلسہ عام میں شکریہ ادا کیا جائے کہ انہوں نے امن کا اعلان کیا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا شایع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اپنا مشہور رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھا۔ رسالہ لائل محمڈنز کا منصوبہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا لیکن پھر بھی بعض لوگوں کے حالات جمع ہو گئے۔ ان رسالوں پر تفصیلی تبصرہ اگلے باب میں کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ اسی

---

[۱] - حیات جاوید - حصہ اول ص ۶۸

زمانہ میں سید احمد خان نے ایک رسالہ لفظ نصاریٰ پر لکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کا خیال تھا کہ مسلمان ان کے لئے یہ لفظ حقارت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر ان کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس لفظ کی اصل بعض لوگوں کے نزدیک یہ تھی کہ ناصرہ (نذریتھ) ہی وہ قریہ تھا جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی اور یہودی ان کو اسی وجہ سے ناصری کہتے تھے۔ یہودیوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تحقیر کے طور پر یہ لفظ استعمال کرتے ہوں لیکن مسلمان تو ان کو نبی برحق مانتے ہیں اس لئے تحقیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر مسئلہ کی نوعیت کو سمجھے بغیر انگریز حکام نے لفظ نصاریٰ کے استعمال کو جرم عظیم قرار دیکر سزائیں دینا شروع کیں۔ یہاں تک کہ پھانسی تک دی گئی[1]۔ سید احمد خان نے یہ دلیل پیش کی کہ مسلمان نصاریٰ لفظ نصر سے مشتق سمجھتے ہیں کہ ناصرہ سے "کیونکہ قرآن میں صاف آیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے کہا۔ من انصاری الی اللہ تو حواریوں نے کہا نحن انصار اللہ اور اسی لئے حواریوں کی پیروی کرنے والوں اور عیسیٰ پر ایمان لانے والوں کو اسی صفت کے ساتھ جس کی حواریوں نے ذمہ داری لی تھی، موصوف کیا گیا ہے۔ اور ان پر نصاریٰ کا اطلاق کیا گیا ہے[2]"۔ یقیناً اہل لغت کی سند سے سید احمد خان کی پیش کردہ دلیل کو تقویت نہیں پہنچی[3] لیکن یہ واقعہ ہے کہ لفظ نصاریٰ کے استعمال میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تحقیر کا کوئی پہلو مضمر نہیں ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس لفظ کا استعمال صرف دوران انقلاب ہی

---

[1] مولانا حالی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ سید احمد خان کے رسالہ کی اشاعت پر کسی اخبار نے ان کے بیان کی تردید کی اور لکھا کہ اس جرم کی کسی کو سزا نہیں دی گئی۔ اس تردید کے جواب میں ایک معزز یورپین افسر نے اس کا جواب دیا اور یہ لکھا کہ خود ہمارے سامنے ایک شخص کو اسی جرم میں کانپور میں پھانسی دی گئی: دیکھو حیات جاوید حصہ اول۔ صفحہ ۸۲

[2] حیات جاوید حصہ اول۔ صفحہ ۸۲

[3] عربی لغات میں سے اکثر میں نصاریٰ کی وجہ تسمیہ حضرت عیسیٰ کا ناصری ہونا ہی لکھا ہے۔

میں نہیں کیا گیا بلکہ پہلے سے ہوتا رہا ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ سید احمد خان کے رسالے نے انگریز حکام کی ایک غلط فہمی دور کرنے میں بہت مدد کی۔

انتظامِ قحط

سنہ ۱۸۶۰ء میں اس علاقہ میں ایک شدید قحط پڑا۔ مراد آباد کے کلکٹر جان اسٹریچی نے محتاج خانہ کا انتظام سید احمد خان کے سپرد کیا۔ انہوں نے نہایت سلیقہ مندی سے انتظام کیا[1] اور اسٹریچی پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے سید احمد خان کی یہ تجویز مان لی کہ لاوارث بچوں کو بجائے مشنریوں کے سپرد کرنے کے ہندو اور مسلمان معتمد شہریوں کو دے دیا جائے۔ تاکہ یہ بچے اپنے پیدائشی مذہب پر قائم رہ سکیں کیوں کہ مشنری لوگ تو انسانی ہمدردی کے جذبہ سے ان کی پرورش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مقصد کے تحت ان کو عیسائی بنا لیتے تھے۔ سید احمد خان کے حسن انتظام اور کامیابی کے ساتھ محتاجوں، غریبوں اور ضعیفوں کو کھانا پہنچانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی تفصیلات حیات جاوید میں پڑھی جا سکتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا حالی نے راجہ جے کشن داس کا دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے۔ جے کشن داس کہتے ہیں کہ سید احمد خان کا رسالہ لائل محمڈنز شائع ہوا تو میں نے خیال کیا کہ وہ سخت متعصب مسلمان ہیں لیکن جب میں نے قحط کے دوران ان کی خدمات کو دیکھا تو یہ رائے بدل دی۔ بعد میں راجہ جے کشن داس ان کے عزیز ترین دوستوں میں ہو گئے۔

اس عہد کے انگریز حکام کی ذہنیت اور عیسائی مشنریوں کے اثر کا اندازہ لگانے کے لئے ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ اسٹریچی کا تبادلہ ہونے پر مسٹر پاور کلکٹر ہو کر مراد آباد آئے۔ مشنریوں نے نو وارد افسر پر اپنا اثر ڈال کر یہ فیصلہ کرا لیا کہ جو لاوارث ہندو اور مسلمان بچے معتمد ہندو اور مسلمانوں کو سپرد کر دیئے گئے تھے وہ واپس لے کر مشنریوں کو دیدیئے جائیں۔ اس فیصلہ کے لئے پاور نے ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں سید احمد خان بھی موجود تھے۔ انہوں نے اور

---

[1] مولانا حالی نے سید احمد خان کے ایک دوست کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے زیر اہتمام محتاج خانہ کے چودہ ہزار نفوس کو ایک گھنٹہ کے اندر کھانا تقسیم ہو جاتا تھا۔

ایک دو اور ممبروں نے اس کی مخالفت کی لیکن اکثر ممبروں نے کلکٹر کو خوش کرنے کے لئے اس کی موافقت میں رائے دی۔ چنانچہ بہت سے بچے واپس کر دیئے گئے۔ سید احمد خان کے پاس بھی چار پانچ بچے تھے۔ ان کو بھی مشنریوں کی سپردگی میں دینے کے لئے واپس کرنا پڑا۔ چونکہ سید احمد خان کی بیوی ان سے نہایت شفقت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتی تھیں اس لئے بچے جانا نہیں چاہتے تھے اور جاتے وقت زار و قطار روتے تھے۔ لیکن سید احمد خان بے بس تھے۔ ان کے رونے اور جدائی کا سید احمد خان کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے سوچا کہ ایک یتیم خانہ قائم کیا جائے تاکہ ہندو اور مسلمان یتیم بچے مشنریوں کے پنجہ میں پھنسنے سے بچائے جاسکیں۔ بعد میں مزید غور کرنے پر انہوں نے رائے تبدیل کر دی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستان کے اس قسم کی خرابیوں کا علاج تعلیم ہے۔[1]

سید احمد خان ابھی مراد آباد میں تھے کہ ان کی بیوی کا ۱۸۶۱ء میں انتقال ہو گیا۔ انہوں نے ایک لڑکی اور دو بیٹے۔ سید حامد اور سید محمود چھوڑے۔ اگرچہ اس وقت سید احمد خاں کی عمر چوالیس سال ہی تھی لیکن انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ دوسری شادی نہیں کریں گے۔ ان کا یہ فیصلہ نہایت اہم تھا۔ بچوں کی دیکھ بھال کے علاوہ وہ خانگی علایق سے آزاد ہو گئے اور اسی زمانہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے خود کو قومی خدمات کے لئے وقف کر دیا۔

ملازمت کے آخری سال

۱۸۶۲ء میں ان کا تبادلہ غازی پور کو ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر تعلیم کی ترویج کے لئے انہوں نے ٹھوس اقدامات کئے مثلاً سائنٹیفک سوسائٹی[2] اور مدرسہ غازی پور۔ دو سال بعد ان کا علیگڑھ کو تبادلہ ہو گیا۔ یہاں ان کی تعلیمی تحریک نے چند اور ابتدائی منزلیں طے کیں

---

[1] ۔ حیات جاوید، حصہ اول، صفحہ ۸۶ گرہم نے سید احمد خان کے تعلیم کے متعلق جو خیالات تھے ان کی طرف اشارہ کیا ہے، دیکھو صفحہ ۷
[2] ۔ ان کی تفصیلات دوسرے باب میں ملاحظہ کیجیے۔

۱۸۶۷ء میں سید احمد خان ترقی پاکر جج اسمال کاز کورٹ ہو گئے اور ان کا تبادلہ بنارس ہو گیا۔ سید احمد خان کی دلچسپی تعلیمی مسائل سے اب بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ قوم کو تعلیم کا صحیح راستہ دکھلانے کا اب انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ۱۸۶۹ء میں انہوں نے طے کیا کہ وہ خود انگلستان جاکر وہاں کے طرز تعلیم اور رہائش وغیرہ اور مغربی تمدن کا مطالعہ کریں تاکہ مناسب اور ٹھیک طریقہ پر یہاں اصلاحات کی جا سکیں[۵]۔ اسی زمانہ میں ان کے لڑکے سید محمود کو انگلستان میں اعلیٰ تعلیم جاری رکھنے کا حکومت کی طرف سے وظیفہ مل گیا۔ چنانچہ سید احمد خان نے ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس سفر کی اہمیت سید احمد خان کے نزدیک اس قدر زیادہ تھی کہ انہوں نے اپنی مالی حالت کی بھی پروا نہیں کی۔ سفر کے اخراجات کے لئے انہوں نے اپنے کتب خانہ کی بہت سی کتابیں علیحدہ کیں اور مکان کو بھی گرو کیا۔ توزک جہانگیری کو انہوں نے بڑی محنت کے بعد نہایت اہتمام سے ٹائپ میں چھپوایا تھا اور دس روپیہ اس کی قیمت رکھی تھی۔ سفر کے لئے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے اس کو فروخت کر دیا بالآخر یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو وہ بنارس سے انگلستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے ایک سفر نامہ بھی تیار کیا جو تہذیب الاخلاق میں شائع ہوا۔

قیام انگلستان

سید احمد خان کے قیام انگلستان کا حال یہاں تفصیل کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا لیکن اس کے بعض اہم پہلوؤں کا ذکر ضروری ہے۔ بعض انگریزوں سے سید احمد خان کے دوستانہ تعلقات استوار ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان احباب نے جن میں ان کے سوانح نگار لفٹننٹ کرنل گراہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان کا خیر مقدم کیا[۶]۔ انہوں نے لندن میں میکلنبرگ اسکوائر میں ایک مکان میں قیام

۵۔ دیکھو سید احمد خان کی جو درخواست ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کے سوسائٹی اخبار میں شائع ہوئی تھی۔ حیات جاوید میں اس کا اقتباس موجود ہے۔ حصہ اول ص ۱۱۹ — ۱۲۰

۶۔ ان کے دوسرے دوستوں میں لارڈ لارنس اور لارڈ اسٹنلی بھی قابل ذکر ہیں۔ مشہور مصنف کارلائل سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور کافی دیر تک اس کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیا۔ سید احمد خان نے جس مقصد سے یہ سفر کیا تھا وہ ہر وقت اپنے سامنے رکھا۔ انہوں نے مغربی تہذیب و تمدن کے ہر پہلو کا بہت غور سے مطالعہ کیا۔ وہاں کی طرز تعلیم کو مکمل طور پر سمجھنے کی کوشش کی اور اس غرض سے کیمبرج اور دوسری درسگاہوں کو دیکھا۔ مغربی اقوام کی ترقی کے راز معلوم کیئے اور اس کا اندازہ لگایا کہ ہندوستان کے لوگ ان کے اطوار اور طریقوں کو کس حد تک اپنا سکتے ہیں اور ترقی کے لئے کہاں تک یہ ضروری ہے کہ ان کو اپنایا جائے۔ سید احمد خان کے خیال میں انگریزی طرز تعلیم اور مغربی تمدن میں بہت سی باتیں ایسی تھیں جو ان کی قوم کے لئے مفید ہی نہیں بلکہ ضروری تھیں۔ یہ امر ان کی ان تحریروں سے واضح ہو جاتا ہے جو وہاں کے متعلق انہوں نے شایع کیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ "۱۵ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو انہوں نے ایک لمبی تحریر سوسائٹی اخبار میں چھپنے کو بھیجی جس میں چھ مہینے کے حالات مختصر طور پر بیان کیئے تھے۔ اور یورپ کی ترقی اور اپنے ملک کے ادبار اور تنزل کی مثالیں پیش کر کے اہل وطن کو غیرت دلائی تھی۔ جب اس تحریر کا نتیجہ بھی سوا اس کے کہ لوگ برافروختہ ہوں اور برا بھلا کہیں۔ کچھ نہ ہوا تو ۲۲ مارچ ۱۸۷۰ء کو ایک دوسری تحریر بعنوان 'غدر از طرف سید احمد، ہندوستان بھیجی۔ پھر ایک اور تحریر بعنوان 'عرضداشت سید احمد بخدمت اہل وطن' اخبار میں چھپنے کے لئے روانہ کی۔ ان تمام تحریروں کے دیکھنے سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں سرسید کو اہل وطن کی بھلائی کا کس قدر خیال تھا۔ گو ان تحریروں سے قوم و ملک کے کان پر جوں نہیں چلی۔ مگر درحقیقت یہ سب تمہیدیں تھیں ان کارروائیوں کی جو آخر کار ہندوستان میں پہنچ کر سرسید کے ہاتھ سے ظہور میں آئے۔"[1]

(گذشتہ سے پیوستہ) مشہور کتاب کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ سر جان ولیم کے سے بھی جس کی صحیح اور پُر از معلومات تصنیف "ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی" اس موضوع پر قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے، سید احمد خان نے ملاقات کی اور ان سے خط و کتابت بھی رہی۔ قیام انگلستان کی بعض دلچسپ تفصیلات گریم کی کتاب کے آٹھویں باب میں موجود ہیں۔

[1] - حیات جاوید حصہ اول - ص ۱۲۸-۱۲۹۔

بعض مغربی مصنفین نے سید احمد خان کی تحریروں پر مبالغہ آمیز اور ناروا الفاظ (بقیہ آگے)

اس کے علاوہ سید احمد خان نے انگلستان کے قیام میں اپنی مایہ ناز تصنیف خطبات احمدیہ کی تیاری کے لئے تحقیق وتلاش کا کام کیا کفایت کے پیش نظر اس کے مختلف مضامین کے خلاصوں کا انگریزی ترجمہ انگلستان میں شایع کیا۔ مکمل کتاب اردو میں ہندپاکستان پہنچ کر شایع کی۔

۴ ستمبر ۱۸۷۰ء کو سید احمد خان اپنے بڑے بیٹے سید حامد کو ساتھ لے کر واپسی کے سفر پر روانہ ہوئے۔ انگلستان میں ان کی مدت قیام ایک سال پانچ ماہ تھی۔ اس قلیل عرصہ میں انہوں نے اتنا کام کیا کہ دوسرے لوگ اس سے بہت زیادہ مدت میں نہیں کر سکتے تھے۔ اگر وہ صرف خطبات احمدیہ کے لئے مواد جمع کرنے میں اس قدر وقت لیتے تب بھی یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہوتا۔ لیکن انہوں نے اس کے علاوہ تعلیمی و دیگر مسائل پر عبور حاصل کیا اور مغربی تہذیب کے حسن و قبح کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ جس سے ان کو اپنی قوم کی اصلاحی کوششوں میں بہت مدد ملی۔ ایک اور فائدہ سید احمد خان کے سفر انگلستان اور سید محمود کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا یہ ہوا کہ ہندپاکستان کے مسلمان طلبہ کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی اور سلسلہ اس کا جلد ہی شروع ہو گیا۔[۱]

(گذشتہ سے پیوستہ) میں تنقید کی ہے۔ مثلاً کینٹول اسمتھ اپنی کتاب "ماڈرن اسلام ان انڈیا اینڈ پاکستان" (ایڈیشن دوم۔ ۱۹۴۹ء ص ۹) میں لکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اس وقت پورے شباب پر تھی۔ اس کو دیکھ کر سید احمد خان مرعوب اور بچوں کی طرح خیرہ (یا بدحواس) ہو گئے" اسمتھ کے یہ الفاظ اگر تعصب نہیں تو سید احمد خان کے کردار سے لاعلمی اور ان کے طرز تحریر سے ناواقفیت کا نتیجہ ہیں۔

[۱] مشہور مسلمان مورخ سید امیر علی کے انگلستان جانے کی خبر سائنٹفک سوسائٹی کے اخبار نے ان الفاظ میں شایع کی تھی "سید احمد خان کے ولایت جانے نے ہندوستانیوں کے واسطے ایک عمدہ مثال قابل تقلید قائم ہو گئی ہے۔ چنانچہ کلکتہ کے ایک نوجوان مسلمان سید امیر علی ... لندن روانہ ہوئے ہیں اور بہت سے ولایت جانے کو تیار ہو رہے ہیں"۔ دیکھو حیات جاوید حصہ اول ص ۱۳۰

آخر اکتوبر تک سید احمد خان نے بنارس پہنچ کر اپنے فرائض کا چارج لے لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے اصلاحی پروگرام کی ابتدائی منزلوں کو طے کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ وہ جانتے تھے کہ سب سے مشکل مرحلہ رائے عامہ کو ان اصلاحات کے لئے تیار کرنا ہے جو ان کے ذہن میں تھیں۔ چنانچہ تہذیب الاخلاق میں مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ چار پانچ سال کی کوششوں کے بعد علی گڈھ میں اسکول کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی مدرستہ العلوم نے آخر کار سید احمد خان اور ان کے رفقار کار کی عظیم الشان کوششوں کے مرکز کی حیثیت حاصل کر لی۔

امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی ممبری

علیگڈھ میں اسکول کے قیام سے قبل اور اس کے چند سال بعد کی مصروفیات اور اقدامات کا تفصیلی ذکر اگلے باب میں ہے۔ ۱۸۷۸ء میں سید احمد خان کو لارڈ لٹن کی حکومت نے امپیریل کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ نامزدگی کی مدت کے اختتام پر وہ دوبارہ نامزد ہوئے۔ کونسل کے ممبر کی حیثیت سے ان کے کارناموں کا ذکر کرنے سے پہلے یہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ کونسل میں ہندوستانیوں کی شرکت کے متعلق سب سے پہلے سید احمد خان نے ہی حکومت کو توجہ دلائی تھی۔ انقلاب کے فوراً بعد "اسباب بغاوت" پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا کہ "اصلی سبب اس فساد کا میں تو ایک ہی سمجھتا ہوں۔ باقی جس قدر اسباب ہیں وہ سب اس کی شاخیں ہیں اور یہ سمجھ میری کچھ وہمی اور قیاسی ہی نہیں ہے بلکہ اگلے زمانہ کے بہت سے عقلمندوں کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے اور تمام مصنفین پرنسپل آف گورنمنٹ کے اس باب میں میری طرف دار ہیں اور تمام تاریخیں یورپ اور افریقہ کی میری رائے کی صداقت میں بہت معتمد گواہ ہیں۔

"سب لوگ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ واسطے اسلوبی اور خوبی اور پائداری گورنمنٹ کے مداخلت رعایا کی حکومت ملک میں واجبات سے ہے۔ حکام کو بھلائی یا برائی تدبیر کی صرف لوگوں سے معلوم ہوتی ہے پیشتر اس سے کہ خرابیاں اس درجہ کو پہنچیں کہ پھر جن کا علاج ممکن نہ ہو۔

سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ میل　　چو پُر شد نشاید گزشتن بہ پیل

اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی جب تک کہ مداخلت رعایا کی حکومت ملک میں نہ ہو۔ علی الخصوص ہماری گورنمنٹ کو جو غیر ملک کی رہنے والی تھی اور مذہب اور رواج اور راہ و رسم اور طبیعت اور عادت بھی اس ملک سے مختلف رکھتی تھی۔ اس بات پر خیال رکھنا واجبات سے تھا........ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری گورنمنٹ نے ملکی حالات اور اطوار دریافت کرنے میں کوشش نہیں کی...... مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ رعایا کے حالات اور عادات اور خیالات اور رسوم و طبائع اور اطوار اور طبیعت اور طینت اور لیاقت کے دریافت کرنے میں توجہ نہیں کی۔ بلاشبہ ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم تھا کہ ہماری رعیت پر دن کیسا گذرتا ہے اور رات کس مصیبت کی آتی ہے۔....

"لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانیوں کے شریک نہ ہونے سے صرف اتنا ہی نقصان نہیں ہوا بلکہ گورنمنٹ کو اصلی مضرت قوانین و ضوابط کی جو جاری ہوئے بخوبی معلوم نہیں ہو سکی اور اغراض عام رعایا جس کا لحاظ رکھنا گورنمنٹ کو واجبات سے تھا ملحوظ نہیں رہیں اور رعایا کو اس کے رفع کرنے اور اپنے مطلب کے پیش کرنے کی فرصت اور قدرت نہیں ملی بلکہ بڑا نقصان یہ ہوا کہ رعایا کو منشاء اور اصلی مطلب اور دلی ارادہ گورنمنٹ کا معلوم نہ ہوا۔"[1]

سید احمد خان کی صرف چند کا ذکر اس اقتباس میں ہے۔ لیکن اتنی عبارت بھی اس اہم مسئلہ پر ان کی رائے اور احساسات کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے۔ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ سید احمد خان سب سے پہلے ہند پاکستانی ہیں جنہوں نے یہ ہمت کی کہ گورنمنٹ کی پالیسی پر تنقید کریں اور انگریز حکام کو بتلائیں کہ ان کے طرزِ حکومت میں کیا خرابیاں ہیں۔ اس کے علاوہ انقلاب کے دوران جو خدمات حکومت کی انہوں نے کی تھیں ان کے پیش نظر انگریز حکام ان کی تجاویز اور تبصروں پر بہت سنجیدگی سے غور کرتے تھے لہٰذا اس میں شک نہیں کیا جا سکتا کہ کونسل میں ہند پاکستانیوں کی شرکت کے سلسلہ میں رسالہ بغاوت ہند میں سید احمد خان کی تجویز

---

[1] رسالہ اسباب بغاوت ہند معہ مقدمہ ڈاکٹر محمود حسین (کراچی)۔ ص ۸-۱۲۔

خاص اہمیت رکھتی ہے۔

کونسل میں ممبری کی حیثیت سے سید احمد خان کو بہت جلد ایک بلند مقام حاصل ہو گیا۔ وہ انگریزی میں تقریر تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اپنی تقریر کا ترجمہ کرا کر سکریٹری کو دیدیتے تھے اور وہ کونسل کے سامنے اس کو پڑھ کر سناتے تھے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ انگریزی ترجمہ کو اردو حروف میں لکھ کر انہوں نے خود اپنی تقریر سنائی۔[1]

اپنی ممبری کے چار سالہ دور میں سید احمد خان نے دو قوانین کی منظوری کے لئے تجویز پیش کی۔ ایک چیچک کے ٹیکہ سے متعلق تھا اور دوسرا قاضیوں کے تقرر سے۔ تیسری تجویز جو وہ پیش کرنا چاہتے تھے وقف خاندانی سے متعلق تھی۔ اس زمانہ میں بڑی کثرت سے مسلمانوں کی جائدادیں تباہ ہو رہی تھیں اور خاندان کے خاندان مفلسی کا شکار ہوتے جا رہے تھے۔ اس کو روکنے کے لئے سید احمد خان نے قانون کا ایک مسودہ تیار کیا جس کی رو سے خاندانی جائداد کسی حالت میں منتقل نہیں کی جا سکتی تھی اور اس کی وہی حیثیت ہو جاتی جو دوسرے اوقاف کی ہوتی تھی۔ اس مسودہ کو اخبارات میں اس غرض سے شائع کیا گیا کہ رائے عامہ معلوم کی جائے۔ اس پر مسلمان علماء میں اختلاف رائے ہوا۔ چنانچہ سید احمد خان اپنا مسودہ پیش نہ کر سکے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر سید احمد خان کا پیش کردہ مسودہ قانون ہو جاتا تو کثیر تعداد میں وہ جائدادیں جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے پاس چلی گئیں محفوظ ہو جاتیں اور من حیث القوم مسلمانوں کی اقتصادی حالت پر اس کا اچھا اثر پڑتا۔[3]

---

[1] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۱۹۱

[2] سید احمد خان کی تقریر کا ترجمہ جو اس قانون پر بحث کے دوران انہوں نے کی تھی گریم نے اپنی کتاب میں دیدیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور تقریر کا ترجمہ بھی ہے۔ دیکھو گریم ص ۲۹۰-۲۹۸

[3] بعد میں مولانا شبلی کی کوششوں سے قانون وقف علی الاولاد پاس ہو گیا۔
دیکھو حیات شبلی

سید احمد خان اور ایجوکیشن کمیشن

۱۸۸۲ء میں حکومت نے سر ولیم ہنٹر کی صدارت میں ایک تعلیمی کمیشن مقرر کیا۔ اس میں سید احمد خان کو بھی ممبر بنایا گیا تھا۔ لیکن ان کو کمیشن کے طریقہ کار سے اختلاف تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر جلسہ کا ایجنڈا پہلے سے ممبروں کو بھیجا جائے اور دوران بحث میں ممبران جو تقریریں کریں ان کو قلم بند کیا جائے۔ صدر کمیشن نے کام کی زیادتی کا عذر پیش کرتے ہوئے ان کی تجاویز سے اختلاف کیا۔ اس پر سید احمد خان نے ممبری سے استعفیٰ دے کر کمیشن سے تعلق قطع کر لیا۔ لیکن وائسرائے کی خواہش پر انہوں نے اپنے بیٹے سید محمود کو اس کی اجازت دیدی کہ وہ ممبری قبول کر لیں[1]۔ خود سید احمد خان نے کمیشن کے سامنے شہادت دی اور اس میں بہت سے مسائل پر روشنی ڈالی۔ ایک اہم مسئلہ یہ تھا کہ اسکولوں میں ذریعہ تعلیم کون سی زبان میں ہو۔ سید احمد خان نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ "ان پرائمری اور مڈل اسکولوں میں جن کا مقصد طالب علموں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے واسطے تیار کرنے کا نہیں مغربی علوم کا جہاں تک کہ وہ ان میں پڑھائے جاتے ہیں ورنیکلر زبان میں پڑھایا جانا بے شک ملک کے حق میں بہتر ہوگا: مگر انگریزی ابتدائی اسکولوں میں جو اس غرض سے قائم کیے گئے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم کے واسطے بطور ایک زینہ کے کام دیں ورنیکلر زبان کے ذریعہ سے یورپین علوم کو پڑھانا تعلیم کو برباد کرنا ہے"۔ سید احمد خان کی اس رائے پر ہم کو تعجب کرنا نہیں چاہیئے نہ اس سے عجلت میں یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ وہ مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق یہ رائے قائم کی تھی۔ اس وقت اردو کا سرمایہ جہاں تک کہ مغربی علوم کا تعلق ہے ایسا نہ تھا کہ بلند معیار قائم رکھتے ہوئے اعلیٰ تعلیم اس زبان میں دی جا سکے۔ ممکن ہے کہ بعض ماہرین تعلیم کو اس سے اتفاق نہ ہو لیکن اس

---

[1] مولانا حالی نے حیات جاوید (حصہ اول صفحہ ۱۹۴ نوٹ حاشیہ) میں ان اٹھارہ رزولیوشنوں کا خلاصہ دیدیا ہے جو مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق سید محمود نے کمیشن میں منظور کرائی تھیں۔

میں شک نہیں کہ سید احمد خان کے دلائل میں بہت وزن تھا۔[1]

کونسل کی اہم تقریریں دو قومی نظریہ کی ابتدا

البرٹ بل پر بھی سید احمد خان کی تقریر اہم ہے اس بل کا مقصد یہ تھا کہ اس توہین آمیز قانون کو ختم کیا جائے جس کی رو سے انگریز باشندگان ہند کے مقدمات ہند پاکستانی مجسٹریٹوں کی عدالت میں نہیں جا سکتے تھے۔ اس پر یورپینوں نے بہت شور مچایا اور آخر کار گورنمنٹ نے ان کے مطالبہ کو مانتے ہوئے قانون مذکور میں ترمیم نہیں کی لیکن سید احمد خان کی تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ سب انسانوں کو برابری کی حیثیت دینے کے کس قدر حامی تھے۔ سید احمد خان کی سب سے زیادہ اہم تقریر وہ تھی جو انہوں نے کونسلوں میں نیابت کے اصول پر بحث کے دوران کی۔ اس مسئلہ پر اور سید احمد خان کے تصور قومیت کے متعلق اگلے باب میں تفصیلی بحث کی گئی ہے لیکن یہاں اس قدر ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیاسیات ہند کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مسلمانوں کے مسلم لیڈر نے حکومت کو بتلایا کہ اس وسیع خطہ ارض میں جس کو ہندوستان کہتے ہیں۔ نیابتی حکومت کے وہ اصول اور طریقے کامیاب نہیں ہوں گے جو برطانیہ میں بنیادی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔[2]

---

[1] ۔ دیکھو گریم۔ صفحہ ۲۱۵ تا ۳۲۵ مصنف نے سید احمد خان کی شہادت کے بعض حصے نقل کئے ہیں جن میں ذریعہ تعلیم کے علاوہ دوسرے مسائل پر بھی انہوں نے اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ اگست ۱۸۸۲ء میں ایجوکیشن کمیشن نے اپنی میٹنگ علیگڈھ میں کی۔ یہاں کمیشن کے صدر ہنٹر کو ایک ایڈریس کالج میونسپلٹی اور چند اور جماعتوں کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں انہوں نے کالج کی تعریف اور سید احمد خان اور ان کے رفقا کار کی تعلیمی خدمات کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے خلوص نے کس طرح مخالفین کی رایوں کو تبدیل کر دیا تھا۔

[2] ۔ دیکھو۔ سر ریجنالڈ کوپ لینڈ کی کتاب "انڈیا" (لندن ۱۹۴۵ء) صفحہ ۹۳

پبلک سروسز کمیشن کی ممبری

۱۸۸۶ء میں لارڈ ڈفرن کے عہد حکومت میں سید احمد خان پبلک سروسز کمیشن کے ممبر مقرر ہوئے۔ اگرچہ سید احمد خان نے مغربی تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن وہ فطری ذہانت کی بدولت ان مسائل کی نوعیت کو بھی خوب سمجھ سکتے تھے جن کا تعلق جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے تھا۔ کمیشن کے ممبر کی حیثیت سے جو خدمت ملک اور قوم کی وہ کرنا چاہتے تھے اس کے بعض پہلوؤں کی طرف انہوں نے مولانا حالی کے ایک خط کے جواب میں کچھ اشارے کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "پبلک سروسز کمیشن میں میں اس بات پر ساعی تھا کہ اسٹیٹوری سول سروس جو جاری ہے اور جس سے ہندوستانیوں کا انتخاب یورپین کے عہدوں پر ہوتا ہے، وہ منسوخ نہو؛ اور جو قواعد اس کی نسبت گورمنٹ سے جاری ہوئے ہیں اگر ضرورت ہو تو ان میں کچھ اصلاح کی جائے۔ کثرت رائے اس کے برخلاف تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ قانون مذکور منسوخ ہو اور اس کی جگہ دوسرا قانون پارلیمنٹ سے جاری ہو اور اس میں جدید قواعد مرتب کئے جائیں۔ اسی کثرت رائے کے مطابق یہاں سے رپورٹ گئی۔ مگر ولایت میں یہ تجویز ہوئی کہ سٹیٹوٹری سول سروس کے قانون کو منسوخ کرنا ضروری نہیں اور جدید قانون کے بھی جاری کرنے کی حاجت نہیں۔ مگر ولایت سے۔ اسی تجویز کے مطابق جو کہ کثرت رائے سے جدید قانون بنانے کے لئے لکھی گئی تھی۔ کچھ قواعد بن کر آئے جن کے بموجب عمل درآمد ہے اور جن کو میں پسند نہیں کرتا۔ زیادہ تفصیل اس کی بغیر آپ کی ملاقات کے بیان نہیں ہو سکتی"[1]

خطاب و ڈگری

سید احمد خان کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں حکومت نے ۱۸۸۸ء میں کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب عطا کیا۔ اس زمانہ میں یہ خطاب ہندوستانیوں کو بہت کم ملتا تھا۔ ان کے نام کے ساتھ لوگ اس خطاب کا

---

[1] ۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ یہ خط ۲۲ر نومبر کو لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ متعدد بار سید احمد خان سے ملے لیکن کمیشن کے متعلق تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں ملا۔ دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص۲۱۱–۲۱۲

لفظی نشان یعنی "سر" اس قدر سے استعمال کرتے تھے کہ آج کل ایک حد تک غیر شعوری طور پر ان کو عام گفتگو میں سر سید ہی کہا جاتا ہے۔ اگلے سال یعنی ۱۸۸۹ء میں ان کی ان ہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اڈنبرا کی یونیورسٹی نے ان کو ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ۲۴ مئی کو سوسائٹی گارڈن کے ہال میں ایک بڑے جلسہ میں علیگڈھ کے کلکٹر نے "ستارہ ہند" سر سید کے سینہ پر لگا دیا اور فیتہ معہ بیج کے جو اس کے ساتھ تھی ان کے گلے میں ڈال دیا۔" اس کے بعد کلکٹر نے ایک تقریر کی جس میں سید احمد خان کی تعریف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ "اہل فرنگ اور اہل ہند نے سید صاحب کی وسیع عقل اور روشن حب الوطنی سے بہت کچھ سیکھا ہے...... ان میں نوجوانی سے دو وصف برابر پائے گئے ہیں۔ ایک علم کی محبت دوسرے وطن کی محبت کہ یہ دونوں ایک جگہ بہت کم پائے جاتے ہیں..... سید صاحب وسیع ہمدردی، دانشمندانہ صلاح، تجربہ کاری، سرگرمی، مستعدی، مستقل مزاجی اور حب الوطنی کی مثال ہیں اور نیز وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنے واسطے کبھی کچھ تلاش نہیں کیا بلکہ ہر چیز اپنے ملک کے واسطے چاہی اور اس لئے ان کے ملک کے لوگ اور ملکہ معظمہ ان کی عزت کرتی ہیں اور ہم لوگ محبت اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔" یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ علیگڈھ کے رؤسا سید احمد خاں کو ایک بہت بڑی دعوت دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ یہ محض فضول خرچی ہے۔ جو روپیہ ہمارے پاس ہو وہ ہم کو تعلیم مسلمانان پر خرچ کرنا چاہیئے۔[۱]

ڈگری ملنے کے سلسلہ میں مولانا حالی نے سید احمد خان کے رد عمل کا ذکر دلچسپ الفاظ میں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد خان یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ ان کی اعزازی ڈگری کو اصلی ڈگری تصور کریں۔ مولانا حالی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اڈنبرا کی ڈگری پر وہ فخر کیا کرتے تھے اور اس کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن

---

[۱] دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۲۲۵-۲۲۶

"ایسی آنریری ڈگریوں کو ڈگری پانے والوں کی اصلی لیاقت کا معیار کبھی نہیں سمجھا بلکہ وہ یونیورسٹی کی ہر ایک ڈگری کو اس قوم کے حق میں جس کے ہاتھ میں اس یونیورسٹی کی باگ نہ ہو ایک بھیک کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایڈریس کے جواب میں جو اہلِ پنجاب نے ۱۸۹۴ء میں ان کو بمقام جالندھر دیا صرف کہا تھا کہ یونیورسٹی کی مثال اور ہمارے کالج کے لڑکوں کی مثال آقا اور غلام کی سی ہے۔ ہم یونیورسٹیوں کے تابع ہیں۔ اس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں جو ٹکڑا ٹیڑا علم کا وہ دیتی ہے اسی کو کھا کر پیٹ بھر لیتے ہیں اور اسی پر قناعت کرتے ہیں۔ اے دوستو! ہماری پوری تعلیم اس وقت ہو گی جبکہ ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو گی۔ یونیورسٹیوں کی غلامی سے ہم کو آزادی ہو گی۔ ہم آپ اپنی تعلیم کے مالک ہوں گے اور بغیر یونیورسٹیوں کی غلامی کے ہم آپ اپنی قوم میں علوم پھیلائیں گے۔ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہو گا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر۔ یونیورسٹی کی تعلیم ہم کو صرف خچر بناتی ہے۔ اے دوستو میں خود بھی انہیں میں ہوں کیوں کہ مجھ کو بھی ایک یونیورسٹی نے ال ال ڈی کی ڈگری دی ہے۔ ہم آدمی جبھی بنیں گے جب ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو گی"[۱] اس طویل عبارت کو یہاں اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ اس سے سید احمد خان کے خیالات پر روشنی پڑتی ہے۔ انہوں نے اس میں ایک اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ یہ کہ یونیورسٹی کو بیرونی اثرات سے پاک ہونا چاہئے۔ اسی صورت میں وہ اپنے مقاصد کو پورا کر سکتے ہیں۔

چند مشکلات

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب سید احمد خان کی شہرت انتہائے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ وہ مسلمانوں کے مسلمہ سیاسی لیڈر تسلیم کئے جاتے تھے[۲] اور تعلیم کے میدان میں تو سارے برصغیر میں کوئی بھی ان کا ہمسر نہ تھا۔ لیکن اسی زمانہ میں ان کو بعض انتہائی تکلیف دہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں

---

[۱] دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۲۲۹

[۲] مسلمانوں کی سیاسی راہنمائی کے سلسلہ میں سید احمد خان کے کارناموں کا ذکر اگلے باب میں کیا گیا ہے۔

ٹرسٹیز بل کا قضیہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

علیگڈھ کالج کا انتظام ابتدا میں مجلس خزینۃ البضاعت لتاسیس مدرستہ العلوم للمسلمین[۱] یا بہ عرف عام محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج فنڈ کمیٹی کے سپرد تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب کالج نے قدرے ترقی کی اور اس کی ضروریات زیادہ بڑھیں تو ۱۸۸۳ء میں اس مجلس نے چار کمیٹیاں بنا دی تھیں۔ رفتہ رفتہ سید احمد خان نے محسوس کیا کہ انتظامی امور کے لئے زیادہ بہتر طریقہ کار اور قواعد کی ضرورت ہے۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ کالج کا سرمایہ (جواب کافی بڑھ چکا تھا) اور کالج کو بہ طریق احسن چلانے کی ذمہ داری ایک رجسٹرڈ ادارہ پر ہونا چاہئے جو قانونی حیثیت رکھتا ہو۔ قواعد بھی ایسے وضع کئے جائیں جو جزئیات پر حاوی ہوں۔" سرسید کے معزز یورپین دوستوں نے بھی دور اندیشی کی راہ سے یہی صلاح دی اور گورنمنٹ کی طرف سے بھی یہ ایما پایا گیا کہ جب تک اطمینان کے قابل آئندہ انتظام نہ ہوگا گورنمنٹ اور حیدرآباد کی امداد جاری نہیں رہ سکتی[۲] ان حالات کے پیش نظر سید احمد خان نے ۱۸۸۹ء میں ضوابط و قوانین کا ایک مسودہ تیار کر کے ممبروں کے پاس رائے کے لئے بھیجا۔ اس کی بعض دفعات سے کچھ ممبران بالخصوص سید احمد خان کے قریبی دوست اور رفیق کار مولوی سمیع اللہ خان[۳] نے اختلاف کیا۔ جن دفعات سے ان ممبران نے اختلاف کیا تھا۔ ان میں وہ دفعہ قابل ذکر ہے جس میں سید احمد خان کے بیٹے سید محمود کو جوائنٹ سکرٹیری نامزد کیا گیا تھا۔ ٹرسٹیز بل تو کثرت رائے سے اسی شکل میں پاس ہو گیا۔ جس میں سید احمد خان نے پیش کیا تھا لیکن مولوی سمیع اللہ خان اور چند دوسرے ممبران سے سید احمد خان کے تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو گئے۔ یہاں یہ ذکر، نامناسب نہ ہوگا کہ سید احمد خان اور سمیع اللہ خان کے درمیان اختلاف کا باعث انگریز اساتذۂ کالج کی ریشہ دوانیاں

---

[۱] دیکھو محمڈن کالج ہسٹری مرتبہ سید افتخار عالم (آگرہ ۱۹۰۱ء) صد ۲۴

[۲] حیات جاوید۔ حصہ اول صد ۲۳۰

[۳] مولوی سمیع اللہ خان کے حالات اسکول علیگڈھ قیام کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں۔

تھیں۔ یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ سید احمد خان کے بعد کالج کے سکریٹری سمیع اللہ خان ہی ہوں گے۔ کیوں کہ ان کی خدمات ایسی تھیں جن کو ٹرسٹی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ سمیع اللہ خان سے یورپین اساتذہ ناراض تھے چنانچہ ان کو راستہ سے ہٹانے کے لئے انہوں نے سید احمد خان کو اس پر راضی کر لیا کہ بل میں سید محمود کا نام بحیثیت جوائنٹ سکریٹری شامل کر دیا جائے۔ ابتداء میں خود سید محمود بھی اس کے لئے راضی نہیں تھے لیکن سید احمد خان نے ان کو راضی کر لیا۔ اگر مسئلہ کے سب پہلوؤں پر غور کیا جائے تو ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ سید احمد خان کے لئے یہی زیادہ مناسب تھا کہ سمیع اللہ خان کی رائے کا لحاظ کرتے ہوئے اس دفعہ کو بل میں سے نکال دیتے لیکن بقول مولانا حالی "اس میں شک نہیں کہ سید احمد خان بالکل ایک ڈسپاٹک طبیعت کے آدمی تھے اس خصلت کو چاہے ان کے تمام بڑے بڑے کاموں کی بنیاد سمجھو اور چاہے ان کے اخلاقی عیوب میں شمار کرو۔ بہر حال یہ خصلت ان میں ضرور تھی[۱]" دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر وہ لوگ جنہوں نے تاریخ کا رخ بدل دیا ہے اپنی رائے پر قائم رہنے میں ضد کی حد تک بڑھ جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس معاملہ میں سید احمد خان کو فراخدلی سے کام لینا چاہئے تھا۔ لیکن مولانا حالی کی اس رائے سے اتفاق کرنا بھی مشکل ہے کہ اس کو سید احمد خان کا اخلاقی عیب کہا جائے۔ سید احمد خان نے عرصہ تک مولوی صاحب کا نام ٹرسٹیوں کی فہرست میں شامل رکھا لیکن انہوں نے کالج کے انتظام سے عملی دلچسپی لینا قطعاً ترک کر دی۔ بعد میں نواب وقار الملک نے دونوں میں مصالحت کرا دی مگر اس کے باوجود مولوی سمیع اللہ خان نے ٹرسٹیوں کے جلسہ میں شرکت نہیں کی۔

کالج میں غبن

چند سال بعد سید احمد خان کو ایک ایسے جانکاہ حادثہ سے دوچار ہونا پڑا جس نے ان کی صحت کو ناقابل برداشت

---

[۱] - حیات جاوید - حصہ اول - صد ۲۳۱

صدمہ پہنچایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس صدمہ کا اثر ان پر آخری دم تک رہا۔ کالج میں ایک ہندو کائستھ، شام بہاری لال ہیڈ کلرک تھا۔ اس نے ملازم ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی سید احمد خان کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ وہ سرکاری ملازم کی حیثیت سے غبن کر چکا ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کو کالج میں ملازم رکھا جائے۔ لیکن سید احمد خان نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید ایک مرتبہ ٹھوکر کھانے کے بعد وہ سنبھل جائے گا، اس اشتباہ کو نظر انداز کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سید احمد خان بہت بامروت انسان تھے اور ملازمین کارکنوں پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ اور جوں جوں شام بہاری کی ملازمت پرانی ہوتی جاتی تھی سید احمد خان کا اعتماد اس پر بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ جو چک بنا کر وہ ان کے سامنے لاتا تھا وہ دستخط کر دیتے تھے۔ جب اوس نے دیکھا کہ اب سید احمد خان ہر چک پر اس کے کہنے سے دستخط کر دیتے ہیں تو اس نے جعلی چک بنا کر دستخط کرانے شروع کر دیئے اور بعد میں چکوں پر خود اپنے ہاتھ سے ان کے دستخط بنانے لگا۔ جب اس نے بنک سے تقریباً ترسیٹھ ہزار روپیہ نکال لیا اور وہاں کچھ رقم باقی نہ رہی تو ایک جعلی دستاویز بنا کر بنک سے قرضہ لینا شروع کر دیا۔ یہ قرضہ اُنچاس ہزار کے اُن پرامیسری نوٹوں کو کفالت میں کر کے لیتا رہا جو کالج کے کیپٹل فنڈ کے طور پر بنک کے پاس جمع تھے۔ اس طرح شام بہاری لال نے ایک لاکھ پانچ ہزار چار سو نو روپیہ غبن کیا اور یہ روپیہ شراب اور عیاشی پر صرف کیا۔ غبن پکڑے جانے پر وہ گرفتار ہو گیا اور اس نے حوالات میں خودکشی کر لی۔

اس واقعہ سے جو صدمہ سید احمد خان کو ہوا اس کا اندازہ ان خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے مولانا حالی کو لکھے ہیں۔ اپنے خط مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں وہ لکھتے ہیں "جو ہمدردی آپ نے میرے ساتھ اس روپیہ کے غبن ہونے میں فرمائی ہے اس کا میں دل سے شکر گزار۔ مگر لاکھ روپیہ سے زائد غبن معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جس قدر مجھ کو رنج و صدمہ ہے وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ہر چند میں دل کو سمجھتا ہوں کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ مگر ایک نیچرل امر ہے دل کو بے اختیار رنج و فکر میں پڑتا۔ چند روز تک تو میری حالت ایسی خراب

تھی کہ مجھے کسی بیماری شدید کے لاحق ہونے کا اندیشہ رہا۔ تین روز تک مطلق کھانا کھایا یا نہیں گیا اور طبیعت کی عجیب کیفیت تھی مگر اب اس حالت سے بہت افاقہ ہے۔ اگر میرا ذاتی روپیہ ہوتا تو مجھے کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی۔ آپ کے کلمات تشفی آمیز سے بہت تقویت ہوتی ہے۔ مگر جب تعداد کثیر روپیہ کا خیال آجاتا ہے تو دوستوں کی تشفی سب بھول جاتی ہے۔ خدا رحم کرے۔ والسلام"[1] اس کے علاوہ ایک اور خط میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ اچھا ہوا کہ غبن کا راز اُن کی زندگی ہی میں کھل گیا۔ ورنہ بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے تھے اور کچھ تعجب نہ ہوتا اگر لوگ یہ سمجھنے لگتے کہ وہ خود بھی اس میں شریک ہیں[2] یہ معلوم کرنے کے لئے کہ غبن کے سلسلہ میں کالج کے دفتری عملہ کا کوئی اور اہل کار بھی شریک تھا یا نہیں حسابات کو بہت احتیاط کے ساتھ جانچا گیا[3]۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ دفتر میں کسی قسم کی بدعنوانی نہیں کی گئی بلکہ جعلی دستخط بنا کر یا خود سید احمد خان سے دستخط کرا لینے کے بعد شیام بہاری نے بنک کو دھوکا دیا تو ٹرسٹیوں نے اپنے جلسہ میں سید احمد خان پر پورا اعتماد ظاہر کیا اور یہ تسلیم کیا کہ انہوں نے ہر ممکن احتیاط کی اور ان سے کسی قسم کی فروگذاشت نہیں ہوئی[4]۔ اس سلسلہ میں بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ٹرسٹیوں کی بھی ذمہ داری اس

---

[1] مکتوبات سرسید مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (مجلس ترقی ادب۔ لاہور۔ ۱۹۵۹ء) ص ۳۱۶

[2] اس خط کا کچھ حصہ حیات جاوید (حصہ اول ص ۲۲۵-۲۲۶) میں موجود ہے۔

[3] حسابات کے جانچنے کا کام مرزا عابد علی بیگ ٹرسٹی کالج اور سید ولایت حسین سیکنڈ ماسٹر اسکول ڈپارٹمنٹ کو سپرد کیا گیا۔ اس میں انہوں نے بہت محنت کی اور تین ماہ کی مدت میں کام ختم کیا۔ حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۲۲۷

[4] یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا حالی اس کو سید احمد خان کی بڑی "فروگذاشت" تصور کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "ایک مدت دراز تک یہ دھاڑی چور چک بک میں سے نکال نکال کر جعلی چک جاری کرتا رہا اور ان کے ٹھنٹے کورے بغیر لکھے چک بک میں لگے رہے اور کبھی کسی نے چک بک کو کھول کر تک نہ دیکھا کہ اس میں دن دہاڑے کیا لوٹ مچ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حد تک ضرور تھی کہ انہوں نے کالج کے حسابات کی کبھی جانچ پرتال کا خیال ہی نہیں کیا۔ خود مولوی سمیع اللہ خان نے ہی اپنے خط (مورخہ ۲۵ر جنوری ۱۸۹۶ء) میں اس خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "اگر ٹرسٹی نگرانی کرتے ...... تو یہ لاکھ روپیہ سے زیادہ کے تغلب کی مصیبت جس میں مسلمانوں کا روپیہ برباد گیا، کالج پر کیوں نازل ہوتی"

وفات

باوجودیکہ ٹرسٹیاں کالج نے سید احمد خان پر اپنا اعتماد کلی بذریعہ رزلیوشن ظاہر کر دیا تھا اور ان کے احباب ہر طرح سے ان کو سمجھاتے اور تشفی دیتے تھے لیکن پھر بھی غبن کا معاملہ اس قسم کا تھا کہ سید احمد خان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کو اس کی فکر رہتی تھی اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اس نقصان عظیم کی تلافی ہو جائے۔ بہر حال تفکرات کے اس سمندر میں گھرے رہنے کی حالت میں بھی وہ قومی اور علمی خدمات میں منہمک نظر آتے ہیں۔ مگر اگلے سال یعنی ۱۸۹۷ء میں ان کو ایک ایسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا جس نے ان کی تندرستی کو تقریباً ختم ہی کر دیا۔ ان کے عزیز بیٹے سید محمود جن کی ذہانت اور قابلیت شہرہ آفاق ہو چکی تھیں۔ ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے کہ اس کی وجہ سے وہ دماغی توازن کھو بیٹھے۔ اس حالت میں ان سے سخت نازیبا حرکات سرزد ہوتی تھیں جن سے یقیناً سید احمد خان کو بے حد تکلیف ہوتی تھی مولانا حالی لکھتے ہیں کہ "جو تلخ اور ناگوار حالت اس زمانہ میں ان پر گذری اس کا کسی قدر اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ مرض الموت میں ایک بڑے ڈاکٹر نے ان کے ملاحظہ کے بعد لوگوں سے کہا کہ اگر یہ صدمہ ان کو نہ پہنچتا تو ان کے قویٰ ایسے عمدہ تھے کہ پندرہ بیس برس تک اور زندہ رہ سکتے تھے[۱]" سید احمد خان اپنے اس صدمہ کا نہ ذکر کرتے تھے نہ شکایت۔ اس کو برابر

(بقیہ دوسرے صفحہ کا) سچ رہی ہے۔" مولانا کی اس رائے سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا کہ سید احمد خان کی کریم النفسی اور اپنے کلرک کی طرف سے حسن ظن ہی اس غبن کا سبب ہوئے۔ دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ صد ۲۲۷

[۱] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ صد ۲۲۹

برداشت کرتے رہے۔ لیکن اس کا اثر ان کی صحت پر بہت برا ہوا۔ انتقال سے چند ہفتہ پہلے انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور اپنے ایک قریبی دوست زین العابدین کے استفسار پر صرف اتنا کہا "اب وہ وقت قریب ہے کہ ہمیشہ چپ رہنا ہوگا۔ اس لئے خاموش رہنے کی عادت ڈالتا ہوں۔" بالآخر سید محمود کا رویہ ناقابل برداشت ہوگیا اور سید احمد خان مجبور ہو کر اس مکان سے چلے گئے جس میں رہ کر انہوں نے ایک طویل مدت تک قومی اور علمی خدمات انجام دی تھیں۔ انہوں نے اپنے ایک دوست حاجی اسماعیل خان کے مکان میں قیام کیا اور وہیں چند روز بیمار رہنے کے بعد ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو رات کے دس بجے انتقال کیا۔ دوسرے روز شام کو کالج کی شاندار مسجد کے احاطہ میں لیکن حدود مسجد سے خارج شمالی دیوار سے ملحق افتادہ جگہ میں ان کو دفن کر دیا گیا۔ حیات جاوید کے صفحات میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے جس سے سید احمد خان کی عالمگیر شہرت اور عزت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ہند پاکستان و انگلستان کے متعدد اخباروں اور رسالوں نے ان کی وفات پر مضامین شایع کئے اور ان کو خراج تحسین و عقیدت پیش کیا۔ ان کے بہت سے دوستوں اور ہر دو ممالک کے لیڈروں کے بیانات نکلے۔

سید احمد خان کی عظیم الشان خدمات کا ذکر، جن کی بدولت ان کو ہمارے دور جدید کے رہنماؤں میں اعلیٰ ترین مقام حاصل ہوا آئندہ ابواب میں کیا جائے گا۔

باب دوم

علمی اور ادبی کارنامے

مسلمانان ہند پاکستان کی قومی زندگی کی اصلاح، ان کو انتہائی پستی کی حالت سے نکال کر ترقی کی راہ دکھلانے اور اس پر رہنمائی کرنے کے سلسلے میں سید احمد خان نے جو عالمگیر شہرت حاصل کی ہے اس کے سامنے ان کے دوسرے کارناموں کو اکثر بھلا دیا جاتا ہے۔ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اگر سید احمد خان ہماری جدید تعلیمی اور سیاسی زندگی کی عمارت کے معمار اولین نہ بھی ہوتے تب بھی ایک ادیب، مصنف اور جدید اردو نثر کے موجد ہونے کی حیثیت سے ان کا شمار تاریخ ہند پاکستان کی نمایاں شخصیتوں میں ہوتا۔ سیاست اور تعلیمی اصلاح کے میدان میں تو سید احمد خان جنگ آزادی کے بھی کئی سال بعد داخل ہوئے لیکن تصنیف و تالیف کا کام انہوں نے ہنگامہ انقلاب سے بہت پہلے شروع کر دیا تھا۔ علم و ادب سے ان کو اس قدر دلچسپی تھی کہ انتہائی مصروفیات کے باوجود ان کا یہ ذوق ترقی کرتا رہا اور آخر عمر تک وہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ان مضامین اور رسالوں کے علاوہ جو ان کو اپنی تحریک کے سلسلہ میں شایع کرنے پڑے انہوں

نے خالص تحقیقی اور فنی تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔

ابتدائی دور پچھلے باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ ۱۸۳۹ء میں سید احمد خان کا تقرر نائب منشی کی حیثیت سے آگرہ کمشنری میں ہوا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کا حال مختصر طور پر ایک چارٹ کی شکل میں جام جم کے نام سے شایع کیا۔ جلد ہی ان کو منصفی کے امتحان کی تیاری کے لئے قانون دیوانی وغیرہ کا مطالعہ کرنا پڑا۔ امتحان سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے بھائی کی مدد سے قانون کا خلاصہ مرتب کیا اور چوں کہ وہ دونوں بھائیوں کے نام سے شایع ہوا اس لئے اس کا نام انتخاب الاخوین رکھا۔ ۱۸۴۲ء میں جبکہ سید احمد خان کی عمر پچیس سال سے کچھ ہی زیادہ تھی وہ فتحپور سیکری میں منصف بنا کر بھیجے گئے اور چار سال تک وہاں مقیم رہے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا اور چند رسالے شایع کئے۔ سب سے پہلے انہوں نے دو مذہبی رسالے لکھے۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب ایک مختصر رسالہ رسول اکرمؐ کی ولادت و دیگر حالات پر تھا۔ اس میں یہ اہتمام کیا گیا کہ وہ روایتیں شامل نہ کی جائیں جن کی صحت مشکوک ہو۔ دوسرا رسالہ تحفۂ حسن درحقیقت شاہ عبدالعزیزؒ[۱] کی مشہور تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ کے دو بابوں کا ترجمہ ہے۔ مولانا حالی تحفۂ حسن کا ذکر کرتے ہوئے ایک نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تحفۂ حسن کے سوا کبھی سرسید نے کوئی کتاب یا رسالہ یا آرٹیکل ایسا نہیں لکھا جس سے شیعوں پر اعتراض کرنا یا ان کے اعتراضوں کا جواب دینا مقصود ہو۔" اس نوٹ کے لکھنے کی غالباً مولانا نے اس لئے ضرورت محسوس کی کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ سید احمد خان فرقہ وارانہ اختلافات سے احتراز کرتے تھے یہ بات تو اپنی جگہ درست ہے لیکن بعض لوگوں کو جو شاہ عبدالعزیزؒ کی شخصیت اور کارنامو(ں)

---

[۱] شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزند اکبر تھے ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء میں انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مرتبہ محمد ایوب قادری صـ ۳۰۳-۳۰۴ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء)

سے اچھی طرح واقف نہیں اور جنہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کا بغور مطالعہ نہیں کیا یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ شاہ صاحب کی کتاب بھی شیعہ سنی اختلافات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حقیقۃً تحفہ اثنا عشریہ شاہ صاحب کی دوسرے کتابوں کی طرح ایک بنیادی تصنیف ہے اور اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جن مسائل پر بحث کی ہے ان کی تحقیق میں کس قدر کاوش کی ہے۔ اگر کسی کو ان کے متعلق اس قسم کے شکوک ہوں تو وہ ان کا رسالہ سر الشہادتین پڑھ سکتا ہے۔ سید احمد خان کا تیسرا رسالہ تسہیل فی جر الثقیل ۱۸۴۴ء میں شایع ہوا۔ یہ ابو ذرمینی کے ایک عربی رسالے کے فارسی ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے۔

آثار الصنادید

۱۸۴۷ء میں سید احمد خان کی مشہور کتاب آثار الصنادید شایع ہوئی۔ فتحپور سیکری سے ان کا تبادلہ دہلی ہوا تھا۔ یہاں وہ کم و بیش آٹھ سال (۱۸۴۶ء–۱۸۵۴ء) مقیم رہے۔ اب ان کو اپنے علمی ذوق کو بڑھانے اور تالیف و تصنیف کے کام میں زیادہ وقت صرف کرنے کا بہت اچھا موقع تھا۔ انہوں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنی تعلیم کی تکمیل کی، دہلی کی علمی اور ادبی صحبتوں میں شریک ہو کر اپنے خیالات و معلومات کو وسعت دی اور سب سے زیادہ یہ کہ تحقیقی تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی آثار الصنادید تھی[1]

---

[1] مولانا حالی کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید احمد خان کو اس کتاب کے لکھنے کا خیال اس لئے آیا کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنی مالی حالت بہتر کرنا چاہتے تھے۔ اس نظریہ کو آسانی سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ اس قسم کی کتاب کی تیاری میں بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت تھی۔ اس سے بہت زیادہ مالی منفعت کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ زیادہ قابل قیاس یہ ہے کہ سید احمد خان اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کہ اسلامی دور کے آثار رفتہ رفتہ غائب ہوتے جا رہے تھے۔ عمارتیں کھنڈروں میں تبدیل ہو رہی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سید احمد خان کو اس کی تیاری میں بہت محنت کرنا پڑی۔ وہ تعطیل کے دن اسی کام میں صرف کرتے۔ اکثر اپنے دوست مولانا امام بخش صہبائی کے ساتھ شہر کے باہر جا کر عمارتوں کی تحقیق اور پیمائش کا کام کرتے۔ اکثر عمارتیں شکستہ تھیں بعض کے کتبے بھی ٹوٹ پھوٹ گئے تھے اور بعض ایسے کتبے تھے جن کو پڑھ کر ان سے صحیح معلومات حاصل کرنا خود ایک دشوار کام تھا۔ کتبوں کے چربے تیار کرنا اور شکستہ عمارتوں کے نقشے بنوانا بھی زیادہ آسان نہ تھا۔ لیکن سید احمد خان نے ان مشکلات کا سامنا نہایت استقلال اور صبر کے ساتھ کیا اور جس کام کو ہاتھ میں لیا تھا اس کو جاری رکھا۔ قطب مینار کے کتبے پڑھنے میں جو دشواریاں ان کو پیش آئیں اور جس طریقہ سے انہوں نے ان کو حل کیا اس کا اندازہ خود ان ہی کے الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ "قطب صاحب کی لاٹ کے بعض کتبے جو زیادہ بلند ہونے کے سبب پڑھے نہ جا سکتے تھے۔ ان کے پڑھنے کو ایک چھینکا دو بلیوں کے بیچ میں ہر ایک کتبے کے محاذی بنوالیا جاتا تھا۔ اور میں خود اوپر چڑھ کر اور چھینکے میں بیٹھ کر ہر کتبے کا چربہ اتارتا تھا۔ جس وقت میں چھینکے میں بیٹھتا تھا تو مولانا صہبائی فرط محبت کے سبب بہت گھبراتے تھے اور خوف کے مارے ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔"[1] اس مختصر بیان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ سید احمد خان کی خواہش تھی کہ جو تفصیلات وہ اپنی مجوزہ کتاب میں دیں وہ بالکل صحیح ہوں۔ انہوں نے اپنی کتاب کو چار

(گذشتہ سے پیوستہ) تھیں اور کھنڈرات مٹی اور ملبہ کے ڈھیر اور ٹیلوں میں رکیا عجب ہے کہ سید احمد خان کے دل میں ان ہی حالات نے یہ خیال ڈالا ہو کہ اسلامی تمدن کے یہ آثار پتھر اور چونے کی شکل میں تو ہمیشہ قائم نہ رہ سکیں گے لہٰذا ان کو حیات جاودانی بخشنے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ ان کو کتاب کی صورت میں محفوظ کر لیا جائے۔ خود کتاب کا نام "آثار الصنادید" بھی اس کی غمازی کرتا ہے۔

بہر حال یہ تو واقعہ ہے کہ ان کو کچھ بھی فائدہ اس کتاب سے نہیں ہوا۔ ناشر نے ان سے بدعہدی کی اور سخت نقصان پہنچایا۔

[1] دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص۴۵

ابواب پر تقسیم کیا ہے بیرون شہر کی عمارتیں، شہر کی عمارتیں، قلعہ کی عمارتیں اور دہلی کے مشاہیر کا تذکرہ۔ پہلے تین ابواب میں دو سو سے زائد عمارتوں اور دوسرے آثار (مثلاً بازار، باؤلیوں اور کنوؤں وغیرہ) کا حال ہے۔ چوتھے باب میں ایک سو بیس مشاہیر کے حالات ہیں جن میں علماء، فقراء، اطباء، شعراء، خوشنویس، مصور اور دیگر اہل کمال شامل ہیں۔ یہ اڈیشن ۱۸۴۷ء میں شایع ہوا۔ تاریخ اور آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات نے کتاب کو بہت پسند کیا۔ ایڈورڈ ٹامس کی خواہش پر سید احمد خان نے اس کا دوسرا ایڈیشن تیار کیا۔ اس کی عبارت پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں سادہ ہے اور آخری باب جس میں مشاہیر کا تذکرہ تھا، موجود نہیں۔ یہ ایڈیشن ۱۸۵۴ء میں تیار ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے تقریباً تمام نسخے انقلاب کے ہنگامہ میں تلف ہو گئے۔ فرانس کے مشہور مستشرق گارساں دتاسی نے ۱۸۶۱ء میں آثار الصنادید کا فرانسیسی ترجمہ شایع کیا۔ اس ترجمہ پر لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے سید احمد خان کو اپنا فیلو بنایا۔

آثار الصنادید کے دو ایڈیشن اور شایع ہوئے ایک کانپور سے اور دوسرا نولکشور پریس لکھنؤ سے۔ یہ بھی آج نایاب ہیں اور آسانی سے نہیں مل سکتے۔ اس قابل قدر کتاب کے ایک عمدہ ایڈیشن کی ضرورت ہر تاریخ کا طالب علم محسوس کر رہا ہے۔

دہلی پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سید احمد خان نے اپنے بھائی کے جاری کردہ اخبار "سید الاخبار" کو سنبھالنے اور ترقی دینے کی کوشش کی لیکن اس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن سید الاخبار کے مطبع میں طبع ہوا تھا۔

چند مذہبی رسائل

آثار الصنادید کے علاوہ اسی زمانہ میں سید احمد خان نے چند اور رسالے لکھے جن کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دہلی کے مذہبی ماحول کا کچھ حال لکھا جائے۔ شیعہ سنی اختلاف کے علاوہ خود سنیوں میں دو مختلف الخیال طبقے تھے۔ سید احمد خان کے بچپن کے زمانہ میں علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسمٰعیل شہید نے ان مباحث میں دلچسپی لی اور رسائل لکھے۔ جہاں تک اسلام سے محبت اور اس پر جان فدا کرنے کا تعلق تھا ان دو

بزرگوں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے[1]۔ لیکن عقائد کے لحاظ سے بعض مسائل پر ان میں اختلاف تھا۔ یہ اختلاف اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا اور ناخوشگوار الفاظ سے یاد کرتا۔ ان میں ایک گروہ "بدعتی" اور دوسرا "وہابی" کہلاتا۔ دونوں نام مخالفین کے دیئے ہوئے تھے لیکن دونوں کافی رواج پا چکے تھے۔ سید احمد خان بھی ایسا معلوم ہوتا ہے ایک عرصہ تک ان مباحث و اختلافات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ "وہابی" عقائد رکھتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں انہوں نے ان موضوعات پر چند رسالے لکھے جن کا تعلق "وہابی" اور "بدعتی" اختلافات سے تھا۔ (۱) کلمۃ الحق (مولفہ ۱۸۴۹ء) یہ رسالہ صوفیار کی بیعت کے مروجہ طریقوں کے خلاف تھا۔ (۲) راہ سنت در رد بدعت (۱۸۵۰ء)۔ (۳) نمیقہ در میان مسئلہ تصور شیخ (۱۸۵۲ء)۔

دیگر رسائل ان مذہبی رسائل کے علاوہ چند اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے اس دور کی یادگار ہیں۔ (۱) فوائد الافطار، فی اعمال الفرجار، یہ درحقیقت اردو ترجمہ ہے ان کے نانا کے فارسی مضامین کا۔ (۲) قول المتین فی ابطال حرکت زمین۔ اس رسالہ میں سید احمد خان نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ زمین حرکت نہیں کرتی۔ بعد میں انہوں نے اس رائے کو بدل دیا تھا۔ (۳) سلسلۃ الملوک (۱۸۵۲ء)۔ یہ ہندپاکستان کے حکمرانوں کی ایک فہرست ہے جس میں راجہ یدھشٹر سے وکٹوریہ تک دو سو سے زائد حکمرانوں کے نام سنہ جلوس اور دارالسلطنت وغیرہ درج ہیں۔ (۴) ۱۸۵۳ء میں

---

[1] دونوں حضرات جہاد کے دلدادہ تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل شہید اپنے پیر سید احمد شہید کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کے خلاف ۱۸۳۱ء میں جہاد میں شہید ہوئے۔ علامہ فضل حق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نمایاں رہنماؤں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انقلاب کے بعد عمر قید کاٹنے کے لئے انڈمان بھیجے گئے اور وہیں ۱۸۶۱ء میں جان بحق ہوئے۔

امام غزالی کی شہرہ آفاق تصنیف کیمیائی سعادت کے چند ابتدائی اوراق کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ جاری نہ رکھنے اور کتاب کو ختم نہ کرنے کا سبب شاید عدیم الفرصتی ہوگی۔

تاریخ ضلع بجنور آثار الصنادید کو پڑھ کر آسانی سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ سید احمد خان کو تاریخ سے دلچسپی تھی اور ان کا یہ ذوق برابر بڑھتا جارہا تھا۔ بجنور میں ان کو ایک عمدہ موقع ملا جس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ حکومت نے ہر ضلع کی تاریخ مرتب کرنے کی ہدایتیں وہاں کے کلکٹر کو بھیجی تھیں۔ بجنور کے کلکٹر نے سید احمد خان سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فوراً یہ تجویز پیش کی کہ بجنور کی تاریخ لکھنے کا کام ان کو سپرد کردیا جائے۔ کلکٹر اس پر راضی ہوگیا اور سید احمد خان نے نہایت انہماک کے ساتھ یہ کام کیا۔ کتاب کی تیاری میں انہوں نے بے حد محنت کی اور یقین ہے کہ نہایت عمدہ کتاب مرتب کی ہوگی۔ شیکسپیر جو اس زمانہ میں بجنور کے کلکٹر تھے اور بعد میں سید احمد خان کے گہرے دوست ہوگئے تھے اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ "انہوں نے اس ضلع کی تاریخ بھی بہت محنت کے ساتھ تیار کی تھی۔ کہ غدر سے چند روز پہلے ہم نے یہ کتاب گورنمنٹ میں بھیجی تھی۔ اگر وہ اس وقت یہاں میرے پاس ہوتی تو بہت بکار آمد ہوتی۔ مگر غالب ہے کہ آگرہ میں بباعث غدر کے تلف ہوگئی ہوگی۔" حالی اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ تاریخ بجنور میں سید احمد خان نے فصلی سنہ کے متعلق بہت لمبی بحث کی تھی۔ ان کا قیاس ہے کہ شاید جنگ آزادی کے بعد حکومت نے اس سلسلہ میں جو ترمیمات کیں وہ سید احمد خان کے خیالات کی روشنی ہی میں کی گئی ہوں گی۔ بہرحال اس کا افسوس ہے کہ سید احمد خان کی محنت ضایع ہوگئی اور جو مواد انہوں نے فراہم کیا تھا اس سے تاریخ کے طلبار فائدہ نہ اٹھا سکے۔

آئین اکبری بجنور کے قیام میں تاریخ ضلع کے علاوہ سید احمد خان نے ابوالفضل کی مشہور تصنیف آئین اکبری کی تصیح کا کام بھی انجام دیا۔ آئین اکبری کی اہمیت اور افادیت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کتاب مغلیہ

سلطنت کے نظام حکومت اور اس کے مختلف حصوں کے متعلق تاریخی، اقتصادی ثقافتی اور دیگر معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اگرچہ ابو الفضل کا شمار ان سرکاری تاریخ نویسوں میں کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے عہد کے حکمرانوں کی بے جا تعریف اور خوشامد کر کے اپنے ادبی کارناموں کو داغدار بنا دیا ہے لیکن پھر بھی جہاں تک مصدقہ معلومات بالخصوص اعداد و شمار کا تعلق ہے اس کی یہ تصنیف تاریخ کے طالب علموں کے لئے ہمیشہ ایک مفید ماخذ کا کام دے گی۔ آئین اکبری کی تصحیح اور اس کو شایع کرنے کا خیال سید احمد خان کو دہلی کے ایک تاجر مسمیٰ قطب الدین نے اس وقت دلایا تھا جبکہ وہ وہاں منصف تھے۔ یہ تجویز ان کو پسند آئی اور چونکہ کام کی اہمیت کا صحیح اندازہ تھا اس لئے بجنور پہنچنے پر جوں ہی ان کو وقت ملا انہوں نے تصحیح کا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے متعدد نسخے جمع کئے اور سب کا مقابلہ کر کے متن کی تصحیح کی۔ بہت سے الفاظ اور اصطلاحات تشریح طلب تھیں۔ ان کی تشریح کی۔ مولانا حالی لکھتے ہیں "سرسید نے نہایت محنت و جانفشانی اور حسن اہتمام سے بے شمار تصویریں دلی کے لایق مصوروں سے کھچوا کر کتاب میں اپنے اپنے موقع پر داخل کیں۔ مثلاً ٹکسال کے متعلق تقریباً پچاس پچپن تصویروں کے دو بڑے بڑے مرقع کھچوائے جن میں مختلف کاریگر اپنے اپنے آلات اور ظروف اور اوزار لئے ہوئے جدا جدا کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح جر ثقیل کے متعلق ترازوئے ہوائی اور ترازوئے آبی کی تصویر، شکار اور یورش کے موقع پر خیمہ گاہ بادشاہی کی تصویر، آئین چراغ خانہ کے متعلق اکبر کی آتش پرستی اور اس کے تمام لوازمات کی تصویر، آئین شکوہ سلطنت کے متعلق تمام سامان تورک و احتشام کی تصویریں، فیلخانہ اور ہاتھیوں کی پوشش اور ہاتھیوں کی کشتی کی تصویریں، علیٰ ہذا القیاس تمام پھلدار اور پھول دار درختوں کی۔ اور ہر ایک درخت کے ساتھ اس کی شاخ اور برگ و ثمر یا پھول اور پتے کی تصویریں۔ اور ان کے سوا اور بہت سی تصویریں کھچوا کر کتاب میں شامل کیں۔ چنانچہ مسٹر ایچ بلاک مین پرنسپل کلکتہ کالج نے جو ۱۸۷۳ء میں آئین کا از سر نو ترجمہ کر کے چھاپا اس میں انہیں تصویروں کی نقل لی ہے جو سرسید نے فارسی آئین اکبری میں داخل کی تھیں[1]"۔ تاریخ کے طالب علم

۱۔ حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۵۲-۵۳

جانتے ہیں کہ بلاک مین کے انگریزی ترجمہ نے کس قدر شہرت حاصل کی ہے۔ لیکن شاید اکثر لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ انگریزی مترجم نے سید احمد خان کے اڈیشن سے کتنا فائدہ اٹھایا ہے[1]۔ آئین اکبری کی تین جلدیں تھیں پہلی اور تیسری تو شایع ہو گئی لیکن دوسری جلد میں اس لئے دیر ہوئی کہ محاصل سے متعلق اعداد سب نسخوں میں مختلف تھے۔ چنانچہ سید احمد خان نے ایک اور کتاب کی مدد سے جو ان کے نانا کے کتب خانہ میں موجود تھی ان اعداد کو صحیح کیا اور ایک طویل مقدمہ بھی لکھا۔ یہ جلد ابھی چھاپہ خانہ ہی میں تھی کہ انقلاب کا ہنگامہ شروع ہو گیا اور اس کا مسودہ مع اُن اوراق کے جو چھپ چکے تھے تلف ہو گیا۔

آئین اکبری پر بعض لوگوں نے تقریظیں لکھیں۔ ان میں مشہور شاعر مرزا غالب بھی تھے۔ مرزا کی تقریظ فارسی نظم میں تھی۔ غالب تاریخ سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک آئین اکبری اس قابل نہ تھی کہ اس پر اتنی محنت کی جائے۔ سید احمد خان ظاہر ہے کہ ایسی تقریظ سے خوش نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مرزا کی تقریظ ان کو واپس کر دی۔ اس واقعہ سے دونوں کے تعلقات ناہموار ہو گئے۔ لیکن سید احمد خان جب مراد آباد میں تھے تو غالب رامپور سے واپسی میں وہاں آئے اور سرائے میں قیام کیا۔ سید احمد خان جا کر ان کو اپنے گھر لے آئے۔ اس وقت سے دونوں کی کبیدگی دور ہو گئی[2]۔

تاریخ سرکشی بجنور

اپریل ۱۸۵۸ء میں سید احمد خان کو صدر الصدور بنا کر مراد آباد بھیجے گئے۔ یہیں انہوں نے سرکشی بجنور اور رسالہ اسباب بغاوت ہند مرتب کئے۔ یہ دونوں کتابیں جنگ آزادی سے متعلق ہیں[3]۔

---

[1] بلاک مین کا انگریزی ترجمہ حال ہی میں دوبارہ شایع ہو گیا ہے۔ لیکن سید احمد خان کا اڈیشن قطعی نایاب ہے۔ اس کے نسخے بہت کم کتب خانوں میں ملتے ہیں۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۵۳-۵۵

[3] سرکشی ضلع بجنور اب شایع کی جا رہی ہے۔ رسالہ اسباب بغاوت ہند کئی مرتبہ شایع ہو چکا ہے۔

رسالہ اسباب بغاوت ہند

انقلاب اور جنگِ آزادی سے متعلق سید احمد خان کے خیالات سرکشی بجنور میں اتنے صاف نظر نہیں آتے جتنے ان کے مشہور رسالہ اسباب بغاوت ہند میں۔ اس رسالہ کی تصنیف کا مقصد بھی ظاہر ہے۔ انقلابیوں کی شکست کے بعد انگریزی حکومت نے مسلمانوں پر ناقابل بیان مظالم توڑنا شروع کر دئے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ "مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لئے کوئی ثبوت درکار نہ تھا۔ ان کا مسلمان ہونا ہی ان کے مجرم ٹھیرانے کے لئے کافی تھا"۔ انگریز افسروں کے جذبہ انتقام سے ہندوؤں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ غلط اور بے بنیاد شہادتیں پیش کر کے اپنے پرانے بدلے بھی لئے اور حکومت کی خیر خواہی کا سارٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔ ان واقعات کا ظاہر نتیجہ یہ تھا کہ سیاسی اقتدار سے محروم ہو جانے کے بعد اب مسلمان اپنی اقتصادی حیثیت بھی کھو رہے تھے۔ سید احمد خان کے درد مند دل پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور انہوں نے یہ طے کیا کہ اپنی قوم کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے ان کو کچھ کرنا چاہیئے۔ ان کی یہ تشخیص بالکل صحیح تھی کہ انگریزوں کی بدگمانی اور جذبہ انتقام اور ہندوؤں کی مخالفت اور خود غرضی ان کی قوم پر تباہی لا رہے ہیں۔ ان کا علاج ان کے خیال میں صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ انگریزوں اور مسلمانوں کو قریب تر لایا جائے اور اول الذکر کی بدگمانی اور اپنے ہم مذہبوں کے تعصب کو دور کیا جائے۔ یہ کام دشوار بھی تھا اور دیر طلب بھی۔ لیکن سید احمد خان نے طے کیا کہ چاہے کتنی مشکلات کا انہیں سامنا کرنا پڑے اور کسی قدر وقت اس میں صرف ہو اس کام کو انجام دینا ضروری ہے ورنہ قوم بالکل تباہ ہو جائے گی اسپین کے مسلمانوں کا ایک عیسائی یورپین قوم کے ہاتھوں جو حشر ہوا تھا وہ ان کے سامنے تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسپین کی تاریخ ہند پاکستان میں اپنے آپ کو دہرائے۔ اپنے اس عظیم الشان منصوبہ کی تکمیل کے لئے انہوں نے جو کارہائے نمایاں کئے ان کا ذکر دوسرے ابواب میں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ رسالہ اسباب بغاوت ہند اسی ڈرامے کا مقدمہ ہے۔ سید احمد خان نے یہ اصول تو تسلیم ہی کر لیا تھا کہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء درحقیقت فوج کی بغاوت

تھی نہ کہ قومی تحریک کا نتیجہ ۔ جنگ آزادی کے دوران جو خدمات انہوں نے انجام دی تھیں وہ روز روشن کی طرح ظاہر تھیں اور ان کی وجہ سے حکومت کو ان پر کلی اعتماد تھا۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ ہمت کی کہ "بغاوت" کے اسباب پر ایک رسالہ تیار کریں اور انگریزوں کو بتلائیں کہ ان کا یہ خیال کہ مسلمانوں کو تباہ کر کے وہ کامیابی کے ساتھ حکومت کر سکیں گے قطعاً غلط ہے۔ بغاوت کے اسباب کچھ اور ہیں اور جب تک ان کو دور نہ کیا جائے گا بغاوت کا خطرہ باقی رہے گا۔ اس دور میں جبکہ ہندپاکستان میں "جنگل کے قانون" یا مولانا حالی کے نرم الفاظ میں "مارشل لا" کا دور دورہ تھا، اور "خیالات ظاہر کرنے کی آزادی مطلق نہ تھی"۔ سید احمد خان نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی جرأت کی۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ اسباب پر بحث کرتے ہوئے انگریزی حکومت کے نقائص پر ایسی بے لاگ تنقید کی کہ آج سو برس کے بعد بھی اس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے[1]۔

سید احمد خان نے جن اسباب پر بحث کی ہے ان میں دو خاص طور قابل ذکر ہیں کمپنی کی حکومت کو نامقبول بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ عیسائی مشنریوں اور ان کو امداد دینے والے انگریز حکام کا تھا۔ اس مسئلہ کو سید احمد خان نے نہایت تفصیل سے پیش کیا ہے اور صاف الفاظ میں لکھا ہے۔

"جو اس ملک میں لاٹ ہیں وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں اکثر حکام متعہد اور افسران فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفتگو شروع کی تھی بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو اور ایسا ہی ہوتا تھا غرض کہ اس

---

[1] رسالہ اسباب بغاوت ہند کئی بار شایع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں دو ایڈیشن کراچی سے شایع ہوئے ہیں۔ ایک میں ڈاکٹر محمود حسین کا مقدمہ ہے اور دوسرے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا۔

بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عملداری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا۔"

دوسرا سبب جس پر سید احمد خان نے بہت زور دیا ہے یہ تھا کہ حکومت کی کونسلوں اور دوسرے اہم اداروں میں ہند پاکستانی موجود نہیں ہوتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ باوجود اپنی قابلیت اور محنت کے انگریز حکام بغیر یہاں کے لوگوں سے مشورہ کئے ہوئے جو قوانین وضع کرتے تھے وہ یہاں کے رہنے والوں کی طبیعتوں اور مزاج کے موافق نہیں ہوتے تھے۔ کمپنی کے نظام حکومت کی یہ بہت بڑی کمزوری تھی۔ وضع قوانین اور پالیسی کے معاملات طے کرنے کا اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتا جو ہزاروں میل کے فاصلہ پر رہتے تھے اور ایک قلیل مدت کے لئے بہ سلسلہ ملازمت یہاں آتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ یہاں کے باشندوں کے رجحانات طبع اور تصورات حیات سے نابلد ہوتے تھے۔ سید احمد خان کو اپنی عبارت، طرز ادا اور دلائل میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑا ہے۔ رسالہ لکھنے کے بعد انہوں نے اس کو مفصلایٹ اخبار کے مطبع میں آگرہ چھپوانے کی غرض سے بھیجدیا۔ اس کی پانچسو جلدیں طبع ہو کر ان کے پاس آگئیں۔ ان کے ایک مخلص ہندو دوست شنکر داس نے یہ مشورہ دیا کہ اس کے تمام نسخوں کو جلا دینا چاہیئے کیوں کہ اس کی اشاعت سے حکومت ناراض ہو جائے گی اور مصنف کی جان خطرے میں پڑجائے گی۔ سید احمد خان کا جواب سننے کے قابل ہے۔ انہوں نے کہا: "میں ان باتوں کو گورنمنٹ پر ظاہر کرنا ملک اور قوم اور خود گورنمنٹ کی خیرخواہی سمجھتا ہوں۔ پس اگر ایک ایسے کام پر جو سلطنت اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہو، مجھ کو گزند بھی پہنچ جائے تو گوارا ہے۔" شنکر داس پر اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہو گئے۔ غالباً ان کو یقین تھا کہ ان کے دوست کو اس کی اشاعت سے بہت زیادہ نقصان پہنچے گا۔[لہ] بہرحال انہوں نے صرف چند جلدیں اپنے پاس رکھیں۔ ایک نسخہ حکومت ہند کو بھیجا اور بقیہ تمام جلدیں

لہ- حیات جاوید- حصہ اوّل- صد٦٣

پارسل کر کے لندن ممبرانِ پارلیمنٹ کے لئے بھیج دیں۔

کلکتہ میں گورنر جنرل اور بارٹل فریرے جو ان کی کونسل کے ممبر تھے اس کو مصنف کی خیر خواہی پر محمول کیا لیکن حکومت کے فارن سکریٹری مسٹر سیسل بیڈن نے اس کو "باغیانہ مضمون" کہہ کر یہ مطالبہ کیا کہ سید احمد خان سے جواب طلب کیا جائے اور اگر جواب "معقول" نہ ہو تو "سخت سزا دینی چاہیئے"۔ بیڈن کی اس مہمل تجویز کا کسی پر بھی اثر نہ ہوا۔ سمجھدار انگریزوں نے اس کو بغور پڑھا اور متعدد لوگوں نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔[1] لیکن ان میں سے کوئی ترجمہ بھی شایع نہیں ہوا۔ ۱۸۷۳ء میں سید احمد خان کے دوست کرنل گراہم کا کیا ہوا ترجمہ شایع ہوا۔ انگلستان کے کئی اخباروں نے اس کی تعریف کی۔ لیکن اس رسالہ کی اہمیت اس وجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی کہ سید احمد خاں کی بعض تجاویز کی روشنی میں انگریزی حکومت نے اپنی پالیسی میں نمایاں تبدیلیاں کیں۔ ایک مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ سید احمد خان نے اس امر پر زور دیا تھا کہ "بغاوت" کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہند پاکستانیوں کو کونسل میں شریک نہیں کیا جاتا۔ اس پر غور کیا گیا اور بالآخر ۱۸۶۱ء کے لیجسلیٹو کونسلز ایکٹ میں اس کی رعایت رکھی گئی۔ اسی سال تین ہندوؤں[2] کو کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔ مسلمانوں کو ضرور نظر انداز کیا گیا لیکن بہر حال ہند پاکستانیوں کے لئے کونسل کا دروازہ پہلی مرتبہ کھولا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد آزادی کے لئے ہماری طویل آئینی جدوجہد کی تاریخ سید احمد خان کے اسی کارنامے سے شروع ہوتی ہے۔ مولانا حالی کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ ان کا "یہ احسان تمام ملک پر ہمیشہ رہے گا"۔[3]

---

[1] - سید احمد خان نے اپنے عزیز دوست نواب محسن الملک کو ایک خط میں لکھا تھا کہ جب وہ سکریٹری وزیر ہند سے ملنے گئے تو انہوں نے سرکاری کاغذات کی وہ فائل دکھلائی جس میں ان کے رسالے کا انگریزی ترجمہ شامل تھا "اسے دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا" دیکھو حیات جاوید حصہ دوم ص ۲۷

[2] - تین ممبر یہ تھے۔ نرندر سنگھ، رئیس پٹیالہ، دیو نراین سنگھ رئیس بنارس اور ڈنکر راؤ دیوان ریاست گوالیار

[3] - حیات جاوید - حصہ دوم - ص ۳۱

لائل محمدنز آف انڈیا

رسالہ اسباب بغاوت ہند کی اشاعت برصغیر میں نہیں کی گئی تھی اور اس کے نتائج مرتب ہونے میں وقت درکار تھا لیکن سید احمد خان دیکھ رہے تھے کہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ انگریزوں کو جو بدگمانیاں اور غلط فہمیاں مسلمانوں کی طرف سے ہو گئی ہیں ان کو رفع کرنے کی تدبیر جلد ہونی چاہیئے۔ انگلستان کے اخباروں اور رسالوں میں مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ زہر اگلا جا رہا تھا اور اس کا اثر یہ ہو رہا تھا کہ انگریزی حکام کی غلط فہمیاں برابر بڑھ رہی تھیں ان کو دور کرنے کے لئے سید احمد خان نے یہ طے کیا کہ انگریز حکام کو یہ بتلایا جائے کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اور خاص طور سے سربر آوردہ مسلمان حکومت کے وفادار تھے اور ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ اس موضوع پر کتاب کی تیاری میں جس قدر وقت اور روپیہ درکار ہوگا اس کی فراہمی نہایت مشکل ہو گی۔ اس لئے انہوں نے یہ طے کیا کہ ان مسلمانوں کی فہرست اور مختصر حالات جو حکومت کے وفادار ہیں ایک رسالہ کی شکل میں شایع کئے جائیں۔ اخراجات کا مسئلہ اس طرح حل کیا گیا کہ "جس خیر خواہ مسلمان کا حال جتنے صفحوں پر چھپے اس قدر صفحوں کے چھاپہ وغیرہ کی لاگت وہی شخص ادا کرے"۔ اس رسالہ کی اہمیت اور ضرورت سید احمد خان کے نزدیک کس قدر زیادہ تھی، اس کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو پہلے شمارہ کے شروع میں انہوں نے بطور مقدمہ کے لکھے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی یہ بڑی بدقسمتی تھی کہ ان کے اچھے کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا اور دوسری قوموں کے برے کاموں پر بھی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ وہ لکھتے ہیں "یہ بدبختی کا زمانہ وہ ہے جو ۱۸۵۷ء و ۱۸۵۸ء میں ہندوستان کے مسلمانوں پر گذرا۔ کوئی آفت ایسی نہیں ہے جو اس زمانہ میں ہوئی ہو۔ اور یہ نہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں نے کی! گو وہ رام دین اور ماتا دین ہی نے کی ہو۔ کوئی بلا آسمان پر سے نہیں چلی جس نے زمین پر چلنے سے پہلے مسلمانوں کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔

ہر بلائے کز آسماں آید — گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می پرسد — خانہ مسلماں کجا باشد[1]"

---

[1] رسالہ لائل محمدنز آف انڈیا۔ اقتباس کے لئے دیکھو حیات جاوید حصہ اول ص ۷۷

سید احمد خان کا خیال تھا کہ جب انقلاب کے اصل حالات معلوم ہوں گے "تو جن لوگوں کی زبانیں مسلمانوں کی نسبت دراز ہو رہی ہیں سب بند ہو جاویں گی۔ اور تحقیق ہو جائیگا کہ ہندوستان میں اگر کوئی قوم مذہب کی رو سے عیسائیوں سے محبت اور اخلاص اور ارتباط اور یگانگت کر سکتی ہے تو مسلمان ہی کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔" اس کے بعد انگریز حکام کی انصاف پسندی پر اپنا اعتماد ظاہر کرتے ہوئے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہیں کہ "یقین ہے کہ ہماری گورنمنٹ کی ہرگز یہ رائے نہیں ہے جو تم اخباروں یا بغاوت کی کتابوں میں دیکھتے ہو۔ پس جب کہ مسلمانوں کی طرف خود گورنمنٹ ہے تو پھر اس شور و غوغا کا ان کو کیا غم ہے۔

نمی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من　　　بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من

لیکن چونکہ مسلمانوں کی خیر خواہیوں کا حال اخباروں میں بہت کم چھپتا ہے "اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ مسلمان خیر خواہوں کا تذکرہ اس رسالہ میں لکھنا شروع کروں۔ اور جن مسلمانوں نے علی الخصوص مسلمان ملازمان گورنمنٹ نے جو جو خیر خواہیاں گورنمنٹ کی کی ہیں ان کا بیان جہاں تک مجھ کو معلوم ہے لکھوں[۵۱]۔" رسالہ کی ابتدا سید احمد خان نے خود اپنے اور بجنور میں اپنے دو ساتھی حکام یعنی میر تراب علی اور ڈپٹی رحمت خان سے کی۔ مولانا حالی افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں کہ سید احمد خان کی اپیل کا ردعمل بہت زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہوا۔ بہت کم لوگوں نے اپنے حالات بھیجے اور رسالہ ایک سال بعد یعنی ۱۸۶۱ء میں بند ہو گیا۔ کرنل گرہم نے رسالہ کی ابتدائی عبارت جس کے اقتباس اوپر دیئے گئے ہیں اور چند نام اپنی کتاب میں شامل کرلئے ہیں[۵۲]۔

اسی دور کی ایک دلچسپ تصنیف تحقیق لفظ نصاریٰ ہے۔ اس کا مفصل بیان پچھلے باب میں دیا جا چکا ہے۔

۵۱۔ اقتباس کے لئے دیکھو حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص۹۵

۵۲۔ گرہم۔ ص۵۸-۶۹

تصحیح تاریخ فیروز شاہی آثار الصنادید اور آئین اکبری کی اشاعت کے بعد سید احمد خان کی شہرت بحیثیت ایک مورخ کے علمی اور ادبی حلقوں میں پہنچ چکی تھی۔ آئین اکبری کی تصحیح کو ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے ان سے تاریخ فیروز شاہی[1] کے نسخہ کو صحیح کرنے کے لیے کہا۔ یہ کام سید احمد خان کی دلچسپی کا تھا اس لئے نسخہ کی تصحیح کے لئے ایک نسخہ کتب خانہ شاہ دہلی کا۔ دوسرا وہ نسخہ جو مسٹر الیٹ نے تاریخ ہندوستان لکھتے وقت بہم پہنچایا تھا۔ تیسرا نسخہ مسٹر اڈورڈ ٹامس سے، اور چوتھا بنارس سے بڑی تلاش اور تجسس سے بہم پہنچا کر اپنی کتاب صحیح کی جس سے یہ تاریخ ۱۸۶۲ء میں ایشیاٹک سوسائٹی نے چھاپ کر شایع کی[2]۔ سید احمد خان نے ایک مفصل دیباچہ بھی تیار کیا تھا لیکن نہ معلوم کن اسباب کی بنار پر

---

[1] تاریخ فیروز شاہی کا مصنف خواجہ ضیاء الدین برنی (ف۔ ۱۳۵۷ء) دوامی شہرت حاصل کرنے والے مورخوں میں پہلا مسلمان مورخ ہے جو ہند پاکستان میں پیدا ہوا۔ اس نے چند اور کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں "فتاویٰ جہانداری"، "تاریخ آل برمک" وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن اس کی شہرت کا باعث تاریخ فیروز شاہی ہی ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں لکھی گئی اور اس کی بادشاہی کے ابتدائی دور کی تاریخ اس میں شامل ہے۔ برنی نے اپنی کتاب سلطان غیاث الدین بلبن سے شروع کی ہے۔ کیوں کہ اس سے پہلے کے حالات طبقات ناصری میں قاضی منہاج لکھ چکے تھے۔ تاریخ فیروز شاہی سلطنت دہلی کی تاریخ پر مستند ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ خلجی او تغلق خاندانوں کے واقعات کے لئے وہ سب سے بہتر معاصر ماخذ ہے۔ الیٹ کی مشہور تاریخ میں اس کے بعض حصوں کا انگریزی ترجمہ موجود ہے۔ لیکن ترجمہ میں کافی غلطیاں ہیں۔ راقم الحروف کا تبصرہ (انگریزی میں) بر تاریخ فیروز شاہی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی سے شایع ہو چکا ہے۔

[2] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۸۶

کتاب کے ساتھ وہ شایع نہیں ہوا۔ پھر سید احمد خان نے اس کو سوسائٹی اخبار کی پہلی جلد میں شایع کر دیا۔

انجیل کی تفسیر تبیین الکلام

جنگ آزادی سے پہلے دہلی و آگرہ کے علاقوں میں عیسائی مشنریوں اور مسلمان علماء کے درمیان مناظروں اور مباحثوں کا سلسلہ جاری تھا چنانچہ ۱۸۵۴ء میں آگرہ میں ایک بہت بڑا مناظرہ پادری فنڈر اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی اور ان کے ساتھی ڈاکٹر محمد وزیر خان کے درمیان ہوا تھا۔ مشنریوں کی زیادتیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ مسلمان عام طور پر ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ اسلام پر مشنریوں کے ناروا حملوں سے ہر مسلمان کے دل کو صدمہ پہنچتا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں متعدد علماء اور مصنفین نے عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب لکھے۔ سید احمد خان کا بھی غالباً یہ ارادہ تھا کہ مشنریوں کے اعتراضوں کا جواب لکھیں "چنانچہ غدر سے پہلے بجنور میں انہوں نے کچھ کچھ بطور یادداشت لکھا بھی تھا۔ اور اپنے بھتیجے سید محمد احمد خان کو جو اس وقت کم عمر ہی تھے۔ جو کچھ لکھتے تھے بطور سبق کے پڑھاتے تھے؛ انقلاب کے ہنگامہ میں یہ یادداشتیں تلف ہو گئیں۔ اور انقلاب کے بعد "جب اطمینان ہوا تو اس خیال نے دوسری صورت میں ظہور کیا" [1] اب سید احمد خان کا رویہ بدل چکا تھا۔ ان کے نزدیک عیسائیوں سے مخالفت بڑھانے اور مناظروں کے ذریعہ اختلافات کی خلیج کو وسیع کرنے سے مسلمان کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ ان کے لئے صحیح راستہ یہ تھا کہ وہ اسلام اور عیسائیت کو قریب لائیں یعنی ان اصولوں پر زور دیا جائے جو دونوں مذاہب میں مشترک ہیں۔ انہوں نے خود عیسائی مذہب کے عقائد اور انجیل کا مطالعہ کرنے کا انتظام کیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ان کو عیسائی مذہب پر کافی کتابیں جمع کرنا پڑیں اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے انگریزی خوان کو بھی ملازم رکھنا پڑا جو ضروری مقامات کا ترجمہ کر کے ان کو سناتا تھا۔ اسی طرح اسلامی فنون کے لئے ایک عربی دان کو ملازم رکھا۔ اس کی ضرورت اس لئے پڑی کہ قرآنی علوم اور انجیل کی تعلیمات

---

[1] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۸۶۔۸۷

میں مطابقت دکھلائی جائے۔ اور اختلافات کے صحیح اسباب بتلائے جائیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کام بہت دشوار تھا۔ مگر سید احمد خان نے طے کر لیا تھا کہ وہ تمام مشکلات کا حل تلاش کریں گے اور اس مقصد کو تکمیل تک پہنچا کر رہیں گے۔

ابھی طباعت کا کام شروع نہیں ہوا تھا کہ سید احمد خان کا تبادلہ مراد آباد سے غازیپور ہو گیا۔ یہاں انہوں نے ایک یہودی مسمی سالم سے عبرانی زبان سیکھی ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد انہوں نے تفسیر لکھنا شروع کر دی۔ ایک یورپین انگریزی ترجمہ کے لئے رکھا تاکہ وہ بھی ساتھ ہی شایع کیا جا سکے۔ چنانچہ "ایک کالم میں عبرانی توریت کی عبارت عبری خط میں، اور اس کا اردو ترجمہ اور انگریزی ترجمہ اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ دوسرے کالم میں اسی مضمون کی کوئی آیت قرآنی یا حدیث اور اس کا ترجمہ اردو و انگریزی اس کے نیچے لکھا جاتا تھا اس کے بعد تفسیر لکھی جاتی تھی"[۵۱]

تفسیر سے پہلے دس مقدمے ہیں جن میں بڑی محنت اور تحقیق کے بعد سید احمد خان نے یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ اکثر بنیادی امور میں عیسائی اور مسلمان اتفاق رکھتے ہیں۔ مثلاً اگلے نبیوں اور ان کے صحیفوں پر دونوں ایمان رکھتے ہیں۔ انجیل کی تحریف کے متعلق بھی ان کا خیال دوسرے مسلمانوں سے مختلف تھا اور مولانا حالی کے الفاظ میں بعض محققین اور اکابر اسلام کے اقوال سے "یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح عیسائی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کے قائل نہیں ہیں اسی طرح محققین اہل اسلام بھی اس کے قائل نہیں ہیں اور جس قسم کی تحریف کو عیسائی محققوں نے تسلیم کیا ہے صرف اسی قسم کی تحریف آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے کتب مقدسہ میں پائی جاتی ہے ..... پھر نسخ کی بابت جو نزاع مسلمانوں اور عیسائیوں میں تھا اس کو محض نزاع لفظی پر محمول کیا ہے"[۵۲]

تبیین الکلام کی تصنیف اور اشاعت سید احمد خان کی تحریک میں خاص اہمیت

۵۱۔ حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۸۸

۵۲۔ حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۹۸

رکھتی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ مذہبی اختلافات نے عیسائی حکمرانوں اور مسلمانوں کے درمیان بہت بڑی خلیج پیدا کر دی ہے۔ ان کے خیال میں اس کا دور کرنا نہایت ضروری تھا۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا تھا جب دونوں فریق یہ سمجھنے لگیں کہ ان کے بنیادی اصول بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ سید احمد خان کو یہ خیال تو ضرور ہوگا کہ اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کی یکسانیت اور مطابقت کو چاہے جس قدر بھی واضح کر دیا جائے عیسائیوں سے یہ ہرگز امید نہیں کی جاسکتی تھی کہ خاتم المرسلین کی رسالت کو مان لیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں میں عقائد کے لحاظ سے ایک بہت بڑا فرق ہے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شمار عظیم المرتبت انبیاء میں ہے۔ برخلاف اس کے عیسائی پیغمبر اسلامؐ کی نبوت کے قائل نہیں۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کی نبوت سے تو انکار نہیں کرتے تھے لیکن ان کا دعویٰ تھا کہ انجیل میں تحریف کی گئی ہے، لہٰذا انجیل کے وہ حصے جو قرآن سے مطابقت نہیں رکھتے ان کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتے تھے۔ سید احمد خان کو دونوں کی تعلیمات میں مطابقت ثابت کرنے کے لئے بعض عقائد میں عیسائیوں سے اور بعض میں مسلمانوں سے اختلاف کرنا پڑا۔ جس طرح وہ مسلمانوں سے تحریف انجیل میں اختلاف رکھتے تھے اسی طرح عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کو نہیں مانتے تھے۔

تفسیر کے اس پہلو پر مولانا حالی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ تفسیر اس لحاظ سے کہ اس میں تحریف لفظی کا انکار کیا گیا تھا اور نیز اس لئے کہ سرسید سے پہلے کسی مسلمان نے اس کے لکھنے پر توجہ نہیں کی، موجودہ علمائے اسلام کے خلاف تھی۔ اور اس وجہ سے کہ وہ اسلام اور خالص عیسائیت میں اتحاد ثابت کرتی تھی اور موجودہ عیسائیت کو جس کی تثلیث، کفارہ اور تکذیب خاتم النبیینؐ پر ہے غلط ٹھیراتی تھی، عیسائیوں کے برخلاف تھی۔"[1] سید احمد خان خود بھی جانتے تھے کہ دونوں فریقوں میں کوئی بھی ان کے خیالات سے کلیتہً ہمنوائی نہیں کرے گا۔ ایک انگریز مصنف کو خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ "مجھ کو یقین ہے

---

[1] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۸۹-۹۰

کہ میری زندگی میں عام مسلمانوں کی گالیوں اور نفرت سے مجھے نجات نہ ملے گی۔ عیسائی بھی میری تفسیر سے خوش نہیں ہو سکتے۔" یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان کے دوست کرنل گرہم نے بھی ان کی مشکلات اور محنت کا تو ذکر کیا ہے مگر ان کے خیالات اور تفسیر کے متعلق اپنا ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔ گرہم کے الفاظ یہ ہیں: "ان کی مشکلات کا ہم اسی وقت اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب کہ ہم اپنے ذہن میں یہ بات رکھیں کہ وہ انگریزی زبان سے نابلد تھے اور یہ کہ جس قدر کتابیں اس موضوع پر دستیاب ہو سکتی تھیں وہ سب اسی زبان میں تھیں اور یہ کہ ان کتابوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہ ان کا اردو میں ترجمہ کراتے تھے"[۱] انجیل کی تفسیر سے نہ سید احمد خان کے ہم مذہبوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور عیسائی تو ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کی لکھی ہوئی تفسیر کو کیوں مانتے۔ لیکن بعض عیسائیوں نے جن کی طبیعتیں انصاف پسند تھیں اس کی قدر کی۔ چنانچہ انگریزی رسالہ اتھینیم میں پہلی دو جلدوں پر اچھے تبصرے شایع ہوئے۔ فرانس کے مشہور مستشرق گارساں دتاسی نے بھی اپنے ۱۸۶۳ء کے خطبہ میں اس کی تعریف کی ہے[۲] مولانا حالی نے کچھ اور بھی عیسائی اڈیٹروں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اچھے تبصرے کئے تھے۔

رسالہ احکام طعام اہل کتاب اس تصنیف کا پس منظر یہ تھا کہ عام طور پر مسلمان اہل کتاب کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ سید احمد خان نے اس رسم کی پابندی اپنے اوپر سے اٹھا دی تھی۔ انہوں نے اپنا ایک واقعہ انقلاب کے بعد کا بیان کیا کہ انقلاب کے زمانہ میں بجنور پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد وہ اور ایک انگریز افسر ہاپڑ ہمسفر تھے۔ راستہ میں دونوں نے چار پی جو ہاپڑ کے ساتھ بوتل میں موجود تھی۔ اس کے کئی سال بعد یعنی ۱۸۶۶ء میں ان سے کسی شخص نے یہ بات مسئلہ کے طور پر دریافت کی۔ سید احمد خان نے اس کا جواب سوسائٹی کے اخبار مورخہ

۱۔ گرہم۔ ص ۱۰۷

۲۔ گارساں دتاسی اردو ترجمہ

۱۴ ار ستمبر میں چھاپا اور آیات واحادیث کے حوالے دے کر ثابت کیا کہ یہ جائز ہے۔ اس کے شایع ہونے پر کسی نے لکھا کہ "میں اُس دن کے دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں جب یہ سنوں کہ سید احمد خان نے اپنے قول کے موافق عمل بھی کیا"۔ سید احمد خان نے جواب لکھا کہ "میں نے اسلام کو ماں باپ کی تقلید سے نہیں بلکہ بقدر اپنی طاقت خود تحقیق کر کے تمام مذاہب معلومہ سے اعلیٰ اور عمدہ اور سچا یقین کیا ہے۔ اور اس سچے مذہب نے مجھے سکھایا ہے سچ کہنا اور سچ کرنا۔ نہایت کمینہ وہ آدمی ہے جو کہتا کچھ ہو اور کرتا کچھ ہو اور اس سے زیادہ کمینہ وہ شخص ہے جو شریعت کے حکم سے واقف ہو اور پھر رسم ورواج کی شرم سے یا لوگوں کے لعن وطعن کے ڈر سے اس کے کرنے میں تامل کرے۔ اس لئے میں کسی انگریز کے ساتھ کھانے پینے میں۔ بشرطیکہ شراب یا سور یا اور کوئی حرام چیز نہو۔ کچھ تامل نہیں کرتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس چیز میں ہم کو خدا سے شرم نہیں اس میں دنیا کے لوگوں سے کیا ڈر ہے"[۱]

ان حالات کو دیکھ کر ان کو خیال ہوا کہ سیاسی اور سماجی نقطہ نظر سے یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ چنانچہ دو سال بعد یعنی ۱۸۶۸ء میں انہوں نے ایک مبسوط اور مدلل مقالہ تیار کر کے "رسالہ احکام طعام اہل کتاب" کے نام سے بنارس میں شایع کیا۔ اس کے شایع ہونے پر اول اول بہت شور ہوا لیکن جیسا کہ سید احمد خان نے خود کہا تھا وہ آندھی کا ایک بگولہ تھا جو خاک اڑا کر چلا گیا، اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر مسلمانوں نے اپنا رویّہ بدلنا شروع کر دیا[۲]۔ معاشرتی اصلاحات کے سلسلہ میں سید احمد خان کی یہ تصنیف بہت اہم ہے۔ آج ہمارے نزدیک اس سوال

---

[۱] ۔ حیات جاوید حصہ اول ۔ ص ۱۱۶

[۲] ۔ سید احمد خان کے رسالہ کے جواب میں مولوی امداد العلی صاحب نے ایک رسالہ لکھ کر شایع کیا تھا۔ نواب محسن الملک نے ان کے اس جوابی رسالہ پر تبصرہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ سید احمد خان کی رائے درست ہے اور امداد العلی صاحب کے اعتراضات غلط ہیں۔ دیکھو تہذیب الاخلاق (مطبوعہ لاہور)۔ جلد اول ۔ ص ۱۹۵-۲۰۵

کی اہمیت اس لئے نہیں کہ اب تقریباً ہر تعلیم یافتہ مسلمان اس سے اتفاق کرتا ہے لیکن انیسویں صدی کے وسط میں حالات بہت مختلف تھے اور سید احمد خان کو اس کے منوانے میں بہت دقتوں کا سامنا ہوا۔

خطباتِ احمدیہ

سید احمد خان کا عظیم الشان علمی کارنامہ خطبات احمدیہ کی تصنیف اور اس کی اشاعت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سیاسی مقاصد کے پیش نظر وہ مسلمانوں کو عیسائی حکمرانوں کے قریب تر لانے کے لئے اسلامی تعلیمات کے تصورات اور دائرے کو وسیع کرنا چاہتے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں میں جو تعصبات عیسائیوں کے خلاف تاریخ نے پیدا کر دیئے ہیں ان کو دور کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ان کو بعض نظریات اور مسائل کو ایسی شکل میں پیش کرنا پڑا جو ان کے ہم مذہبوں کے لئے عجیب تھی اور بعض طبقوں میں تو ان کے خیالات کو انتہائی مذموم اور قابل اعتراض سمجھا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ باوجودیکہ سید احمد خان کی نظر میں اسلامی تعلیمات کا مفہوم عامۃ المسلمین کے خیالات سے بہت سی باتوں میں مختلف تھا اور ان کے نزدیک انجیل اور قرآن کے اصولوں میں بہت زیادہ مطابقت تھی، وہ اس کے لئے تیار نہ تھے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی اسلام دشمن عیسائی کے اسلام یا آنحضرتؐ پر اعتراضات برداشت کرنا گوارا کریں۔ ان کے زمانہ میں سر ولیم میور کی کتاب 'لائف آف محمد' بہت شہرت حاصل کر رہی تھی اور انگلستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے اور ممالک میں بھی وہ بہت مستند سمجھی جاتی تھی اور اس کتاب کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ یہ کہ خود انگریزی دان مسلمان بھی اس کو پڑھ کر گمراہ ہو سکتے تھے۔ اسلام اور خاتم المرسلینؐ کی ذات مبارک پر عیسائی مورخین کے اعتراضات اور لغو بیانی[1] کا سلسلہ تو صدیوں

لہ۔ بت پرستی کی مخالفت اسلام سے زیادہ کسی مذہب نے نہیں کی۔ لیکن عیسائی مورخین کی جہالت اور تعصب کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرتؐ پر بت پرست ہونے کا اتہام لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے نام کو بگاڑ کر انہوں نے مہمٹ کیا اور اس لئے میمٹری (یعنی بت پرستی کا لفظ تراشا۔

سے جاری تھا لیکن سر ولیم میور کا تعلق چونکہ ہندو پاکستان کی حکومت سے تھا اور بقول گرہم وہ سید احمد خان کے دوست بھی تھے اس لئے ان کی کتاب نے سید احمد خان کے دل پر گہرا اثر کیا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ "اس وقت جو حال سرسید کی بے چینی اور جوش وخروش کا تھا وہ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ غالباً ۱۸۶۷ء یا ۱۸۶۸ء میں سائنٹفک سوسائٹی کا سالانہ جلسہ تھا اور دلی سے منشی امو جان مرحوم اور جہانگیر آباد سے نواب مصطفٰے خاں مرحوم کہ یہ بھی اس وقت تک سوسائٹی کے ممبر تھے، علی گڈھ گئے تھے۔ نواب صاحب کے ہمراہ میں بھی گیا تھا گو اس وقت تک میری سرسید سے جان پہچان نہ تھی مگر چونکہ ہم انہیں کی کوٹھی میں ٹھہرے تھے ان کے خیالات معلوم کرنے کا اکثر موقع ملتا تھا۔ وہ جب کبھی اور کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھتے تھے اکثر سر ولیم کی کتاب کا ذکر کرتے تھے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر یہ حملے ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو مطلق خبر نہیں"[۱] ۱۸۶۹ء میں جب سید احمد خان انگلستان گئے تو ان کے دل میں یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ ان کو ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنا چاہیئے۔ ان کے بعض دوستوں کا خیال تھا کہ ان کو جواب نہیں لکھنا چاہیئے۔ وہ ڈرتے تھے کہ شاید اس سے ان کو نقصان پہنچے گا لیکن سید احمد خان اس قسم کے مصنوعی خطرات سے بالکل نہیں ڈرتے تھے۔ لندن پہنچنے کے بعد انہوں نے نواب محسن الملک کو جو خط لکھا اس میں لکھتے ہیں کہ "مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ بعض احباب نالایق مثل مولوی ز۔ع[۲] نے میرا ارادہ دربارہ تحریر جواب کتاب میور صاحب جو بنسبت آنحضرت صلعم لکھی ہے سست کر دیا اور بروقت روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا۔ یہاں اس کے جواب کا اس قدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ . . . . . بہر حال میں کچھ نہ کچھ بنسبت جواب کتاب ولیم میور صاحب کے ضرور کروں گا"[۳] کچھ عرصہ بعد میور کی کتاب کا بغور مطالعہ کرنے پر جو کیفیت ان کے دل

---

[۱] - حیات جاوید - حصہ دوم - صـ۱۲۱

[۲] - یعنی سید زین العابدین

[۳] - مکتوبات (صـ۶۲) - خط مورخہ ۲۰ اگست ۱۸۶۹ء

کی بھوئی اس کو انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔ وہ لکھتے ہیں" ان دنوں میں ذرا میرے دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب آنحضرتؐ کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا۔ اور ان کی ناانصافیاں اور تعصبات کو دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے اور اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے۔ قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو جو اپنے دادا محمد صلعم کے نام پر فقیر ہو کر مرگیا حاضر کرو۔

مارا ہمیں تمغہ شاہنشاہی بس است"[۱]

میور کی کتاب کا جواب لکھنے کے لئے زبردست تحقیق کی ضرورت تھی۔ عربی اور دوسری مشرقی زبانوں کے علاوہ یورپ کی مختلف زبانوں میں بھی سیرت رسولؐ پر بہت زیادہ مواد ہے ان کو اس میں سے بہت کچھ مہیا کرنا پڑا۔ اس سلسلہ میں ان کو مالی پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ان کا حال ان خطوط میں موجود ہے جو انہوں نے وہاں سے نواب محسن الملک کو بھیجے ہیں۔ ان کے جوش کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے لکھا کہ "کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کر کے ہزار روپیہ بھیج دو..."[۲] کتاب کی تیاری میں اخراجات کا جو اندازہ لگایا تھا وہ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے غلط ہوتا ہے ہوا۔ اس پریشانی کا اظہار ایک اور خط کے اس فقرہ سے ہوتا ہے "میں اپنا حال آپ کو کیا لکھوں، سکتہ سا ہو گیا ہے......"
اس موقع پر سید احمد خان کے دوستوں نے حق دوستی ادا کیا اور کچھ روپیہ فراہم کر کے ان کو بھیجا۔ اس سے ان کو بے حد تقویت پہنچی۔ اپنے خط مورخہ ۲۷ مئی ۱۸۷۰ء میں لکھتے ہیں۔
"اگر آپ لوگ کچھ مدد نہ کرتے تو زہر کھا کر مرجانے کے سوا کچھ چارہ نہ تھا"[۳]

---

[۱] مکتوبات (ص۴۷)۔ خط مورخہ یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء۔

[۲]۔ جن دوستوں نے امداد کی ان میں نواب محسن الملک کے علاوہ میر تراب علی، میر ظہور حسین اور مرزا رحمت اللہ بیگ بھی شامل تھے۔ دیکھو حیات جاوید حصہ دوم۔ ص۱۱۷۔ مکتوبات (ص۱۱۲) میں عبارت کچھ مختلف ہے۔

بالآخر سخت محنت اور کاوش کے بعد سید احمد خان کی کتاب تیار ہو گئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ کرا کر انہوں نے لندن ہی میں شایع کر دیا۔ بعد میں ہند پاکستان واپس آنے پر اردو ایڈیشن کو زیادہ مکمل کر کے خطبات احمدیہ کے نام سے شایع کیا۔

خطبات میں بارہ مقالے یا خطبے[1] ہیں جن میں آنحضرت صلعم کی سیرت سے متعلق مختلف مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ خطبات کی فہرست سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ سید احمد خان نے رسول اللہ کی سوانح حیات اپنی کتاب میں شامل نہیں کئے ہیں بلکہ وہ مسائل منتخب کئے ہیں جن کو بنیاد بنا کر میور اور دیگر مغربی مستشرقین نے بہت زیادہ زہر اگلا ہے۔ سید احمد خان کے مقصد میں اس کتاب کے شایع ہونے سے کہاں تک کامیابی ہوئی۔ اس کا اندازہ گرہیم کے الفاظ سے لگائیے۔ وہ لکھتا ہے کہ "آج انگریز کے لئے اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا اور جس کو برا کہا جاتا ہے اور ہمارے لئے وہ اسی قسم کا مصنوعی خطرہ ہے جیسے اس صدی کے شروع میں نپولین بوناپارٹ ہمارے اجداد کے لئے تھا۔ عام طور پر اس کو تلوار کا مذہب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال ہے کہ اس میں تعصب، تنگ نظری اور فرقہ واریت کے علاوہ کچھ نہیں۔ وہ لوگ جو انگریز قوم کی اکثریت کی طرح آج بھی اسی فریب میں مبتلا ہیں اگر وہ سید احمد خان کے خطبات غور سے پڑھیں تو ان کی رائے میں زبردست تبدیلی ہو جائے گی۔ ان کو چاہئے کہ وہ خطبات کو حاصل کریں اور پڑھیں[2]"۔ بہر حال اعلیٰ تحقیق

---

[1] - خطبات کے عنوان یہ ہیں: (۱) جغرافیہ جزیرۃ العرب و امم العرب العاربہ والمستعربہ (۲) مراسم العرب و عاداتہم قبل الاسلام۔ (۳) الادیان المختلفۃ التی کانت فی العرب قبل الاسلام (۴) ان الاسلام رحمۃ للانسان وجنۃ لادیان الانبیا باوضح البرہان۔ (۵) حالات کتب المسلمین (۶) الروایات المرویات فی الاسلام (۷) القرآن وھو الہدیٰ والفرقان۔ (۸) احوال بیت اللہ الحرام والسوانح التی مضت فیہا قبل الاسلام (۹) حسبہ ونسبہ علیہ الصلاۃ والسلام (۱۰) البشارۃ المذکورۃ فی التوراۃ والانجیل (۱۱) حقیقۃ شق الصدر و ماہیۃ المعراج۔ (۱۲) ولادتہ وطفولیتہ علیہ الصلاۃ والسلام

[2] - گرہیم۔ ص ۱۰۶-۱۰۷

معیار کی رو سے سید احمد خان کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ خطبات ایک اور وجہ سے بھی بہت زیادہ قابل قدر کتاب ہے۔ اس وقت تک مشنریوں کی کتابوں کے علاوہ جو لٹریچر یورپین اور دوسرے مغربی ممالک کے مستشرقین نے شایع کیا تھا اس کی تردید میں مسلمان مصنفوں نے کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ تمام غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں جو ان مستشرقین کی کتابوں میں موجود تھیں پھیلتی جا رہی تھیں۔ سید احمد خان کم ازکم اس برصغیر میں پہلے مسلمان مصنف ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی۔ میور کی کتاب کا جواب لکھ کر انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے لئے ایک نیا راستہ بتلایا۔ مولوی چراغ علی۔ سید امیر علی اور سب سے زیادہ مولانا شبلی نے اسی راستہ پر چل کر شہرت دوام حاصل کی ہے۔

ہنٹر کی کتاب پر ریویو

ولیم ہنٹر کی کتاب[۱] "دی انڈین مسلمانز" کی شہرت اتنی زیادہ ہو چکی ہے اور ہنٹر کے خیالات سے اب لوگ اس قدر واقف ہو گئے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق کچھ لکھنا غیر ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بنگال کے حالات اور وہاں کے لوگوں کی زندگی کا ہنٹر نے بغور مطالعہ کیا تھا اور بے حد محنت اور جانفشانی

---

[۱] سر ولیم ہنٹر اپنی تصنیف کا سبب خود انتسابی خط میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "سب سے بڑی زیادتی جو انگریز اپنی ایشیائی رعایا کے ساتھ کر سکتے ہیں یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نہ سمجھیں۔ وہ کہنہ مرض جو انگریزی حکومت کو ہمیشہ سے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے یہی ہے کہ حکمرانوں اور محکوموں کے درمیان خلیج حائل ہے"۔ لہٰذا وہ آگے بڑھ کر فرماتے ہیں "میں نے ان صفحات میں کوشش کی ہے کہ ایک محارب طبقہ کی گذشتہ تاریخ اور موجودہ ضروریات کو نہایت واضح طریقہ پر پیش کر دوں۔ یہ محارب طبقہ وہ ہے جس کو سلطنت ہند کے لئے حکومتیں مسلسل خطرہ بتلاتی رہی ہیں"۔ دیکھو ولیم ہنٹر۔ دی انڈین مسلمانز (تیسرا ایڈیشن - طبع ثانی - کامریڈ پبلشرز - کلکتہ۔ ۱۹۴۵ء - نامہ انتساب۔

کے بعد مختلف مسائل سے متعلق اعداد و شمار جمع کئے تھے۔ جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے ہنٹر کی کوششوں کا اعتراف نہ کرنا سخت ناانصافی ہوگی۔ لیکن اپنے جمع کردہ اعداد و شمار اور ان کے مطالعہ کی بنیاد پر جو نتائج اس نے اخذ کئے اور جس طرح ان کو پیش کیا وہ قابل گرفت ہیں۔ ابھی انقلاب ۱۸۵۷ء کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا اور مسلمانوں کی طرف سے انگریز حکام کی بدگمانی ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ ہنٹر نے مسلمانوں کے ایک طبقہ یعنی وہابیوں کے متعلق اس قسم کی باتیں کہیں جن سے حکومت کی بدگمانی اور غلط فہمی اور ان کے نتیجہ میں غلط پالیسیاں اختیار کرنے کا امکان بہت زیادہ بڑھ گیا۔ ہنٹر کی کتاب سے سید احمد خان کے نظریہ کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ ان کے دل نے زیادہ تکلیف یوں بھی محسوس کی کہ انہوں نے "سنا تھا کہ مصنف (یعنی ولیم ہنٹر) مسلمانوں کے بڑے دوست ہیں"[۱] سید احمد خان کو جس قدر تکلیف اس کتاب کے شایع ہونے سے پہنچی اس کا اندازہ ان کے الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو انہوں نے ہنٹر کے بیانات پر تبصرہ کرنے سے پہلے اس کی کتاب کے متعلق لکھے ہیں۔ وہ ہنٹر کو مسلمانوں کا دوست ضرور مانتے ہیں لیکن "ان کی دوستی سے جو ان کی اس آخر کتاب کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے ہم کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ اے خدا مجھے میرے دوستوں سے بچا!"[۲] ہنٹر کے پیش نظر "وہابیوں" کی تحریک جہاد تھی۔ چنانچہ وہ اسی کو اُم المسائل سمجھتا ہے اور اسی پر اس نے تفصیلی بحث کی ہے۔ مسئلہ کا یہ پہلو کہ سید احمد شہیدؒ۔ ان کے رفقاء کار اور پس رو وہابی تھے یا نہیں۔ یا وہابیت کا اثر ان کے عقائد پر کس حد تک تھا ہمارے احاطۂ بحث سے باہر ہے۔ لیکن یہ

۱۔ سید احمد خان بہادر سی۔ ایس۔ آئی۔ ریویو بر انڈین مسلمانز از ڈاکٹر ہنٹر (مطبوعہ میڈیکل ہال پریس۔ بنارس۔ ۱۸۷۲ء) ۔ ص۵

سید احمد خان کا ریویو انگریزی روزنامہ پائینیر میں چھپا تھا۔ کتاب کی شکل میں بنارس سے شایع ہوا۔ یہاں حوالے اسی ایڈیشن کے ہیں۔ اردو ترجمہ راقم الحروف کا ہے۔

۲۔ ریویو۔ ص۶

یقینی امر ہے کہ عام طور پر ان کو وہابی کہا جاتا تھا۔ جو لوگ عقائد میں ان سے اختلاف رکھتے تھے وہ اس نام کو تحقیر کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ بہر حال ہنٹر ان کو وہابی ہی کہتا ہے۔ چنانچہ اس بحث میں یہ ہی نام استعمال کیا گیا ہے۔ ہنٹر نے وہابیوں کے سات بنیادی عقائد پر بحث کی ہے۔ سید احمد خان نے اسی بحث پر تبصرہ کیا۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر کلی اعتماد۔ ظاہر ہے کہ اس سے سید احمد خان کو کوئی اختلاف نہ تھا۔ (۲) شفاعت سے انکار۔ یہاں سید احمد خان نے صرف الفاظ کو مبہم کہا ہے۔ معناً ان کو کوئی اعتراض نہیں (۳) اسلامی مقدس کتابوں کی تشریح کرنے اور ان کے مطالب قائم کرنے کی انفرادی آزادی۔ اس میں سید احمد خان نے لفظی ترمیم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کو یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن کا مطلب اپنی سمجھ کے مطابق سمجھنے کا حق ہر ایک کو ہے۔ یعنی کسی پر پہلے ائمہ کی تقلید لازمی نہیں (۴) ظاہری رسوم کا جو مسلمانوں نے اختیار کرلی ہیں ترک کرنا۔ اس پر کوئی تبصرہ نہیں۔ (۵) امام کی رہنمائی میں کفار پر فتوحات حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ چشم براہ رہنا۔ سید احمد خان نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ہنٹر کے الفاظ گمراہ کن ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ہے کہ دنیا کے اختتام سے پہلے ایک مسیحا کا ورود ہوگا۔ بعض مسلمان بھی اس پر عقیدہ رکھتے ہیں اور بعض نہیں رکھتے۔ لیکن ہنٹر نے اس عقیدے کو مسخ کرکے کتاب میں اس طرح پیش کیا ہے کہ گویا موجودہ زمانے کے وہابی بھی اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ امام پیدا ہو اور اس کی رہنمائی میں وہ انگریزوں پر جہاد کرکے فتح حاصل کریں۔ (۶) کفار کے خلاف جہاد پر اعتقاد اور عمل۔ اس میں بھی سید احمد خان کے نزدیک ہنٹر نے بہت زیادتی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہنٹر کو اس کے ساتھ یہ کہنا چاہیئے تھا "بشرطیکہ مسلمان جو جہاد کی رہنمائی کریں وہ کفار کی رعایا نہ ہوں اور ان کی حکومت میں امن کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں اور نہ بغیر کسی ظلم کے جو ان پر کیا جا رہا ہو۔ بشرطیکہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کو اور مال کو کفار کے قبضہ میں نہ چھوڑ رکھا ہو۔ بشرطیکہ ان کے اور کفار کے درمیان کوئی صلحنامہ نہ ہوا ہو اور بشرطیکہ مسلمان اس قدر قوی ہوں کہ فتح یقینی ہو۔ اگر ہمارے مصنف نے اپنے بیان میں یہ تمام شرطیں شامل کرلی ہوتیں تو ان کا بیان ٹھیک ہو جاتا لیکن چونکہ ہنٹر صاحب وہابیوں کو خوفناک شکل میں پیش کرنا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے جہاد

کی یہ سب شرائط آڑا دیں۔ (۷) روحانی مقتدی کی فرمانبرداری۔ سید احمد خان کا تبصرہ یہ ہے کہ "روحانی مقتدیٰ سے ہنٹر کا صحیح منشار نہیں معلوم کیا ہے۔ اگر دینی پیشوا ہے تو قطعی غلط ہے۔ وہابی اس کی حکم برداری پر عقیدہ نہیں رکھتے اور اگر ان کا منشار مسلم حکمراں ہے تو صحیح ہے۔ لیکن پھر بھی ہنٹر صاحب ایک بات کہنا بھول گئے۔ وہ یہ کہ مسلمان اپنے کافر ان حکمراں کا حکم ماننے پر مجبور ہیں بشرطیکہ وہ ان کے مذہب میں دخل انداز نہ ہوتا ہو"[1]

سید احمد خان نے اپنی ریویو میں وہابیت کی تاریخ پر اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ انہوں نے ہنٹر کی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر تبصرہ کیا ہے۔ لیکن اس تبصرہ کے سلسلے میں اسلامی اور ہندپاکستانی تاریخ کے بعض واقعات کو جس طرح انہوں نے پیش کیا ہے اس سے تاریخ کے اکثر طلبار اتفاق نہیں کر سکیں گے۔ ہنٹر کی اس رائے پر کہ وہابیت کی نظر میں اسلام صرف خدا پرستی (تھی ازم) ہو کر رہ جاتا ہے تبصرہ کرتے ہوئے سید احمد خان لکھتے ہیں کہ "یہ صحیح ہے لیکن میں صرف اتنا اور کہوں گا کہ محمد (صلعم) کے زمانہ میں بھی یعنی اس سے پہلے کہ قرون وسطےٰ اور موجودہ دور کے مسلمانوں نے رسوم اور ظاہری باتوں کا ملمع اس پر چڑھایا، ایسا اسلام ہی تھا۔ ابتدار میں ایک عرصہ تک اسلام کے معنی صرف خدا پرستی ہی تھے۔ لیکن دوسری صدی ہجری میں جب اس کے اصولوں کے متعلق عام آدمیوں کے خیالات تحریر میں آگئے تو وہ (اسلام) چار مذاہب خیال[2]۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی — میں تقسیم ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک تو مسلمانوں کو اس کی آزادی تھی کہ وہ ان میں سے چاہے جس مذہب کا اتباع کریں۔ لیکن جب بنی امیہ اور بنی عباس بادشاہ ہوئے تو ایک فرمان جاری ہوا کہ تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کو مکمل طور پر اختیار کرلیں جو اس پر عمل نہیں کرتے تھے ان کو سزا دی جاتی تھی، اس

---

[1] ۔ ریویو۔ صفحہ

[2] ۔ انگریزی میں چرچ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

نامنصفانہ حکم نے لوگوں کی آزادی کو ختم کر دیا اور مذہبی تعصب کا راج قائم ہوگیا۔ تاہم اب بھی بہت سے لوگ تھے جو مذہب کی ابتدائی اور سادہ اصلیت میں ایمان رکھتے تھے لیکن ان کی یہ جرأت نہ تھی کہ اپنی رائے کا اظہار سوائے ان چند لوگوں کے جن پر ان کو اعتماد تھا کسی اور سے کرتے۔ ان ہی کو اس زمانہ میں اہل حدیث کہا جاتا تھا[۱۷]" اسی طرح ہندپاکستان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" اسلامی حکومت کے زمانہ میں ترک اور پٹھان بادشاہ جو خود حنفی تھے مذہبی رواداری کے خلاف تھے۔ یہ ہی حالت شاہان مغلیہ کے دور میں رہی سوائے اکبر کے دور حکومت کے آخری حصہ کے[۱۸]"

بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار حکومت کو" مذہبی تعصب کا راج" کے الفاظ سے تعبیر کرنا اور سلاطین و شاہان مغلیہ کو مذہبی رواداری کا مخالف کہہ کر اکبر کو مستثنیٰ قرار دینا، تاریخی شواہد پر قطعی ظلم ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی کے انگریز مورخوں نے تو اسی قسم کے نظریات پیش کئے ہیں اور اپنے دعووں کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے تاریخ کے واقعات کو مسخ کرکے دکھلایا ہے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سید احمد خان نے ان نظریات کو کیوں اپنا لیا۔ ان کو تو تاریخ کے مطالعہ سے بے حد دلچسپی تھی اور شاید ہندپاکستان کی تاریخ کا یہ پہلو بھی ان کی نظر سے اوجھل نہ ہوگا کہ اگر یہاں کے مسلمان حکمران اپنے ایک ہزار سالہ دور اقتدار و حکومت میں مذہبی رواداری کا حد سے زیادہ پاس نہ کرتے تو یہاں کی آبادی میں ان کا تناسب ایک چوتھائی سے بہت زیادہ ہوتا۔ ان مثالوں کے علاوہ بعض اور جزئیات میں بھی سید احمد خان کے بیانات تاریخی حقایق سے ٹکراتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ہنٹر کی کتاب پر تبصرہ شایع کرکے مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت کی۔ اس وقت مسلمانوں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ وہ من حیث القوم، انگریزی حکمرانوں کے جذبہ انتقام کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کریں۔ اس کا

---

۱۷ - ریویو۔ صـ۱۰

۱۸ - ریویو صـ۱۱

علاج سید احمد خان کی نظر میں ۔ اور یقیناً صحیح علاج ۔ یہی تھا کہ انگریزوں کو جو بدگمانیاں مسلمانوں کی طرف سے تھیں اُن کو دور کیا جائے ۔ ولیم ہنٹر چاہے بھی جس قدر مسلمانوں کے ہمدرد ہوں اور انہوں نے اپنے سامنے کچھ ہی مقصد رکھا ہو ۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر سید احمد خان اپنا مفصل ریویو شایع نہ کرتے تو ان کی کتاب انگریز کے آتش انتقام کو بھڑکانے اور تیز تر کرنے میں تیل چھڑکنے کا کام کرتی ۔ مولانا حالی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ "سرسید کی ریویو نے تمام انگریزی حکام کے دل پر اور نیز انگلستان کے لوگوں پر نہایت عمدہ اثر کیا"[۱] لیکن اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی وضاحت نہیں کی ۔

تفسیر القرآن

انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کے رواج نے ہند پاکستانیوں کے لئے ایک نیا مسئلہ پیدا کر دیا تھا ۔ ان کے اثر سے لادینیت کے رجحانات بڑھ جانے کا زبردست خطرہ تھا ۔ بنگال اور جنوبی علاقوں کے اُن ہندوؤں کی مثال سید احمد خان کے سامنے تھی جنہوں نے انگریزی تعلیم کے فوائد مسلمانوں سے بہت پہلے حاصل کرنا شروع کر دیے تھے ان کا تعلیم یافتہ طبقہ ہندو مذہب کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے لگا تھا اور بعض لوگ تو مذہب کے استہزا میں حد سے بڑھ گئے تھے[۲] یہ بالکل واضح تھا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ لادینیت کا حملہ مسلمانوں پر بھی ہو گا ۔ سید احمد خان نے اپنی ذہانت سے اس خطرہ کو شروع ہی میں محسوس کر لیا تھا ۔ ۱۸۷۶ء میں مدرستہ العلوم کے طلبار کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے یہ تاریخی الفاظ کہے تھے ۔ "یاد رکھو سب سے سچا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے ۔ اسی پر یقین کرنے سے ہماری قوم ہماری قوم ہے ۔ اگر تم نے سب کچھ کیا اور اس پر یقین نہ کیا تو تم ہماری قوم نہ رہے ۔ پھر اگر تم آسمان کے تارے ہو گئے تو کیا ؟ پس امید ہے کہ تم ان دونوں باتوں (یعنی علم اور اسلام) کے نمونے ہو گے ۔ اور جب ہی ہماری قوم کو عزت ہوگی"[۳]

---

[۱] ۔ حیات جاوید ۔ حصہ اول ۔ صفحہ ۱۱۶

[۲] ۔ تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ یہ لوگ گوشت اور ہڈیاں ہندوؤں کے گھروں میں پھینکتے تھے ۔

[۳] ۔ حیات جاوید ۔ حصہ اول ۔ صفحہ ۱۷۶

سید احمد خان کو یقین تھا کہ اسلام کے اصول سچے اور دائمی ہیں اس لئے لادینیت کے حملوں کو کامیابی کے ساتھ روکا جا سکتا ہے۔ ان کو خوب اندازہ تھا کہ اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی ہمارا مذہب اس قسم کے خطروں کا مقابلہ کر چکا ہے۔ یونانی فلسفہ وحکمت نے جو حالات پیدا کر دیئے تھے وہ بھی ان کے سامنے تھے۔ لیکن محققین و علمار اسلام نے جس خوبی اور کامیابی سے اس کا مقابلہ کیا تھا۔ اس سے بھی وہ ناواقف نہیں تھے۔ مگر اس حقیقت کا بھی ان کو احساس تھا کہ علم کی ترقی اور سائنس کی بڑھتی ہوئی ایجادات سے جو صورت حال پیدا ہو رہی ہے اس میں وہ دلائل اور اجتہادات زیادہ کار آمد نہیں ہو سکتے جو گذشتہ زمانہ میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوئے تھے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انیسویں صدی میں علمار کا طبقہ اس کا اہل نہیں تھا کہ دور جدید کے علوم سے جو شبہات مسلمان نوجوانوں میں پیدا ہونے لگے تھے ان کی روک تھام دلائل و براہین کے ذریعہ سے کر سکے۔ انہوں نے جو تعلیم حاصل کی تھی اس میں معقولات کا حصہ بھی تھا جو قدیم فلسفہ وحکمت سے تھا۔[1] جنگ آزادی کے عظیم المرتبت جانباز مولوی فضل حق اور انکے والد فضل امام کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ان حضرات نے معقولات میں کمال حاصل کیا تھا لیکن مغربی علوم بالخصوص شعبہائے سائنس سے ناواقف تھے۔ ایسی حالت میں ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ فلسفہ جدید اور سائنس کے حملوں کو روک سکیں۔ ان کے علاوہ علمار اور مشائخ کا وہ طبقہ جو صرف منقولات اور عبارات پر زور دیتا تھا اور معقولات کو بے کار اور خطرناک سمجھتا تھا، وہ یہی علاج تجویز کرتا تھا کہ مغربی علوم سے مسلمان کوئی واسطہ نہ رکھیں۔ چنانچہ بعض اصحاب ان علوم کو خلاف مذہب کہتے تھے۔ سید احمد خان کے لئے یہ مسئلہ نہایت اہم تھا۔ اس لئے کہ ان کو اس امر کا تو یقین ہو چکا تھا کہ قوم کے لئے انگریزی تعلیم اور مغربی علوم کا حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ ان کو یہ بھی یقین تھا کہ اس راستہ میں اسلام کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا۔ لیکن اس سے بڑھ کر وہ اس نتیجہ پر بھی پہنچ چکے تھے کہ اگر کہیں اسلام کے بنیادی اصول اور فلسفہ یا سائنس کے نظریہ میں

---

[1] ان حضرات کے متعلق سید احمد خان کی رائے آثار الصنادید کے صفحات میں موجود ہے۔

اختلاف نظر آئے تو اس کا سبب یا تو فلسفہ و سائنس کے نظریہ کی غلطی ہو گا یا ہماری معلومات کا نقص کیوں کہ اسلام کے اصول ابد الآباد تک قائم رہنے والے ہیں اور وہ غلط نہیں ہو سکتے۔[۲] مولانا حالی نے مسئلہ کے اس پہلو پر سید احمد خان کے خیالات خود اُن ہی کے الفاظ میں نقل کئے ہیں۔ سید احمد خان کا قول ہے کہ "جو لوگ بلا فلسفی دلیل و حجت کے اسلام پر یقین رکھتے ہیں۔ بلا شک ان کا ایمان اور ان کا یقین بہ نسبت ان لوگوں کے جو دلیل و حجت سے اپنے عقیدہ کو مستحکم کرتے ہیں بہت زیادہ مستحکم ہے۔ کیوں کہ ان کے دل میں کسی قسم کے شک و شبہ نے راہ نہیں پائی اور نہ راہ پانے کی اس میں گنجائش ہے ...... میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ان کے ایمان کو (میں اور کسی سے کیوں کہوں) اپنے ایمان سے تو بہت زیادہ مستحکم جانتا ہوں.... خدا کے ماننے اور رسول پر یقین کرنے کے لئے ان کو کسی منطقی دلیل اور فلسفی برہان کی حاجت نہیں۔ کیسی ہی کوئی بات خارج از عقل و ناقابل یقین صحیح یا غلط ان کے سامنے یہ کہہ کر کہ 'خدا اور رسول نے فرمایا ہے' بیان کی جائے۔ وہ فوراً اس پر یقین کریں گے۔ پس ایسے لوگ ہماری بحث سے بالکل خارج ہیں۔ میں ان کو یقین کا ستارہ اور اسلام پر یقین کرنے کا نمونہ سمجھتا ہوں اور ٹھیک مسلمان جانتا ہوں۔" اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے ان حلقہ بگوشوں کے علاوہ جو "استدلال" پر "کار دین" کی بنیاد نہیں رکھتے کیوں کہ ان کے نزدیک "پائے استدلالیاں" "پائے چوبین" کی طرح "سخت بے تمکین" ہوتے ہیں[۳] ایک طبقہ ایسا بھی ہے

---

[۱] - ڈاکٹر بلجون نے اپنی تصنیف "سر سید احمد خان کی اصلاحات اور مذہبی خیالات" (مطبوعہ برل - لنڈن) میں سید احمد خان کے مذہبی خیالات کے تین دور قائم کئے ہیں - پہلا دور ۱۸۴۲-۱۸۵۷ء۔ دوسرا دور ۱۸۵۷-۱۸۶۹ء اور تیسرا دور ۱۸۶۹-۱۸۹۸ء ان کا خیال ہے کہ سید احمد خان کی مذہبی روشن خیالی اور اجتہاد کا اصلی سبب ان کا سفر انگلستان تھا۔

[۲] - مولانا رومیؒ نے اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کیا ہے۔

(اشعار اگلے صفحہ پر)

جو استدلال کو ضروری سمجھتا ہے۔" یہ فرقہ .... نہیں چاہتا کہ دل میں تو دھکڑ پکڑ ہو اور زبان سے لوگوں کے ڈر یا سوسائٹی کے دباؤ سے ہاں ہاں کیا کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے مخاطب ہیں اور جن سے ہمیں بحث ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے دور عباسیہ میں یونانی فلسفہ اور علم طبیعی کے رواج اور اس سے پیدا شدہ خطرات کا ذکر کرکے بتلایا ہے کہ علماء اسلام نے دین کی حفاظت کے لئے کس طرح کوشش کی۔ اسی قسم کا خطرہ اسلام کو مغربی علوم کے رواج سے بھی تھا" اس لئے اس زمانہ میں .... ایک جدید علم کلام کی حاجت ہے جس سے یا تو ہم علوم جدیدہ کے مسائل کو باطل کر دیں، یا مشتبہ ٹھیرا دیں، یا اسلامی مسائل کو ان سے مطابق کر دکھائیں"[۱]۔

اقتباس مذکورہ بالا کے آخری فقرے میں اسلامی مسائل اور علوم جدیدہ میں تطبیق کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے اس کی کوشش میں سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کے تصورات اور تعلیمات کی حدود مقرر کی جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بہت سی رسوم ایسی رواج پا گئی تھیں جن کا تعلق اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہیں تھا۔ لیکن کم از کم عام مسلمان ان کی صحیح حقیقت سے ناواقف تھے۔ علوم جدیدہ سے ان کی تطبیق نہ ممکن تھی نہ ضروری۔ اور کوئی مذہبی مصلح یا مجدد ان کو قائم رکھنے کے حق میں نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن سید احمد خان اس سلسلہ میں بہت زیادہ آگے بڑھ گئے۔ فقہی مسائل میں ذاتی اجتہاد کو تو وہ شروع ہی سے ضروری خیال کرتے تھے۔ لیکن علوم جدیدہ سے تطبیق کے لئے جیسا کہ مولانا حالی فرماتے ہیں "سرسید کا دعویٰ .... صرف اس قدر ہے کہ کوئی اعتراض سائنس کی رو سے قرآن مجید پر وارد نہیں ہو سکتا"۔ اس نظریہ کو وہ پہلے بھی پیش کر چکے تھے خطبات احمدیہ میں پانچواں خطبہ حالات کتب المسلمین پر ہے۔ اس کا دوسرا عنوان

به استدلال اگر کار دیں بدے — فخر رازی راز دار دیں بدے
پائے استدلالیاں پا چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

[۱] ۔ حیات جاوید حصہ اول ۔ صفحہ ۱۸۰-۱۸۱

حسبنا کتاب اللہ دیا گیا ہے۔ خطبات میں انہوں نے صحیح حدیثوں کو موضوعات سے الگ کرنے پر زور دیا ہے۔ لیکن جدید علم کلام کے موضوع کا جہاں تک تعلق ہے انہوں نے .... اسلام کا حقیقی مصداق محض قرآن مجید کو قرار دیا! اور اس کے سوا تمام مجموعہ احادیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث قرآن کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آرا اور تمام فقہا و مجتہدین کے قیاسات و اجتہادات کو اس بناء پر کہ ان کے جو ابدہ خود علماء و مفسرین اور فقہا و مجتہدین ہیں، نہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دیا[1]۔ سید احمد خان کے عقائد و مذہبی خیالات پر تبصرہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں لیکن اس قدر ضرور کہا جا سکتا ہے کہ حدیث و فقہ کو خارج از بحث قرار دے کر اسلامی تاریخ و تمدن کی صحیح تصویر پیش نہیں کی جا سکتی۔ مغربی علوم کی بنیاد مادیت پر ہے۔ اس لحاظ سے قرآنی تعلیمات اور مغربی علوم میں بنیادی اختلافات لابدی ہونگے۔ مثلاً خود وجود باری تعالیٰ۔ اور وحی کے ذریعہ قرآن کا نزول ایسے مسائل ہیں جن پر اختلاف لازمی ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہ علوم جن کی ایجاد اور ترقی انسانی عقل اور سعی پر منحصر ہے ابدیت کا درجہ نہیں حاصل کر سکتے۔ یہ تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ سائنس کے نظریات میں ترقی کے ساتھ تبدیلیاں ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور اگر دینی اصول کسی ایک عہد کے سائنسی نظریات کے مطابق ثابت کر دئے گئے تو ان نظریات میں تبدیلی پر دینی اصول بھی تغیر پذیر متصور ہوں گے۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کے بعد کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی، اسلام کسی بنیادی اصول میں تغیر برداشت نہیں کر سکتا۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ مذہب اور سائنسی نظریات میں اختلاف ضروری ہے۔ نہ یہ سمجھنا چاہئیے کہ حامیان مذہب کی یہ دلیل قابل قبول ہے کہ مذہب کے معاملہ میں عقل بیکار محض ہے اور بے عقلی کی بات کو بھی درست مان لینا چاہئیے بشرطیکہ وہ مذہبی سند رکھتی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض مذاہب کے اس جہل پر ور رویئے نے خود مذہب کی

---

[1] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ ص ۱۸۳

توقیر کو کم کر دیا ہے۔ مذہب کے معاملہ میں عقل کو کہاں تک دخل ہے اور کس نہج سے اس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے نبوت کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے امام غزالی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مولانا شبلی نے اپنی تصنیف الکلام میں انکے دلائل کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ انسان میں مختلف حواس اور قویٰ عمر کے ساتھ پیدا ہوتے اور بڑھتے جاتے ہیں۔ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے مولانا تحریر فرماتے ہیں! "یہاں تک کہ محسوسات کی حد ختم ہو جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اب اسکو تمیز دی جاتی ہے اور ان چیزوں کا ادراک کر سکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہیں۔ یہ دور ساتویں برس سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر ایک اور درجہ ہے۔ جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے۔ اور جس طرح تمیز و عقل کی مدرکات کے لئے حواس بالکل بیکار ہیں۔ اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لئے عقل بے کار ہے۔ اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے۔

بعض عقلاء اس درجہ کے منکر ہیں، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزوں کا انکار کرتا ہے، جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہیں کی گئی ہے"۔ اپنے مشہور رسالہ منقذ من الضلال میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ "مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہیں چکھا ہے وہ نبوت کی حقیقت نہیں جان سکتا، بجز اس کے کہ نبوت کا نام جان لے"۔ [۵۱]

برخلاف اس کے سید احمد خان نے اسلام کے دین فطرت ہونے کی حیثیت پر زور دیا اور اس کو ثابت کرنے کی غرض سے ان کو بہت تاویلیں کرنا پڑیں۔ بعض اوقات یہ تاویلیں ان کے عہد کے مذاق کے مطابق تھیں اور ان لوگوں کے لئے باعث اطمینان ثابت ہوئیں جن کو وہ الحاد کے خطرات سے محفوظ کرنا چاہتے تھے لیکن ایسے بھی مواقع آئے جہاں ان کی تاویلیں مضحکہ خیز بن گئیں۔ مولانا حالی نے تفسیر پر رائے دیتے ہوئے فرمایا ہے "اگرچہ سر سید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اور بعض بعض مقامات

۵۱۔ علامہ شبلی نعمانی۔ الکلام (مکتبہ معین الادب، اردو بازار، لاہور۔ ۱۹۵۲ء) صد ۱۰۵-۱۰۶

پر ان سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہیں۔ بایں ہمہ اس تفسیر کو ہم ان کی مذہبی خدمات میں ایک نہایت جلیل القدر خدمت سمجھتے ہیں[1]۔ بہرحال تفسیر کی اشاعت نے سید احمد خان کے مذہبی عقائد کی طرف سے بہت سے ان مسلمانوں کو بھی بدظن کر دیا جو ان کی تعلیمی اور سیاسی خدمات کو مستحسن اور ضروری تصور کرتے تھے[2]۔ علماء اور مشائخ کی مخالفت بھی بہت زیادہ بڑھ گئی اور بعض طبقوں میں تو تکفیر تک نوبت پہنچ گئی۔ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ ان کے اکثر عقائد اور خیالات کو جمہور مسلمانان نے نہیں مانا اور سید احمد خان کی مذہبی تصانیف میں ان کی تفاسیر بائبل و قرآن ہی سب سے کم مقبول ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کا اثر یہاں تک ہوا کہ ان کی بعض نہایت عمدہ تصانیف سے بھی اس قدر فائدہ نہیں اٹھایا گیا جس قدر کہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

اردو نثر سید احمد خان کے عظیم کارناموں میں اردو نثر کے طرز جدید کی ترویج اور اشاعت بھی قابل ذکر ہیں۔ اسلامی حکومت کی دفتری زبان فارسی تھی اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں بیشتر حصہ کی یہی مادری زبان تھی۔ مغلیہ سلطنت کے دورِ انحطاط میں اردو نے رواج پایا۔ لیکن پھر بھی تصنیف و تالیف کی زبان زیادہ تر فارسی ہی رہی۔ اٹھارویں صدی میں اردو نظم نے کافی ترقی کی کیوں کہ اس زمانہ میں سارا زور شعر و شاعری پر ہی تھا۔ تصنیف و تالیف میں نثر کا استعمال بہت کم تھا اور جو لوگ لکھتے بھی

---

[1] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ صہ ۱۸۴

[2] مثال کے طور پر مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ان کو علیگڈھ تحریک کے تعلیمی پہلو سے کس قدر دلچسپی تھی۔ وہ سید احمد خان کے تعلیمی اور سیاسی نظریات کے حامی تھے۔ لیکن تفسیر القرآن پر انھوں نے نہایت سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ سید احمد خان میں تفسیر لکھنے کی اہلیت نہیں تھی۔ تفصیل کے لئے دیکھو تبصرہ بر حیات جاوید مقالات شیروانی مرتبہ محمد مقتدیٰ خان شیروانی۔ (علیگڈھ ۱۹۴۶ء) اسکے علاوہ دیکھو۔ حیات سرسید از نور الرحمن (شایع کردہ انجمن ترقی اردو۔ علیگڈھ صہ ۶۷-۶۸)

تھے وہ مقفیٰ اور مسجع نثر لکھتے تھے جس میں فارسی اور عربی کے مشکل اور غیر مانوس الفاظ اور ترکیبیں بکثرت ہوتی تھیں۔ انیسویں صدی کے شروع میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ[۱] میں سادہ زبان کا استعمال شروع ہوا اور کچھ کتابیں اس نئے طرز میں لکھی گئیں اور شایع ہوئیں لیکن اس کالج کی عمر زیادہ نہ ہوئی۔ اس کے بعد دوسری قابل ذکر کوشش دہلی کالج میں ہوئی۔ یہاں ذریعہ تعلیم اردو تھا اور چوں کہ مغربی فنون کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اس لئے تالیف و ترجمہ کا سلسلہ شروع ہوا اور کافی تعداد میں کتابیں لکھی گئیں اور ترجمے شایع کئے گئے۔ لیکن انقلاب ۱۸۵۷ء میں یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ ان دونوں اداروں نے اردو کی جو خدمت انجام دی تھی وہ مفید ضرور تھی لیکن محدود اور مختصر ہونے کے باعث اس کا اثر اردو انشاء پر بہت زیادہ نہیں ہوا۔ جنگ آزادی سے پیشتر جو کتابیں تصنیف ہوئیں ان میں ہمیں زیادہ تر قدیم ہی طرز تحریر نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر مصنفین اردو کے مقابلہ میں فارسی کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ اردو میں بلند پایہ تصانیف بمنزلہ نہ ہونے کے تھیں۔ سید احمد خان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو کو اس پستی سے اٹھا کر تصنیفی زبان کے معیار تک پہنچایا۔ اس سلسلہ میں جو انتھک اور متواتر کوششیں انہوں نے کیں ان کو یہاں بالتفصیل بیان کرنا ممکن نہیں لیکن ان میں بعض امور کا مختصراً ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اردو نثر کو رواج دینے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کو غیر ضروری تکلفات سے صاف کر کے سادہ اور سلیس کر دیا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سادگی کا مطلب یہ نہیں کہ مشکل اور غیر مانوس الفاظ تشبیہوں اور استعاروں سے پاک

---

[۱] ۔ فورٹ ولیم کالج ۱۸۰۱ء میں کلکتہ میں لارڈ ولزلی نے اس غرض سے قایم کیا تھا کہ ان انگریز حکام کو ہندوستانی زبان سکھائی جائے جو ہند پاکستان میں نووارد ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر گلکرسٹ اس کالج کا پرنسپل تھا۔ اس نے کالج سے متعلق ایک دار التصنیف بھی قایم کیا تھا جس میں اس زمانے کے بعض مشہور دانشور میر امن دہلوی، میر بہادر علی حسینی وغیرہ ملازم تھے۔ فورٹ ولیم کالج ہی سے اردو، ہندی کا قضیہ نامرضیہ شروع ہوا۔

کرکے صرف سادہ اور آسان الفاظ سے کام لیا جائے۔ سلیس عبارت درحقیقت وہی قابل قدر ہے جس کے اندر لطف معنی اور لطف بیان دونوں موجود ہوں۔ سلاست اور روانی کے ساتھ عبارت میں یہ خوبیاں پیدا کرنا ایک بڑا کمال ہے اور ہر شخص اس پر قادر نہیں ہو سکتا، لیکن اتنا تو ہر لکھنے والا کر سکتا ہے کہ اپنے مطالب کو ایسے الفاظ میں ادا کرے جن کو اس کے مخاطب بہ آسانی سمجھ لیں اس سلسلہ میں سید احمد خان کی کوششوں کا اندازہ خود ان ہی کے الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ جہاں تک ہمارے کج مج زبانی نے یاری دی الفاظ کی درستی، بول چال کی صفائی پر کوشش کی۔ رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعاراتِ خیالی سے بھری ہوتی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا، پرہیز کیا۔ تک بندی سے جو اس زمانہ میں مقفیٰ عبارت کہلاتی تھی ہاتھ اٹھایا۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کی ادا میں ہو۔ جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے"۔

اس وقت سید احمد خان کو شاید خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ ان کی اصلاحات زبان کس حد تک مقبولیت حاصل کر سکیں گی۔ انہوں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ "ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ہوئی اور ہمارے ہم وطنوں نے اس کو کس قدر پسند کیا"۔ لیکن آج بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس طرز ادا کو پسند نہ کرتے ہوں۔ سلاست و روانی کے علاوہ سید احمد خان نے بعض اور اصلاحات کیں، مثلاً علامات قرارت یعنی پنکچویشن پر انہوں نے زور دیا اور بتلایا کہ انگریزی عبارت کی طرح اردو میں یہ نشانیاں استعمال کی جائیں۔ ان علامات کی افادیت ظاہر ہے اور آج تقریباً ہر عمدہ کتاب میں ان کی پابندی کی جاتی ہے۔ اردو ادب اور زبان

کی اصلاح کے لئے سید احمد خان نے جو کوشش کی اور جس حد تک ان کو اوس میں کامیابی ہوئی اس کا ذکر یہاں تفصیل سے نہیں کیا جا سکتا۔ مختصراً اس قدر کہنا کافی ہے کہ ان کو بجا طور پر طرز نو کا موجد قرار دیا گیا ہے۔

باب سوم

تعلیمی و سماجی اصلاحات۔ علیگڑھ کالج کا قیام

علیگڑھ تحریک کی روح تعلیمی اصلاح تھی۔ درحقیقت تحریک کا بنیادی تصور ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کے جملہ مسائل کا حل تعلیمی اصلاح میں ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہند پاکستانی مسلمان مغربی علوم کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے تھے۔ برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں جو کالج اور مدرسے انگریزی تعلیم کے لئے قائم ہوئے ان میں مسلمانوں کی تعداد نسبتاً بہت کم تھی۔ لیکن انیسویں صدی کے شروع میں جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور انتظامی امور میں مرہٹوں کی جگہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے لے لی تو لازمی طور پر زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اعلیٰ طبقوں کے مسلمان جب کمپنی کے انگریز ملازموں اور دوسرے یورپینوں سے ملے تو ان کو مغربی علوم کی اہمیت اور انگریزی تعلیم کی ضرورت اور افادیت کا اندازہ ہونے لگا۔ غالباً سیاسی رہنماؤں نے بھی محسوس کیا ہوگا کہ انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا اب ناگزیر ہوگیا ہے۔ لیکن دینی پیشوا اب بھی اس کے سخت مخالف تھے۔ مگر یہ امر قابل غور ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے جو اس عہد کے بزرگ ترین علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انیسویں صدی کے شروع ہی میں مغربی تعلیم

حاصل کرنے کے جواز پر فتویٰ دیدیا تھا۔[1] آج ہمارے لئے آسان نہیں کہ دینی پیشواؤں کے متشددانہ رویے کے دوررس نتائج کا اندازہ لگا سکیں۔[2] بالخصوص اُن انقلابی تبدیلیوں کے پیش نظر جو ہندو قوم میں انگریزی تعلیم کی وجہ سے رونما ہو رہی تھیں۔ بہر حال مسلمانوں کو اس خطرہ سے بچانے میں شاہ عبدالعزیزؒ نے فتویٰ دے کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ شاہ صاحب کا اثر مسلمانوں کے ایک طبقہ پر بہت زیادہ تھا۔ ان کی ذہانت اور علمی قابلیت کا ملک کے ہر گوشہ میں لوہا مان لیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ مسئلہ یعنی مغربی تعلیم حاصل کرنے کا جواز یا عدم جواز بھی ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ صاحب نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا اور اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ مسلمانوں کے رویہ میں اس فتوے سے بہت بڑی تبدیلی ہوئی ہوگی اور جو لوگ عقائد کی بنا پر مغربی تعلیم کے خلاف تھے ان کے خیالات پر اس کا اثر ہوا ہوگا۔ لیکن پھر بھی تعصب کی وہ دیواریں جو مدت سے مغربی تعلیم اور مسلمانوں کے درمیان موجود تھیں آسانی سے نہیں ہٹائی جا سکتی تھیں۔[3] کمپنی کی حکومت بھی تعلیم کے مسئلہ میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔

۱۔ دیکھو فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۸۹ (مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۲۲ھ)

۲۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ انیسویں صدی کے آخر تک بعض خاندانوں میں انگریزی تعلیم کو کفر سمجھا جاتا تھا۔ مولانا محمد علی نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اپنی تعلیم کے سلسلہ میں اس بات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو۔ مائی لائف۔ اے فریگمنٹ از مولانا محمد علی ص ۵ (مطبوعہ لاہور ۱۹۴۶ء)

۳۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اس دور میں یعنی انیسویں صدی کے ربع اول میں مسئلہ صرف مغربی علوم اور زبانیں سیکھنے تک محدود تھا اور انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ چنانچہ دہلی کالج میں جو مغلیہ دارالحکومت کی مشہور درسگاہ تھی سائنس اور دیگر علوم اردو ہی میں پڑھائے جاتے تھے۔

مغربی تعلیم کا رواج: ابتدائی دور

ہماری تاریخ کے دورِ جدید کی چند ستم ظریفیوں میں ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی تحریک کے دو مختلف نتائج برآمد ہوئے جن میں سے ایک تہذیب و تمدن کی دوڑ میں نمایاں مقام پر نظر آتا ہے اور دوسرے کا تعلق اس انقلاب سے ہے جس میں لاکھوں جانیں اور ہزاروں خاندان تباہ ہوئے۔ ہمارا اشارہ مغربی تعلیم کے اس ابتدائی دور کی طرف ہے جبکہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ بلکہ تمام تر کوشش عیسائی مبلغین یا مشنریوں کی درسگاہوں تک محدود تھی۔ ان لوگوں نے بنگال میں سیرامپور کے مقام پر اپنا مرکز قائم کیا۔ رفتہ رفتہ کمپنی کے علاقے میں بھی انہوں نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ تبلیغ کے جملہ طریقوں میں سب سے زیادہ موثر طریقہ تعلیمی درسگاہوں کا قیام تھا۔ رومن کیتھولک عیسائیوں کا وہ مشہور ادارہ جس نے جیزوٹس کا نام اختیار کیا تھا اس طریقہ کو استعمال کر کے پروٹسٹنٹ اثرات کو بڑی حد تک کمزور کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ یورپ کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی یہ طریقہ نہایت کامیاب ثابت ہوا تھا۔ چنانچہ ان کے خیال میں کوئی وجہ نہ تھی کہ یہاں بھی وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ برصغیر میں ان کو نہایت عمدہ ماحول ملا۔ یہاں اسلامی حکومت کا ستارہ زوال کی طرف بڑھ رہا تھا اور ہندو قوم جو اکثریت میں تھی اب اپنے مستقبل کے لئے نئے راستوں کی تلاش میں تھی۔ صدیوں تک وہ مسلمانوں کی محکوم رہی تھی اور اس دور میں ان کو ہر قسم کی آزادی تھی اور یہی وجہ تھی کہ ماسوا چند مستثنیات کے ان کے اکثر رہنماؤں نے اسلامی حکومت کے ساتھ مکمل اشتراک عمل کیا تھا۔ اسلامی دور حکومت کی یہ بہت نمایاں خصوصیت ہے کہ دو قومیں ایک ملک میں مثل ایک قوم کے نہایت فارغ البالی اور خوش حالی کی زندگی بسر کرتی رہیں۔ ان کی علیحدہ انفرادیت بھی قائم رہی اور ساتھ ہی سلطنت و حکومت کو دونوں قومیں اپنی ہی حکومت سمجھتی رہیں۔ اب برصغیر کی سیاسی زندگی میں ایک نیا عنصر یعنی تیسری قوم داخل ہو رہی تھی اور یہ بحیثیت حکمرانوں کے آ رہی تھی۔ ہندو اور مسلمان قوموں کو اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ بدیسی حکومت کے ساتھ کیا رویہ ہو۔ مسلمانوں کا رویہ ظاہر تھا۔ وہ اب بھی یہ سمجھتے تھے کہ اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھ میں رہے گا اور رہنا چاہئے۔ برخلاف

اس کے ہندو قوم نے اپنا مفاد اس میں سمجھا کہ مسلمانوں کی گرتی ہوئی حیثیت کے پیش نظر ان سے دوستی اور یکجہتی قائم رکھنے کے بجائے بدیسی حکومت سے تعاون کرنا چاہیئے۔ یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی کے نصف آخر ہی میں شروع ہو گیا تھا اور کمپنی کے کارکنوں اور ہندو سیٹھوں کے اشتراک عمل سے اقتصادی اور صنعتی زندگی میں زبردست تبدیلی ہونے لگی تھی لیکن انیسویں صدی کے ربع اول میں یہ کیفیت بہ ملا نظر آنے لگی۔ بدیسی حکومت کی طرف ہندو اور مسلم اقوام کے مختلف رویوں کی صاف تصویر ہم کو راجہ رام موہن رائے اور شاہ عبدالعزیز کے اصلاحی کارناموں میں نظر آتی ہے۔ راجہ رام موہن رائے نے عیسائیت کو خوش آمدید کہا۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی تعلیمات کی تعریف کی بلکہ خود ہندو دھرم کے بعض اصولوں سے ان کو بہتر ثابت کیا[1] اور سب سے زیادہ یہ کہ مغربی تعلیم کو اپنی قوم میں رواج دینے کی پوری کوشش کی۔ برخلاف اس کے شاہ عبدالعزیز نے اس علاقہ کو جس پر کمپنی حکومت کرتی تھی دارالحرب قرار دیا[2] اور عیسائی مبلغین کی کوششوں کے اثرات سے اسلام کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے شاگردوں اور معتقدوں کو تیار کیا۔

---

[1] رام موہن رائے کا قومیت کا تصور صرف ہندو قوم تک محدود تھا۔ ایک جدید ہندو مورخ نے ان کے اس تصور کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

جس ماحول میں سیاسی بیداری بڑھ رہی تھی اس پر ہندوئیت غالب تھی۔ یہ امر قابل غور ہے کہ رام موہن رائے نے اپنے سب سے پہلے انگریزی ادارے کا نام "ہندو کالج" رکھا۔"

دیکھو رام گوپال۔ انڈین مسلمس (۱۸۵۸ء - ۱۹۴۷ء) ایشیا پبلشنگ ہاؤس بمبئی۔ ۱۹۵۹ء۔ صفحہ ۶۱

[2] اس فتوے کے لئے دیکھو فتاویٰ عزیزی۔

راجہ رام موہن رائے اور اس کے ہم خیال دوسرے ہندو رہنماؤں کی کوشش اور عیسائی مبلغین کے تعلیمی اقدامات میں اشتراک عمل نے ہندوؤں میں مغربی تعلیم کے رواج کو بہت مدد پہنچائی اور چند ہی سال کے اندر کلکتہ، بنارس، آگرہ وغیرہ میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج قائم ہو گئے۔ ان کے علاوہ بہت سے اہم شہروں میں مشن اسکولوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس موقع پر ہمارے لئے یہ بحث غیر متعلق ہے کہ مشن اسکولوں اور کالجوں میں طلبا پر عیسائیت مسلط کرنے اور بالآخر ان کو عیسائی بنانے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے جاتے تھے۔ ان کی تفصیل سید احمد خاں کے رسالہ اسباب بغاوت میں پڑھی جا سکتی ہیں[1]۔ لیکن یہاں یہ ذکر ضروری ہے کہ انگریزی تعلیم کے ابتدائی دور میں کالجوں اور اسکولوں میں بڑی تعداد ہندو طلباء کی ہی ہوتی ہے۔ مسلمان خال خال نظر آتے تھے۔

کمپنی کی حکومت نے تعلیمی حالات میں جو پالیسی اختیار کی تھی اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کمپنی درحقیقت تاجروں کا ادارہ تھا اور اس کا مقصد اول تجارتی منافع کا حاصل کرنا تھا۔ یہاں کے حالات نے انگریزی اور یورپ کی دوسری تاجر کمپنیوں کو سیاست میں دخل اندازی کے مواقع بہم پہنچائے۔ انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور بالآخر سیاسی اقتدار کو کم از کم عملاً اپنے مقاصد میں شامل کر لیا۔ واقعات کی رفتار نے تجارت و سیاست کے تناسب کو جلد ہی بدل دیا۔ کرناٹک اور پلاسی کی لڑائیوں کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی تجارتی ادارے کی نہیں بلکہ سیاسی حکمران کی شکل میں نظر آتی ہے۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے اور زیادہ تعجب انگیز بھی نہیں کہ سیاسی اقتدار اور اس کے ساتھ سیاسی ذمہ داریوں کے دائرے کی نہ رکنے والی توسیع کے باوجود کمپنی کے کارکنوں کو تجارتی منافع کی رقم زیادہ سے زیادہ تر کرنے کی فکر لگی رہتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کمپنی کی حکومت ان سب ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوتی تھی جو حکمران کی حیثیت سے اس پر عائد ہوتی تھیں۔ ان اہم ذمہ داریوں میں مقبوضہ علاقوں کے رہنے والوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی تھا۔ اسلامی حکومت کے دور میں اگرچہ تعلیم حکومت

---

[1] اس مسئلہ پر مولوی امداد صابری کی تصنیف فرنگیوں کا جال میں مفید معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔

کی براہ راست ذمہ داری نہ تھی لیکن حکمران اور ان کے ساتھ ساتھ امراء و روساء بڑی قدر و قیمت دیتے تھے مدارس اور درس و تدریس سے تعلق رکھنے والے علماء کی ہمت افزائی اور سرپرستی کرتے تھے۔ اس طرح تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا اور ترقی کرتا جاتا۔ اکثر وہ لوگ جو کسی اور شغل مثلاً فرائض قضات کی انجام دہی وغیرہ کے سلسلہ میں حکومت سے تنخواہ یا وظائف پاتے تھے۔ وہ بغیر کسی معاوضہ کے طلباء کو پڑھاتے تھے۔ اور چونکہ معلموں کو بحیثیت معلموں کے کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی اس لئے طلباء کو بھی تعلیم مفت دی جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی معاشرہ کی یہ ایک نمایاں اور قابل فخر خصوصیت رہی ہے کہ ابتدائی تعلیم سے لیکر انتہائی مدارج تک ساری تعلیم طالب علم کے لئے مفت تھی اور اس طریقہ سے غریب سے غریب طالب علم بہتر سے بہتر تعلیم حاصل کرسکتا تھا۔ کمپنی کی حکومت کے قیام کے بعد تعلیم حکومت کی سرپرستی سے یکسر اور بڑی حد تک امراء کی امداد سے محروم ہو گئی۔ ایک عرصہ تک یعنی جنگ پلاسی کے بعد کم از کم پچاس سال تک کمپنی نے تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ یہ ہی وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہونے لگی تھی اور جس کی ایک دھندلی سی تصویر سر ولیم ہنٹر کی مشہور کتاب "اور انڈین مسلمانز" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بیسویں صدی کے شروع میں لارڈ ولزلی نے کمپنی کی پالیسی کو بدل دیا اور اس کو خالص سیاسی حکمران بنا دیا۔ کمپنی کے ارباب حل و عقد اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ولزلی کو اس کی سزا بھگتنی پڑی اور اس کو گورنر جنرل کے عہدہ سے برخاست کیا گیا لیکن روہیلکھنڈ، اودھ کے بڑے حصہ میسور اور مرہٹوں سے حاصل کئے ہوئے وسیع علاقوں پر کمپنی کی حکومت قائم ہوجانے کے بعد کمپنی کے ڈائرکٹروں کے لئے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی سیاسی حیثیت اور اس سے متعلق ذمہ داریوں کو یکسر نظر انداز کرتے رہیں۔ چنانچہ ۱۸۱۳ء میں جب کمپنی کا نیا چارٹر منظور ہوا تو اس وقت اس طرف عملی قدم اٹھایا گیا۔ کمپنی کے نئے بجٹ میں دس لاکھ روپیہ کی رقم تعلیم کے لئے رکھی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ رقم اپنے مقصد کے لحاظ سے نہایت حقیر تھی لیکن اس کے رکھنے سے پالیسی میں تبدیلی کا اشارہ ملتا ہے۔

انگریزی زبان کا ذریعۂ تعلیم ہونا

باوجودیکہ دس لاکھ کی رقم تعلیم کیلئے بجٹ میں رکھی جاتی تھی لیکن کارکنان حکومت اس کو خرچ کرنے کی طرف توجہ نہ کرتے۔ چنانچہ دس سال تک (۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۳ء) یہ رقم جمع ہوتی رہی اور ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہوا۔ اور جب حکومت نے اس طرف توجہ کی تو جلد ہی یہ سوال سامنے آگیا کہ کس قسم کی تعلیم پر حکومت یہ روپیہ خرچ کرے۔ کیا یہ مناسب ہوگا کہ مشرقی علوم اور السنہ کی تعلیم کو جاری رکھا جائے اور اسی کو ترقی دی جائے یا مغربی تعلیم اور انگریزی زبان کو رائج کیا جائے۔ کمپنی کی پالیسی کی تشکیل میں ہند پاکستانیوں کو تو کسی منزل پر بھی دخل دینے کا حق اور موقع حاصل نہ تھا اور ہر مسئلہ میں انگریزی حاکموں کا فیصلہ ہی ناطق ہوتا تھا۔ لیکن جہاں تک مغربی علوم اور انگریزی زبان کے رائج کرنے کا تعلق تھا انگریز حکام میں اتفاق رائے نہ تھا۔ خود گورنر جنرل کی کونسل کے ممبروں میں دو گروہ تھے۔ جو لوگ مشرقی علوم اور دیسی زبانوں کو ترقی دینے کے حق میں تھے ان کے لیڈر حکومت کے سکریٹری مسٹر پرنسپ تھے اور مخالفین میں سب سے زیادہ گرمجوشی دکھلانے والا ممبر لارڈ میکالے تھا جو کچھ ہی عرصہ قبل یہاں آیا تھا۔ گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنک کے فیصلہ سے پہلے جب یہ مسئلہ میکالے کے سامنے آیا تو اس نے ایک طویل منٹ تحریر کیا جس نے تاریخی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ تو ظاہر تھا کہ میکالے نے انگریزی زبان اور مغربی علوم کی پرجوش الفاظ میں توصیف و تائید کی ہے، مگر جو چیز ہم کو حیرت میں ڈال دیتی ہے وہ میکالے کا تعصب اور علوم مشرقیہ کے معاملہ میں اس کی جاہلیت و ناواقفیت ہے۔ مثلاً آج کون ہے جو لکھے ان الفاظ پر نہ ہنسے گا کہ "یورپ کی کسی بھی اچھی لائبریری کی الماری کا ایک خانہ ہندوستان اور عرب کے تمام علمی و ادبی سرمایہ کے برابر ہے"۔ مشرقی علوم کا مذاق اڑاتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ "کیا ہم وہ تاریخ پڑھائیں گے جس میں تیس فٹ کا قد رکھنے والے بادشاہوں اور تیس ہزار برس تک ایک حکومت کا قائم رہنے کا ذکر ہے"؟۔ ان الفاظ کے مصنف کی بے مائگی اور تنگ نظری اس قدر آشکارا ہیں کہ ان پر کسی قسم کی تنقید کی ضرورت نہیں۔

بہر حال میکالے کا یہ طرز استدلال خود اس کے ہم وطنوں کی نظر میں قابل قبول تھا اور بالآخر حکومت نے یہی فیصلہ کیا کہ مغربی علوم اور انگریزی زبان کی ترقی ہی میں کوشش کی جائے[1] یقیناً یہ ایک تاریخی فیصلہ تھا جس نے برصغیر کے مستقبل پر بہت گہرا اثر ڈالا اور یہاں کی زندگی کے ہر پہلو پر ایک خاص رنگ چڑھا دیا۔ ہم یہاں اس کے دور رس نتائج میں سے صرف ایک کی طرف اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ مغربی علوم اور انگریزی زبان کی ترویج کا ایک نمایاں اثر یہ ہوا کہ مسلمان قوم حکومت کے جاری کردہ مدارس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھا سکی اور ساتھ ہی انگریزی حکمرانوں کی طرف سے ان کے دلوں میں تعصب برابر بڑھتا رہا۔ یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ انگریزی حکومت کے لئے صحیح پالیسی یہ ہوتی کہ اردو کو ذریعہ تعلیم بنا دیتی۔ یہ زبان برصغیر کے ہر علاقے میں سمجھی جاتی تھی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ کوششوں سے اس کی پرورش ہوتی تھی۔

جنگ آزادی میں ناکامیابی اور اس کے اثرات

۱۸۵۷ء کا انقلاب اور آزادی کی پہلی جنگ جس کو سو سال تک "غدر" کہہ کر تاریخ کے طلبا سے چھپانے کی کوشش کی گئی ہماری تاریخ کا ایک اہم ترین باب ہے۔ آج یہ "راز" ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ "غدر" درحقیقت ایک منظم اور ملک گیر تحریک کا نتیجہ تھا اور اس کے بانیوں میں سر فہرست مسلمان صوفیا اور علماء تھے۔ تاریخ کے "نیم ملاؤں" کو چھوڑ دیجئے کہ وہ اس مسئلہ پر جھگڑتے رہیں کہ آیا یہ تحریک ہندوؤں

---

[1] یہ امر دلچسپ ہے کہ میکالے کا مقصد خالص تعلیمی ہی نہ تھا۔ ان تمام دلائل و بیانات کے پیچھے جن کو ایک حلقہ میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا گیا ہے میکالے کی اصلی خواہش اور اولین مقصد اس خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے اسی زمانہ میں اپنی ماں کو لکھا تھا۔ اس خط میں وہ لکھتا ہے کہ "اگر ہماری کوششیں کامیاب ہو گئیں تو تیس سال کے اندر بنگال میں بت پرستی کا نام نہیں رہے گا" یعنی لوگ بکثرت عیسائی مذہب کے پیرو ہو جائیں گے۔

کی تھی یا مسلمانوں کی۔ ہم قارئین کو صرف اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ غدر برپا کرنے کی سزا اگر کلیتہً نہیں تو بہت بڑی حد تک مسلمانوں ہی کو بھگتنا پڑی۔ انقلاب سے پہلے بھی انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیوں کا بہت کچھ سامان موجود تھا اور اب تو عام طور پر انگریز مدبروں کا خیال ہو گیا تھا کہ اگر برصغیر میں کوئی قوم ایسی ہے جس سے ان کو خطرہ ہے تو وہ مسلمان ہیں۔ چنانچہ ہر طریقہ سے ان کی سیاسی اور اقتصادی حیثیت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کی زمینداریاں ضبط کی گئیں۔ ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے اور تجارت و حرفت میں تو پہلے ہی سے وہ بہت کم تھے۔ برخلاف اس کے ہندوؤں کی ہر شعبہ زندگی میں ہمت افزائی کی گئی۔ مسلمانوں کی تباہی سید احمد خان خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور اس کا اثر ان کے دل پر اس قدر زیادہ ہوا کہ ایک موقع پر جلاوطنی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن بعد میں اس ارادہ کو ترک کر کے قوم کو تباہی سے بچانے کی کوشش کرنے کی طرف توجہ کی۔ جب انہوں نے اس مسئلہ پر غور کیا تو خود ان کے قول کے مطابق ان کو خیال ہوا کہ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ تباہی مسلمانوں پر آئی اور اس کا علاج بھی تعلیم ہی ہے۔ اس موقع پر یہ بحث غیر ضروری ہے کہ آیا سید احمد خان کا یہ تجزیہ صحیح تھا یا غلط، مگر اس قدر یقینی ہے کہ قوم تباہی سے دوچار تھی اور فوری علاج ضروری تھا۔ ان کے سامنے ہندوؤں کے اس طریقہ کی مثال موجود تھی جس نے مغربی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ طبقہ جنگ آزادی میں شریک نہیں ہوا بلکہ انگریزوں کے ساتھ رہا۔ اس کا نتیجہ بھی ظاہر تھا۔ اس طبقہ کی اقتصادی حالت دن بدن بہتر ہوتی جا رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت جلد اقتصادی اور سیاسی اقتدار میں انگریزوں کا شریک کار ہو جائے گا اور مسلمانوں کی وہی حیثیت ہو کر رہ جائے گی جو آریائی معاشرہ میں اچھوتوں کی تھی۔

قومی تعلیم کے لئے ابتدائی کوشش

جنگ آزادی کے بعد سید احمد خان کا تبادلہ مراد آباد کو ہو گیا تھا اور جن واقعات کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے وہ یہیں پیش آئے۔ یہیں انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ مسلمان قوم کو جدید طرز کی تعلیم کے لئے تیار کیا جائے۔ ان کے خیال میں اس مقصد کی راہ

میں دو رکاوٹیں تھیں۔ ایک تو مغربی تعلیم سے مسلمانوں کا عمومی تنفر اور دوسری وہ غلط فہمی جو جنگ آزادی کے بعد انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے دونوں مشکلات کو حل کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان جو غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی اور برابر بڑھتی جا رہی تھی اس کا دور کرنا بہت ضروری بھی تھا اور مشکل بھی۔ اس سلسلہ میں ان کے طرز استدلال کا ایک خاص رنگ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ انگریزوں کو یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ "غدر" درحقیقت غدر ہی تھا۔ سب مسلمانوں نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا اور جو اس میں شریک تھے وہ یقیناً مستوجب سزا تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسی مقصد کے لئے رسالہ اسباب بغاوت ہند تالیف کیا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے رسالہ لائل محمڈنز آف انڈیا اور تحقیق لفظ نصاریٰ اسی غرض سے لکھے گئے تھے۔ ان تصنیفات سے یقیناً بہت فائدہ ہوا اور انگریز حکام اور مدبرین کے ایک طبقہ کی رائے پر ان کا بہت اثر ہوا۔ بعض مسلم رہنما، سید احمد خان کے اس طریقہ عمل سے متفق نہ تھے اور مذہبی عقائد کی بنیاد پر اس کی مخالفت کرتے تھے۔ لیکن وہ اپنے خیال میں پختہ تھے اور اس میں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہ سمجھتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سید احمد خان کی کامیابی کا بڑا راز یہی تھا کہ مخالفت کی وہ پروا نہیں کرتے تھے اور جس چیز کو قوم کے حق میں وہ مفید سمجھتے تھے اس پر عمل کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے۔

تعلیمی اصلاح کے سلسلہ میں سید احمد خان نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ جلد ہی وہاں کے تحصیلی مدرسہ میں تبدیل ہو گیا لیکن اس اقدام سے سید احمد خان کے ان خیالات کا پتہ چلتا ہے جن کی بنا پر بعد میں ان کا اصلاحی پروگرام تیار ہوا۔ اسی سلسلہ میں یہ ذکر بھی مناسب ہوگا کہ سید احمد خان نے حکومت کو مشورہ دیا کہ سرکاری مدرسوں میں تعلیم اردو میں نہیں بلکہ انگریزی میں دی جائے۔ سید احمد خان کو اردو سے جس قدر محبت تھی اور اس کی ترویج کے لئے انہوں نے جو کوشش کی وہ ہم سب جانتے ہیں لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ "اردو زبان جس کے وسیلہ سے اکثر جگہ تعلیم جاری ہے اس کی حالت ایسی نہیں جس سے تعلیم ہونا ممکن ہو" اس کے بعد اپنے دلائل پیش کرنے

ہیں اور لکھتے ہیں کہ "میری صاف رائے ہے کہ گورنمنٹ اپنی شرکت دیسی زبان میں تعلیم دینے سے بالکل اٹھا لے اور صرف انگریزی مدرسے اور سکول جاری رکھے"[1]۔ اس رائے سے ہم متفق ہوں یا نہ ہوں مگر اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ سید احمد خان اپنی عمر کی اُس منزل میں بھی جبکہ وہ حکومت کی ملازمت میں تھے اپنی رائے کا بلا خوف و خطر اظہار کر دیتے تھے۔ بالخصوص جب وہ یہ سمجھتے تھے کہ قوم کی اصلاح کے لئے اظہار رائے ضروری ہے[2]۔

سائنٹفک سوسائٹی

۱۸۶۲ء میں سید احمد خان کا مراد آباد سے غازی پور کو تبادلہ ہوا اور دو سال بعد یہیں انہوں نے ایک سوسائٹی تراجم کی بنیاد ڈالی جس نے بعد میں سائنٹفک سوسائٹی آف علیگڈھ کی حیثیت سے برصغیر میں شہرت حاصل کی اور علیگڈھ تحریک کا ایک اہم رکن ثابت ہوئی۔ اس کے قائم کرنے کے لئے انہوں نے "ایک التماس بخدمت ساکنان ہندوستان درباب ترقی تعلیم اہل ہند" شائع کی اور کچھ معزز آورده لوگوں کو اپنے مکان پر جمع کر کے اس کی اہمیت اور ضرورت پر تقریر کی۔ چنانچہ سوسائٹی کی بنیاد رکھی گئی اور کرنل گراہم جو غازی پور میں سپرنٹنڈنٹ پولس اور سید احمد خان کے مخلص دوست بھی تھے اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ان کی کوشش سے ڈیوک آف ارجل نے سوسائٹی کی سرپرستی قبول کی اور یہ پہلا موقع تھا جبکہ ایک انگریز ڈیوک نے ہندوستانیوں کی قائم کئے ہوئے ایک ادارے کے ساتھ اپنے نام کو وابستہ کیا[3]۔ دو سال ختم ہونے سے

---

[1] مولانا حالی نے اس یادداشت کا ایک طویل اقتباس حیات جاوید (حصہ اول۔ ص۱۶۹تا۱۷۱) میں دیا ہے۔

[2]۔ یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ خود حالی نے جو سید احمد خان پر تنقید کرنے میں کافی محتاط ہیں یہ الفاظ لکھے ہیں: "مگر ۲۰ برس کے تجربہ سے ان کو اس قدر ضرور معلوم ہوا ہوگا کہ انگریزی زبان میں بھی ایسی تعلیم ہو سکتی ہے جو دیسی زبان کی تعلیم سے بھی زیادہ نکمی، فضول اور اصلی لیاقت پیدا کرنے سے قاصر ہو"۔ (ص۱۷۱)

[3] گراہم۔ ص۸۲

پہلے ہی سید احمد خان کا تبادلہ علیگڈھ کو ہوا اور وہ اپنے ساتھ سائنٹفک سوسائٹی کا دفتر بھی لے گئے۔ علیگڈھ میں سوسائٹی نے بہت تیزی سے ترقی کی۔ حکومت کے عطا کردہ ایک قطعہ زمین پر اس کی عمارت تیار ہوئی جو سوسائٹی گارڈن کے نام سے مشہور ہے۔ بہت جلد یہ عمارت اس قدر مقبول ہوگئی کہ سماجی اور علمی جلسے اکثر وہیں ہوتے تھے۔

علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۸۶۶ء

سائنٹفک سوسائٹی کی عمارت اور تنظیم کو مکمل کرنے میں کم و بیش دو سال صرف ہوئے اس سے فارغ ہو کر سید احمد خان نے ایک اور اہم قدم اٹھایا یعنی ۱۸۶۶ء میں ایک ہفتہ وار اخبار دی علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے جاری کیا۔ مولانا حالی کے الفاظ میں اس اخبار کا "خاص مقصد گورنمنٹ اور انگریزوں کو ہندوستانیوں کے حالات اور معاملات اور خیالات سے آگاہ کرنا اور ہندوستانیوں کو انگریزی طرز حکومت سے آشنا کرنا اور ان میں پولٹیکل خیالات اور قابلیت اور مذاق پیدا کرنا تھا۔" اس میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ سیاسی، سماجی اور اخلاقی اصلاح کی غرض سے بھی مضامین شایع کئے جاتے تھے۔ یہ اخبار دو زبانوں میں یعنی انگریزی اور اردو میں ساتھ ساتھ شایع ہوتا تھا۔ انگریز حکام اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت جلد مقبول ہو گیا اور مولانا حالی کے اس بیان میں زیادہ مبالغہ نہیں کہ "کم سے کم شمالی ہندوستان میں عام خیالات کی تبدیلی اور معلومات کی ترقی اسی پرچہ کے اجراء سے شروع ہوئی ہے۔" رفتہ رفتہ گزٹ نے اس قدر عزت اور مقبولیت حاصل کرلی کہ وہ برصغیر کے اہم ترین اخباروں میں شمار کیا جانے لگا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عام طور پر انگریز حکام کے دلوں میں غدر کے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی، گزٹ کے مضامین انتہائی جرأت مند معلوم ہوتے ہیں۔ انگریزی حکومت کی وفاداری اور اطاعت اس اخبار کے نصب العین کا ایک حصہ نہیں لیکن انفرادی اور اصولی طور پر جب کبھی سید احمد خان ضروری سمجھتے انگریزوں کی حرکات اور حکومت کی پالیسی پر کڑی تنقید کرتے۔ سید احمد خان کو اس کا بیحد خیال رہتا کہ ان کا اخبار متانت اور صدق کے لحاظ سے بلند مقام حاصل کرے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ یہ بھی سید احمد خان کا معمولی کارنامہ نہیں کہ ۳۲ سال کی

طویل مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شدید مالی مشکلات کے باوجود اخبار وقت پر نہ نکلا ہو۔ مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانان ہند پاکستان کی سیاسی، ثقافتی اور سماجی زندگی میں جہاں تک دور جدید کا تعلق ہے اس نے بہت مفید اور اہم رول ادا کیا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کو من حیث القوم بیدار کرنے میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ کا کارنامہ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

تعلیمی و سماجی اصلاح ایک تحریک کی شکل میں

سر سید احمد خان کا انگلستان کا سفر جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے ان کی حیات اور ہماری تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ وہ گذشتہ دس بارہ سال میں اپنے خیالات کو کسی حد تک پختہ کر چکے تھے اور ان کو یقین کامل ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی نجات مغربی تعلیم حاصل کرنے اور جدید تہذیب کے اچھے پہلوؤں کو اپنانے ہی میں ہے۔ ان کو اس کا بھی یقین تھا کہ اسلام جو دین فطرت ہے جدید تعلیم اور تہذیب کے بنیادی اصولوں کے راستہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرے گا۔ ان کو اس کا بھی اندازہ تھا کہ یہ کام بہت بڑا اور پیچیدہ کام ہے۔ ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو چند اقدامات اس وقت تک کئے گئے تھے وہ اہم اور مفید ضرور تھے لیکن ایک پوری قوم کو ایک دنیا سے نکال کر دوسری دنیا میں باعزت مقام پر بٹھلا دینا بغیر ایک زبردست تحریک کے ممکن نہ تھا۔ شاید اس کا مکمل احساس سید احمد خاں کو اس وقت ہوا جب انہوں نے انگلستان میں جاکر اس تفاوت کا اندازہ کیا جو تہذیب و تمدن کے لحاظ سے انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان تھا۔ وہ خود اس معاشرہ کے فرد تھے جس کی مثال ایک ایسے شاندار محل سے دی جاسکتی ہے جو کسی زمانہ میں دنیا کی اعلیٰ ترین تعمیرات میں شمار کیا جاتا تھا لیکن اب ایک خستہ اور بوسیدہ عمارت کی حیثیت رکھتا ہو اور نئے تعمیر شدہ محلات کے مقابلہ میں کھنڈر معلوم ہوتا ہو۔ ایک حساس طبیعت پر اپنی قوم کے اس زوال کا گہرا اثر ہوا جس کا اظہار ان کے بعض خطوط میں کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی قوم کی تباہی اور مسلمانوں کی اس حالت کی طرف سے بے توجہی کا ذکر بعض اوقات انہوں نے ایسے الفاظ میں کیا جو ان کے ہم قوم پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح مغربی تہذیب و تمدن کی تعریف جن تحسین آمیز

الفاظ میں انہوں نے کی ہے اس سے بعض مغربی مصنفین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یورپ کی روشنی نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا[1]۔ یہ ان حضرات کی تنگ نظری ہے۔ سید احمد خان کی آنکھیں یورپ کی تہذیب سے خیرہ نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان کا دل دکھ رہا تھا کہ وہ قوم جو کبھی بنی نوع انسان کو تہذیب کا سبق دیتی تھی آج قعر مذلت میں پڑی ہوئی ہے اور وہاں سے نکلنے کی کوشش بھی نہیں کرتی۔ وہ اپنے ان جذبات اور متعلقہ واقعات کو سفر نامہ کی شکل میں مفصل طور پر لکھنا چاہتے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ اس سے قوم کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا خطرہ ہے انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔

بہر حال اب ان کا یہ یقین کہ مغربی تعلیم کے ذریعہ ہی قوم کی حالت سنبھل سکتی ہے ایمان کے درجہ تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے انگریزی تعلیم کے طریقوں اور وہاں کے تعلیمی اداروں کی تنظیم کا بغور مطالعہ کیا۔ اس سلسلہ میں ان کا کیمبرج یونیورسٹی کا مطالعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کے بعد ہی انہوں نے انگریزی میں ایک پمفلٹ تیار کر کے شایع کیا جس میں دیسی طریقہ تعلیم کے نقائص اور ان کے دور کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے اپنے بیٹے سید محمود اور بعض احباب کے مشورہ کے بعد یہ طے کیا کہ ایک بڑا کالج قائم کیا جائے اور مسلمانوں کے دلوں میں مغربی تعلیم کے خلاف جو تعصبات موجود ہیں ان کو ختم کیا جائے[2]۔ چنانچہ انگلستان سے واپسی پر انہوں نے اپنے اس منصوبہ کو عملی شکل دینے کی کوشش شروع کر دی۔

تہذیب الاخلاق کا اجراء

سید احمد خان نے انگلستان ہی میں ارادہ کر لیا تھا کہ واپسی پر وہ ایک ایسا رسالہ جاری کریں گے جو مسلمانوں کی سماجی اور تعلیمی اصلاح میں مدد دے سکے۔ اسی بنا پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کو یہ

---

[1] دیکھو ڈبلیو سی، اسمتھ کی ماڈرن اسلام ان انڈیا اینڈ پاکستان (دوسرا ایڈیشن لاہور ۱۹۴۶ء) ص ۹

[2] تفصیل کے لئے دیکھو افتخار عالم۔ ص ۹

خیال انگریزی رسالے اسپکٹیٹر اور ٹیٹلر کو دیکھ کر ہی ہوا تھا۔ بہر حال انہوں نے ان رسالوں کے مقابلہ میں اپنے رسالہ کے مقاصد وسیع تر رکھے۔ مذہبی و دینی اصلاح بھی ان کے پیش نظر تھی۔ بہر حال ہندوستان واپس آنے کے بعد بہت جلد انہوں نے ایک کمیٹی قائم کی جس کے ہر ممبر کو اس کے اخراجات کے لئے ایک مقررہ رقم دینی پڑتی تھی۔ یکم شوال ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو رسالہ کا پہلا شمارہ شایع ہوا۔ اس رسالہ کے مقاصد مولانا حالی کے الفاظ میں یہ تھے۔

"اس پرچہ کی تمام تر کوشش اس بات میں تھی کہ جو خیالات مسلمانوں کی ترقی اور تمدن کے مذہبی مانع سمجھے جاتے ہیں اور درحقیقت مذہب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے ان کو جہاں تک ہوسکے رفع کیا جائے اور اسلام پر جو عیسائیوں کا یہ اعتراض ہے کہ وہ ترقی و تمدن کا دشمن ہے، اس غلطی کا اصل منشار ظاہر کیا جائے۔ اس کے سوا یورپ کی سویلیزیشن کے اصول و فروع سے اور ان اسباب سے جو یورپ کی ترقی کا باعث ہوئے ہیں قوم کو آگاہ کیا جائے۔ بیہودہ اور مضر رسموں سے ان کو نفرت دلائی جائے۔ اخلاق و عادات میں جو بہ سبب قومی تنزل کے خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ بیان کی جائیں۔ علوم قدیمہ کی عظمت جو لوگوں کے دلوں میں حد سے زیادہ بیٹھی ہوئی ہے جہاں تک اس میں غلطی ہو اس کو ظاہر کیا جائے۔ علوم جدیدہ جن سے نفرت کی جاتی ہے ان کی اصلی اور واقعی خوبیاں اور جو بدیہی نتائج دنیا میں ان سے پیدا ہوئے ہیں جتائے جائیں، اور بجائے نفرت کے ان کی طرف رغبت دلائی جائے۔ اسلام مخالفوں نے جو باتیں تاریخی اور علمی تحقیقات کے خلاف بیان کی ہیں ان کو تاریخ اور علم کے ساتھ منطبق کیا جائے یا اسلام کا دامن ان سے پاک ثابت کیا جائے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے اکابر و اسلاف کی عظمت کا خیال پیدا کیا جائے۔ ان کی قدیم علمی اور عملی ترقیاں ان کو یاد دلائی جائیں اور اس طرح قوم کے مردہ دلوں کو از سر نو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے

لہ۔ اسمٰعیل۔ ص ۱۰۹

ان تمام اغراض و مقاصد کے پورا کرنے کے لئے سر سید اور ان کے دوستوں نے صرف اپنی رائے اور اجتہاد ہی سے کام نہیں لیا بلکہ جو کچھ مذہب کے متعلق لکھا وہ زیادہ تر قوم کے محققین کی تصنیفات سے استناد کر کے لکھا اور اخلاق و معاشرت ترقی اور تمدن کے متعلق یورپ کے مصنفین کے خیالات بھی جہاں تک ہو سکا اپنی زبان میں بیان کئے ہیں۔[1]

ان مقاصد پر غور کرنے سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ تعلیمی و سماجی حالات کے علاوہ دین میں سید احمد خاں انقلابی اصلاحات کرنا چاہتے تھے۔ مخالفت تو دنیا میں ہر نئی اصلاح کی ہوتی ہے اور سید احمد خان بھی اس بات کو خوب سمجھتے تھے۔ لیکن دینی اجتہاد کی کوشش نے ان کی مخالفت کو وسیع اور مضبوط کر دیا۔

علیگڑھ کالج کا قیام

علیگڑھ تحریک کا رکن اعظم کالج تھا۔ وہ گویا ایک تجربہ گاہ تھا اور اسی کی کامیابی پر سید احمد خان کی تحریک کی کامیابی منحصر تھی۔ اس لئے ہم کو اس پر حیرت نہ ہونی چاہیئے کہ انہوں نے کالج کو کامیاب بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور بڑی سے بڑی قربانی بھی اس کے لئے دینے کو تیار تھے۔ اس سلسلہ کی ابتدار سید احمد خان نے ایک کمیٹی کے قیام سے کی جس کا نام کمیٹی خواستگاران تعلیم مسلمانان تھا۔ اس کمیٹی نے ایک سوالنامہ شایع کیا جس کے جواب میں مستقل مقالے موصول ہوئے۔ تیس مقالوں میں مہدی علی خاں (محسن الملک) کا سب سے بہتر تھا۔ ان میں خاص طور پر یہ بحث کی گئی تھی کہ مسلمانوں کے نئی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہونے کے کیا اسباب ہیں۔ ان کی بنا پر سید احمد خان نے ایک رپورٹ تیار کی جس میں بہت سے اہم مسائل پر روشنی ڈالی ہے خاص طور پر سرکاری نظام تعلیم کے نقائص کو ظاہر کیا اور بتلایا کہ وہ کن کن وجوہات کے باعث مسلمانوں کے لئے مفید نہیں ہو سکتے۔ ان میں منجملہ اور وجوہات کے ایک یہ بھی تھی کہ سرکاری کالجوں میں ایسی کتابیں پڑھائی جا سکتی تھیں جو اسلام کے خلاف تھیں۔ بہرحال اپنے مضبوط دلائل سے انہوں نے بعض احباب کو اپنی اس رائے

---

[1] حیات جاوید۔ حصہ اول۔ صفحہ ۱۲۴-۱۲۵

سے متفق کرلیا کہ مسلمانوں کے لئے ایک اپنے کالج کی ضرورت ہے اور بالآخر کمیٹی مذکورہ بالا (جس کو صدر کمیٹی کہا جائے گا) ۱۵ اپریل ۱۸۷۲ء کو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ کمیٹی میں تبدیل ہو گئی[1]۔ صدر کمیٹی نے چند ذیلی کمیٹیوں کی تشکیل کی ان میں علیگڈھ کی کمیٹی نے جس کے صدر مولوی سمیع اللہ خان تھے بہت مستعدی سے کام کیا۔ ۱۸۷۳ء کو صدر کمیٹی نے یہی طے کیا کہ مجوزہ کالج کی بنیاد علیگڈھ میں رکھی جائے۔ چنانچہ سید احمد خان نے حکومت سے اس وسیع قطعہ زمین کے لئے درخواست کی جو علیگڈھ کے قلعہ اور شہر کے درمیان قدیم چھاؤنی میں خالی پڑا تھا۔ مقامی حکام نے مخالفت کی مگر آخر میں سید احمد خان کو کامیابی ہوئی اور زمین مل گئی۔ سید احمد خان کی رائے تھی کہ جب تک چندہ کی معقول رقم جمع نہ ہو جائے ادارہ کے قیام کو ملتوی رکھا جائے لیکن مولوی سمیع اللہ خان کا اصرار تھا کہ مختصر پیمانہ ہی پر ابتدا ہو جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کمیٹی کن اصولوں پر کام کرنا چاہتی ہے چنانچہ یہی فیصلہ کیا گیا اور مولوی سمیع اللہ خاں کو ضروری ہدایت دیدی گئیں کہ وہ افتتاحیہ تقریب کا انتظام کریں۔

۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو مولوی محمد کریم ڈپٹی کلکٹر کی صدارت میں افتتاحیہ تقریب منائی گئی اور چند پھونس کے بنگلوں میں جو اسی غرض سے خریدے گئے تھے اس تاریخی اسکول کی بنیاد رکھی گئی۔ جلسہ میں کئی نظمیں پڑھی گئیں اور کئی تاریخیں کہی گئیں۔ مولوی صفدر حسین کی کہی ہوئی تاریخ دلچسپ ہے!

ظاہر میں عیسوی ہو باطن میں ہو وہ ہجری ۔۔۔ اے سامعین سنئے للہ دل لگا کر
تھی مجھ کو اک دن فکر تاریخ مدرسہ کی ۔۔۔ بولا یہ ملہم غیب اٹھارہ سے پچھتر[2]

مدرسہ کے معاونین میں افراد کے علاوہ حیدر آباد، رامپور اور پٹیالہ کی ریاستیں خاص طور

---

[1] - گرہم ۔ ص ۲۴۹

[2] - اٹھارہ سے پچھتر تو سنہ عیسوی تھا ہی لیکن اگر اس کے اعداد نکالے جاتیں تو ۱۲۹۲ آتے ہیں جو سنہ ہجری کا سال تھا۔

پر قابلِ ذکر ہیں چند ہی ماہ میں ساٹھ ستر طالب علم داخل ہو گئے اور اسٹاف کا بھی تقرر کر لیا گیا۔ پہلا ہیڈ ماسٹر ایک انگریز مسٹر سڈلنس تھا۔ ایک سال بعد ہی یعنی ۱۸۷۶ء میں یہ طے کیا گیا کہ اسکول کو کالج کر دیا جائے۔ چنانچہ ۸ر جنوری کو وائسرائے لارڈ لٹن خود علیگڈھ آئے اور کالج کا سنگِ بنیاد رکھا۔ لٹن کو جو سپاسنامہ کالج کمیٹی کی طرف سے پیش کیا گیا وہ ہماری تعلیمی تاریخ کی ایک نہایت اہم دستاویز ہے۔ یہاں اس پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی جاسکتی لیکن اس کی چند خصوصیات اس قدر نمایاں ہیں کہ ان کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ سپاسنامہ میں ظاہر ہے کہ حکومت کی تعلیمی پالیسی کے متعلق چند مداحیہ الفاظ ضروری تھے۔ ان کے بعد اس خیال کو پیش کیا گیا کہ مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ برصغیر کی دوسری اقوام سے قدرے مختلف ہے۔ اس لئے ان کی تعلیمی ضروریات بھی مختلف ہیں اور ان میں بعض ایسی ہیں کہ سرکاری نظم تعلیم میں وہ پوری نہیں کی جاسکتیں۔ سب سے اہم ضرورت مذہبی تعلیم کی ہے اور حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کا قابل اطمینان کوئی انتظام کر سکے۔ مسلمانوں کا مذہب صرف مذہبی عقائد یا مذہبی رسوم تک محدود نہیں بلکہ ان کے لئے وہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ لہٰذا مذہبی تعلیم ان کی تعلیم کا لازمی اور اہم جزو ہے اور ہونا چاہیئے۔ لارڈ لٹن نے اپنے جواب میں مسلمانوں کے علمی اور ادبی کارناموں کو سراہا اور امید ظاہر کی کہ اب ہندوستان کا مسلمان دوبارہ سائنس اور ادب کی طرف متوجہ ہوگا۔ یہ شاندار تقریب اور بالخصوص سپاسنامہ اور اس کا جواب تاریخی نقطہ نظر سے بہت اہم ہیں۔ جنگ آزادی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کو اپنی قومی تعلیم کی بنیادوں کو متعین اور ان کا اعلان کرنا پڑا۔ اس میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا وہ دینی تعلیم اور اسلامی تعلیمات کو زندہ اور قائم رکھنا تھا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مغربی تعلیم کے لئے درسگاہ بنائی جارہی تھی لیکن اس کے بانی درسگاہ کو دوسری درسگاہوں سے مختلف رنگ دینا چاہتے تھے یعنی دنیوی امور میں بھی مسلمان تعلیمیافتہ نوجوان کو اپنے مذہب ہی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے یہی وہ خصوصیت ہے جو علیگڈھ کالج کو دوسری درسگاہوں سے متمیز کرتی ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ

لے۔ تذکرہ سرسید از مولوی محمد امین زبیری۔ ص ۵۷

جنگ آزادی کے بعد یہ پہلا بڑا جلسہ تھا اور اس میں خود اعلیٰ حکمران برصغیر بھی موجود تھا اور اس موقع پر مسلمانوں کے رہنماؤں نے یہ اعلان صاف الفاظ میں نہیں تو معنیاً کر دیا کہ وہ ایک علیحدہ قوم ہیں جو اپنی زندگی کے جملہ امور میں دین کی رہنمائی چاہتے ہیں۔ اس لئے اگرچہ قدیم طرز تعلیم کو وہ خیرباد کہنا چاہتے ہیں لیکن ان کا صحیح رہنما ان کا دین ہی ہوگا۔

سید احمد خان کا تصور تعلیم

اس سپاسنامہ کے علاوہ مختلف مضامین اور تقاریر کے ذریعہ سید احمد خان نے اس نکتہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ایک تقریر میں انہوں نے بہت واضح الفاظ میں کہا: "سب سے اول ہمارا مقصد ہے کہ مسلمانوں میں نیشنلٹی یعنی قومیت اور قومی اتحاد اور قومی ہمدردی جو اول سیڑھی قومی ترقی کی ہے قائم رہے۔ اس کے لئے ہم کو کیا کرنا ہے۔ سب سے مقدم یہ کرنا ہے کہ وہ مسلمان رہیں اور مذہب اسلام کی حقیقت ان کے دل میں قائم رہے اس لئے ضروری ہے کہ ہم انگریزی تعلیم کے ساتھ ان کو مذہبی تعلیم بھی دیں اور عقائد مذہبی ان کو سکھا دیں اور جہاں تک ممکن ہو ان کو فرائض مذہبی کا پابند رکھیں"[1] اسی تقریر میں ایک اور اہم مسئلہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ .....

(سے) ..... ان کو آگاہ کریں۔ اس کے بعد ان کو اخوت اسلامی کا سبق دیں اور بتلا دیں کہ اخوت اسلامی کیا چیز ہے جو نسبی اخوت سے بھی زیادہ مستحکم ہے۔ اس اخوت میں کیا خوبی اور عمدگی اور تمام اخوتوں پر تفوق تھا جس کے سبب خدا نے اپنا احسان ہم پر جتایا اور فرمایا وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ۔ پھر ہم کو اپنی قومیت قائم رکھنے کے لئے عربی زبان کی بھی جو ہمارے بزرگوں اور ہمارے پاک مذہب کی زبان ہے جس قدر ہو سکے تعلیم دینا ہے۔ کم از کم یہ کہ فارسی زبان ہی سکھا دیں تاکہ قومیت کا اثر ان میں پایا جائے"[2] ان قدرے طویل اقتباسات کو یہاں صرف اسی غرض سے نقل کیا گیا ہے کہ سید احمد خان

---

[1] - تذکرہ سرسید احمد از مولوی محمد امین زبیری - ص۴۷

[2] - ایضاً ص۵۵

کے تعلیمی تصورات کی نمایاں خصوصیات ظاہر ہو جائیں۔ بدقسمتی سے بعض مصنفین نے سید احمد خان کے تعلیمی پروگرام کے ایک خاص پہلو پر زور دے کر اس کی غلط نہیں تو مسخ شدہ تصویر پیش کی ہے اور وہی متداول ہو گئی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ مغربی تعلیم جو قوم کے لئے ضروری ہے اور جس کے لئے وہ اس قدر جانفشانی کر رہے تھے اپنے ساتھ نئے سیاسی اور سماجی تصورات بھی لائے گی ان میں قومیت کا تصور سب سے زیادہ نمایاں تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ مغرب نے مذہب کو قومیت کے تصور میں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر تھا کہ مشرق میں مذہب کے ساتھ وہ سلوک ممکن نہ ہو سکے گا جو عیسائیت کی دنیا میں ہوا تھا۔ جہاں تک مسلمان قومیت کا تعلق ہے اس کا تو انحصار ہی مذہب پر ہو سکتا ہے۔ ایک ہزار سال تک برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی لیکن اس طویل مدت میں دونوں قوموں یعنی ہندو اور مسلمانوں نے اپنی جداگانہ قومی حیثیت قائم رکھی۔ اسی تاریخی دور نے یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ دونوں قومیں ایک ہی حکومت اور ایک ہی ریاست میں خوش حالی امن اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ شاید وہ اس سے بھی ناواقف نہ تھے کہ انگریزی حکومت ہندو مسلم اختلافات کو وسیع سے وسیع تر کرتی رہے گی اور اپنی پالیسی کو اسی بنیاد پر قائم کرے گی۔ ان حالات کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید احمد خان نے اپنی ژرف نگاہی سے مستقبل کی تاریخ کو دیکھ لیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ مغربی تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک قوم بنا دیں۔[1]

کالج راہ ترقی پر

سید احمد خان جس قوم کی تعلیم کے ذریعہ سے اصلاح کرنا چاہتے تھے وہ انحطاط کی اس منزل پر پہنچ چکی تھی جہاں خود اپنے مفاد کو سمجھنے سے قاصر تھی — یہی سبب تھا کہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے ان کی مخالفت کی۔ یہ کہنا حقائق نگاری کے خلاف ہوگا کہ سید احمد خان کی مخالفت کی ساری ذمہ داری دوسرے

---

[1] علیگڑھ نے دو قومی نظریہ کو جس طرح اپنایا اور پاکستان کی تخلیق میں جو نمایاں رول ادا کیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ سید احمد خان ایک مخصوص طرز کا کالج قائم کرنے اور اس کو ہندوستان گیر حیثیت دینے میں قطعی حق بجانب تھے۔

رہنمائی پرہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنی سماجی اصلاح کی کوشش اور اپنے تعلیمی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے حکومت سے قریب تر آنے کی خاطر انہوں نے بعض مذہبی مسائل کو بھی چھیڑ دیا۔ یہاں کی تحریک کا سب سے کمزور پہلو تھا۔ کیوں کہ بہر حال مسلمان ان کے مذہبی خیالات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ علماء اور دیگر مذہبی طبقوں کو قدرتاً یہ بدگمانی پیدا ہوئی کہ شاید کالج میں طلباء سید احمد خان کے مذہبی خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ مخالفت کرنے والوں میں اکثر ایسے بھی حضرات تھے جو صحیح حالات سے ناواقف تھے اور سنی سنائی باتوں کی بناء پر مخالفت کرتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ ان کو ایک لفافہ ملا۔ اس میں ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس پر یہ شعر لکھا تھا۔

گر زند بر دل و جان گاہ خورد بر ایمان   مار زلف تو ندانم چہ در سر دارد

چونکہ خط گمنام تھا اس لئے سید احمد خان نے اس شعر کو مع اپنے جواب کے چھاپ دیا۔ جواب یہ تھا:-

نہ نہد گوش بہ افسانہ من ہیچ گہے   یار ما ہیچ ندانم چہ در سر دارد

بہر حال مخالفت کا اثر کالج پر پڑا اور شروع کے دس سال میں مسلمان طلباء کی تعداد صرف ۲۹ تک پہنچی۔ لیکن جلد ہی لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ ان کی بدگمانیاں بے بنیاد تھیں۔ چنانچہ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا کالج مقبولیت حاصل کرتا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں یعنی سید احمد خان کی وفات کے ایک سال بعد کالج میں ۱۵۷ اور اسکول میں ۲۱۷ طالب علم تھے۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی آبادی کا خیال کرتے ہوئے یہ تعداد بھی بہت کم تھی لیکن اس زمانہ میں مسلمانوں کی اقتصادی اور تعلیمی حالت کے پیش نظر یہ اعداد نہایت حوصلہ افزا تھے۔

کالج کی چند خصوصیات

علاوہ ازیں کسی تعلیمی ادارہ کی کامیابی اور افادیت صرف طلباء کی تعداد سے ہی نہیں جانچی جاسکتی۔ تعلیم کا معیار اس سلسلہ میں خاص طور پر قابل غور ہوتا ہے۔ علیگڈھ کالج میں تو اور بھی ایسی خصوصیات تھیں جنہوں نے جلد ہی اس کو مسلمانوں کی علمی، سیاسی اور سماجی اصلاح کا مرکز بنا دیا یہ تو ظاہر ہے کہ نصاب اور معیار کے معاملہ میں علیگڈھ کو دوسرے کالجوں کا ہمدوش رہنا ضروری تھا اس لئے کہ پہلے اس کا الحاق کلکتہ اور بعد میں الہ آباد یونیورسٹی سے

رہا۔ لیکن اس کے منتظمین نے اس کی زندگی میں چند نمایاں خصوصیات پیدا کرنے کی کوشش شروع ہی سے کی تھی اور بڑی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے دینی تعلیم قابل ذکر ہے۔ بورڈ آف ٹرسٹیز نے سنی اور شیعہ تعلیم کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں تشکیل کیں اور نصاب اور دیگر جملہ امور کا کلی اختیار ان ہی کو دے دیا۔ دینی تعلیم صرف تدریسی حد تک محدود نہ تھی۔ تمام ان طلباء کے لئے جو کالج کے اقامت خانوں (ہوسٹلوں) میں رہتے تھے یہ لازمی تھا کہ اسلامی فرائض و شعائر کی پابندی کریں۔ کالج کی سب سے زیادہ شاندار عمارت مسجد ہے جو دہلی کی شاہجہانی مسجد کے نمونہ پر تیار کی گئی ہے۔ اس میں باقاعدہ نماز باجماعت ہوتی ہے اور ایک وقت تو نماز میں کلاس کی طرح حاضری لگائی جاتی تھی۔ رمضان المبارک میں تمام طلباء کو روزہ رکھنا پڑتا تھا۔ یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہوگا کہ تعلیمی اور تربیتی نقطہ نظر سے علیگڑھ کالج کی سب سے نمایاں خصوصیت اقامتی انتظام تھا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ تھا کہ طلباء اپنے اساتذہ سے بہت قریب رہتے تھے اور ہر وقت ان کی رہنمائی سے مستفید ہو سکتے تھے۔ ہوسٹلوں میں ڈسپلن کا بہت خیال رکھا جاتا تھا جس سے زندگی میں

لے سنہ ۱۹۲۰ء میں علیگڈھ کالج بالآخر علیگڈھ یونیورسٹی بن گیا۔

لے۔ کالج کی مجلس منتظمہ بورڈ آف ٹرسٹیز کہلاتی تھی۔ اس میں کلیدی عہدہ سکریٹری کا تھا جس پر سید احمد خان کا تاحیات تقرر ہو گیا تھا۔

لے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سنی کمیٹی نے مولوی محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب (دیوبند) سے بھی کمیٹی کی رکنیت قبول کرنے کی درخواست کی لیکن انہوں نے شیعی مذہبی تعلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں معذرت پیش کی: "ہم لوگوں کے دلوں میں یہ امر بہت خلجان پیدا کرتا ہے کہ ایسے مجمع میں جس میں ایک شعبہ تائید ایسے لوگوں کا ہے جن کا فرض مذہبی ہمارے بزرگوں کو برا کہنا ہے تو ایسے مجمع کے مؤسس میں شامل ہو کر خدا اور رسول کو کیا منہ دکھلائیں گے۔ وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ بالجملہ اب ہم خاک نشینوں کو اپنے گوشۂ عنایت و توجہ سے مستثنیٰ و محو فرمائیں کہ پھر کبھی بھولے سے بھی یاد نہ آئیں" بحوالہ تذکرہ سرسید۔ ص ۱۷

ایک ترتیب اور نظم پیدا ہو جاتا تھا۔ ہوسٹلوں میں برصغیر کے مختلف حصوں سے طلبار آتے اور ایک جگہ اور ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی عادات اور خصائل میں عظیم انقلاب رونما ہو جاتا تھا۔ یہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اپنی مخصوص رسوم اور رہنے سہنے کے طریقے ہیں۔ زبانوں کا اختلاف بھی مسلم ہے۔ علیگڈھ کی رہائش سے ایک خاص رنگ پیدا ہو جاتا تھا[1] سرسید کی نظر میں تو علیگڈھ کی اقامتی زندگی مسلمانوں کی وحدت قومی کی تشکیل کا ایک خاص عنصر تھا۔ طلبار کو خطاب کرتے ہوئے اور آپس میں محبت اور خوش اخلاقی کے ساتھ رہنے کی اہمیت پر زور دے کر ایک موقعہ پر سید احمد خان نے کہا "بورڈنگ ہاؤس ایک کل ہے قوم کو قوم بنانے کی۔ اگر اس کے پرزے درستی سے چلیں گے تو اپنا کام کرے گی ورنہ کسی کام کی نہیں تم اس کل کے پرزے ہو اور اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہو، تمہارا درست اور کام کے قابل رہنا سب سے زیادہ مقدم ہے، تمہارا کھانا پینا، رہنا سہنا، آپس میں ہر وقت سب سے ملنا، سوسائٹی میں شریک ہونا، کھیلنا تو آپس میں مل کر کھیلنا، لٹریری جلسوں میں شریک رہنا، یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ آپس میں محبت اور دوستی، ایک دوسرے کی ہمدردی پیدا ہو تو بنیاد قوم کی قوم بننے کی ہے۔ پھر اگر تم نے اس میں قصور کیا تو تمام قوم کا مظلمہ تمہارے سر ہوگا اور تم پر افسوس ہوگا کہ جس عمارت کی تم خود ایک اینٹ ہو اسی عمارت کو تم برباد کرنا چاہتے ہو۔"[2]

آج بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ سید احمد خان اپنے کالج کے طلبار کی اقامتی زندگی سے جو امیدیں باندھ رہے تھے وہ مستقبل نے پوری کر دکھائیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری میں جس کا سب سے اہم پہلو دو قومی نظریہ رہا ہے۔ علیگڈھ کے

---

[1] اکثر ان حضرات نے جو کالج میں بحیثیت مہمان آئے وہاں کے طلبار کی زندگی اور برتاؤ اور اخلاق سے متاثر ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

[2] بحوالہ تذکرہ سرسید۔ ص۸۰

طلبا اور اساتذہ نے نہایت اہم رول ادا کیا ہے۔ ایک صوبہ کے مسلمانوں کو دوسرے صوبہ کے مسلمانوں سے قریب تر لانے اور خیالات اور فکر میں وحدت پیدا کرنے میں علیگڈھ کی اقامتی زندگی کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

سر سید اور ان کے رفقار کار کی خواہش تھی کہ علیگڈھ کالج ایک تحریک کا مرکز بنے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علیگڈھ کی افادیت کے پیش نظر برصغیر کے مختلف صوبوں میں صوبائی رہنماؤں نے اسکول اور کالج قائم کرنا شروع کئے اور یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا بلکہ آج تک جاری ہے۔ ان تمام اداروں کو ایک ہی مشین کے پرزے کہا جا سکتا ہے کیوں کہ ان میں علیگڈھ ہی کے طرز پر تعلیم و تربیت دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اٹاوہ کا اسلامیہ کالج۔ لاہور میں انجمن حمایت الاسلام کے تعلیمی ادارے۔ پشاور کا اسلامیہ کالج، سندھ کا مدرسہ اور کالج۔ بمبئی، مدراس اور کلکتہ کے مسلم کالج مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اگر ان کے وجود میں آنے اور ترقی کرنے کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو علیگڈھ سے بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق مل سکے گا۔[۱]

نئی تہذیب کا اثر یہ ظاہر تھا کہ ہندپاکستان میں مغربی تعلیم کے اثرات صرف تعلیمی دنیا ہی تک محدود نہیں رہ سکتے تھے۔ اس کا اثر سماجی زندگی پر ناگزیر تھا۔ علیگڈھ تحریک کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں میں انگریزوں کی طرف سے جو تنفر پیدا ہو گیا تھا اس کو دور کیا جائے اور مغربی تہذیب کے جن شعائر کو صرف تعصب کی بنا پر برا سمجھا جاتا تھا ان کو اختیار کیا جائے یا کم از کم ان کو معیوب نہ سمجھا جائے۔ مثلاً لباس میں رد و بدل اور کھانے کے طریقوں میں مغربی طرز کو اختیار کرنا۔ سید احمد خان جانتے تھے کہ بنیادی طور پر اسلام اس قسم کی اصلاحوں میں سد راہ نہیں ہو سکتا لیکن قدیم تہذیب کے دلدادہ ہر تبدیلی کے خلاف تھے۔ بہر حال سید احمد خان نے ایسی تبدیلیوں اور اصلاحوں کی جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ تھیں حوصلہ افزائی کی۔ اور یہ کہنا غلط نہ

لہ۔ علیگڈھ تحریک کا ایک رکن اعظم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام تھا۔ اس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔

ہو گا کہ جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ علیگڑھ تحریک کی بدولت مسلمانوں نے نئے طریقوں یا نئی تہذیب کے بہت سے اصولوں کو اختیار کرنا شروع کیا یا بہ الفاظ دیگر ترقی کے نئے راستوں پر چلنے لگے۔ آج ہمارے لئے ان اصلاحات کی اہمیت کا اندازہ لگانا آسان نہیں لیکن اگر ہم انیسویں صدی کے نصف آخر کے حالات پر نظر ڈالیں اور ان تمام رکاوٹوں پر غور کریں جو سماجی ترقی کے راستے میں قدم قدم پر مشکلات پیدا کر رہی تھیں تو علیگڑھ کے اس کارنامے کا اندازہ لگا سکیں گے۔ ہر قوم کی تاریخ میں قرون وسطیٰ کی زندگی سے دور جدید میں داخلہ ایک اہم باب تصور کیا گیا ہے۔ مسلمانان برصغیر کی تاریخ میں یہ باب کلیتہً نہیں تو بہت بڑی حد تک علیگڑھ سے متعلق ہے۔

باب چہارم

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام۔ سیاسی حالات

علیگڈھ تحریک کا دائرہ اگر صرف کالج کے قیام اور سماجی زندگی میں تبدیلیوں تک محدود رہتا تو اس کا اصلاحی کارنامہ قوم کی تعمیر کو تکمیل کا راستہ نہیں دکھلا سکتا تھا۔ جنگ آزادی کے بعد یا یوں کہیئے کہ جدید دور کی قومی زندگی میں سیاسی پہلو بھی اسی قدر اہم اور ضروری ہو گیا تھا جیسا کہ کوئی دوسرا شعبہ ہو سکتا تھا۔ سید احمد خان کی دوربین نگاہ نے اس کو قطعی طور پر دیکھ لیا تھا اور ان کو اس کی اہمیت کا پورا اندازہ تھا۔ لیکن مخصوص حالات کے پیش نظر ان کو یقین تھا کہ قومی تعمیر کے پروگرام میں پہلا اور سب سے اہم بنیادی قدم جدید تعلیم کو رائج کرنا تھا۔ چنانچہ عملی اقدامات میں سب سے پہلے ایک قومی ادارہ یعنی علیگڈھ کالج کا قائم کرنا تھا۔ ۱۸۷۶ء میں یہ کالج قائم ہو گیا۔ اس کے چند ہی سال بعد انہوں نے دوسرے ضروری اقدامات کے متعلق سوچنا شروع کیا اور جلد ہی اس سلسلہ میں قدم اٹھایا۔

۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام سے ہند پاکستانی سیاست نے ایک نیا رخ بدلا۔ کانگریس کو وجود میں لانے کی ابتدائی کوششوں میں سب سے زیادہ نمایاں

نام ایک انگریز سول سرونٹ اکیوین ہیوم کا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ویسرائے اور دوسرے اعلیٰ انگریز حکام کی بھی ہمدردیاں اس ادارے کے ساتھ تھیں یہ لوگ خیال کرتے تھے کہ کانگریس کا وجود حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے اور انگریزی حکومت کی جڑوں کو مستحکم کرنے میں ممد ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر سیتا رمیہ جن کی کتاب کو کانگریس کی سرکاری تاریخ کہا جا سکتا ہے ہیوم کی کوشش سے انکار تو نہیں کر سکے لیکن انہوں نے اس کے مقاصد کی یہ توجیہہ کی کہ "اس نے انگریزی حکومت کی بڑھتی ہوئی مخالفت کے روکنے کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا۔ اس نظریہ سے اتفاق کرنا آسان نہیں (دیکھو انڈین نیشنل کانگریس جلد اول۔ ص۸)۔ اور اس میں شک نہیں کہ ابتدائی چند سال تک کانگریس کے پلیٹ فارم سے حکومت کی تعریف ہی میں رزلیوشن پاس ہوتے تھے اور اگر کسی چیز کا مطالبہ بھی کیا جاتا تھا تو وہ درخواست ہی کی شکل میں ہوتا تھا۔[۲] لیکن ایک خصوصیت

---

[۱] - ہیوم نے کانگریس کی تخلیق کے لئے جو طریقہ اختیار کیا اس کے لئے دیکھو ہسٹری آف دی فریڈم موومنٹ (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی) جلد دوم میں راقم کا مقالہ۔ دی رائز آف ہندو نیشنلزم۔ ص۳۹۴۔ ۴۱۴۔

[۲] - پہلے اجلاس کے صدر سبرامانیہ آئر نے انگریزی حکومت کی برکات کا ذکر اپنے خطبہ میں کیا اور دوسرے سال صدر کانگریس نے ان ہی برکات پر اس قدر جوش اور عقیدت کا اظہار کیا کہ ان کے الفاظ یہاں دہرائے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا "کہ نہ تو ہندو حکومت کے شاندار عہد میں اور نہ اکبر کے زمانہ میں ...... بلکہ انگریزوں اور ملکہ کے مہذب دور ہی میں ہم یہاں جمع ہو سکے ہیں اور کوئی چیز ہمارے اجتماع اور اپنے دل کی باتوں کو آزادی اور بلا تکلف ظاہر کرنے میں مزاحم نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ چیز انگریزی حکومت اور صرف انگریزی حکومت کے دور ہی میں ممکن ہے"۔ دیکھو سر ویلنٹائن شرال۔ انڈیا (چوتھا ایڈیشن ۱۹۳۰ء) ص۸۹۔

انڈین نیشنل کانگریس کی شروع ہی سے نمایاں تھی۔ باوجودیکہ وہ قومی ادارہ ہونے کی دعویدار تھی ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے اور دوسری خصوصیات کے پیش نظر وہ ہندوؤں کی جماعت ہوتی جارہی تھی[1]۔ یہاں کانگریس کی روئداد وغیرہ پر مفصل تبصرہ کی گنجائش نہیں لیکن یہ ذکر ضروری ہے کہ سید احمد خان نے کانگریسی کارکنوں کے انداز اور طریقوں سے اس کی مستقبل کی پالیسی کا اندازہ لگالیا تھا۔ اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ سید احمد خان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو ابھی تمامتر کوشش تعلیم حاصل کرنے پر مرکوز کرنی چاہئے اور سیاسی میدان میں نہیں آنا چاہئے۔ چنانچہ اسی غرض سے انہوں نے ۱۸۸۶ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو کانگریس میں شمولیت سے روکا۔ آخر الذکر مسئلہ پر تفصیل سے آئندہ تبصرہ کیا جائے گا۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

بہر حال ابتدا میں سید احمد خان نے تعلیمی مسائل ہی پر زور دیا۔ لیکن ان کی پہلی تقریر سے جو ۱۸۸۶ء کے اجلاس میں انہوں نے کی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سارے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کو ایک قوم ہونے کا احساس دلانے پر کس قدر زور دیتے تھے۔ ان کے الفاظ قابل غور ہیں:

> "اس وقت تک ہمارا یہ حال ہے کہ گو ہم ایک قوم مسلمان کہلاتے ہیں، مگر ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے والوں سے ایسے ہی ناواقف ہیں جیسے کوئی اجنبی قوم ایک دوسرے کے حال سے ناواقف ہو۔ ہم نہیں جانتے کہ

---

[1] - کانگریس کے پہلے کھلے اجلاس یعنی ۱۸۸۵ء میں ستر مندوبین میں صرف ۲ مسلمان تھے اور دوسرے اجلاس میں چارسو چالیس میں صرف تینتیس مسلمان تھے۔ مسلمانوں کی نمائندگی اس قدر کم تھی کہ دونوں موقعوں پر لندن کے مشہور اخبار ٹائمس نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کانگریس کی نمائندہ حیثیت پر اعتراض کیا۔

پنجاب کے لوگوں کو اپنی قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت کیا خیال ہے اور انھوں نے کیا کیا ہے اور کیا کرنا چاہتے ہیں۔ پنجاب تو ایک دوسرا صوبہ ہے، ہم اپنے صوبے ہی کے ایک ضلع کے رہنے والے دوسرے ضلع کے رہنے والوں کے حال سے محض ناواقف ہیں۔ کوئی ذریعہ ہمارے پاس ایسا نہیں کہ مختلف اضلاع کے لوگ کسی موقع پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں، ایک کے حال سے دوسرے کو آگاہی ہو۔ ہم آپس میں مل کر اپنے خیالات جو قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت ہوں دوسروں پر ظاہر کر سکیں۔ ایک دوسرے کے خیالات سے تبادلہ ہو....

ہم باوجود ایک قوم مسلمان ہونے کے جو بمنزلہ مختلف قوموں کے ہو رہے ہیں، ان میں قومی یگانگت بلکہ مجھ کو کہنا چاہئے کہ قومیت پیدا ہو...... ان ہی خیالات سے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہر سال مسلمانوں کی تعلیم اور ترقی پر غور کرنے کے لئے مختلف مقامات و مختلف صوبجات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوا کریں اور ایک صوبے اور ضلع کے لوگوں کے ذریعہ سے دوسرے صوبے اور ضلع کے مسلمانوں کو حالات معلوم ہوتے رہیں اور جو تدابیر ان کی بھلائی اور ترقی کی نسبت سوچی جائیں، ان پر بحث و مباحثہ ہو کر جو تدبیر عمدہ قرار پائے وہ اختیار کی جائے۔"

اسی تقریر کی بنا پر کانفرنس کے مقاصد تیار کئے گئے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ "کانفرنس کو کسی پولٹکل امر سے یا کسی قسم کے مذہبی مباحث سے کچھ تعلق نہیں"[1]۔ اس زمانہ میں سید احمد خان کی تمام تر کوشش مسلمانوں کی تعلیم پر مرکوز تھی چنانچہ اسی پر وہ زور دیتے تھے۔ لیکن جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا، بہت جلد کانفرنس کے عمل کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ کانفرنس کا مقصد اولین تعلیم ہی رہا۔ اس مختصر کتاب میں کانفرنس کے کارناموں کی تفصیل دینا ممکن نہیں لیکن اس کی سرگرمیوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۰۶ء میں آفتاب احمد خان نے جو اس وقت کانفرنس کے جوائنٹ سکریٹری تھے،

[1] یہ الفاظ کانفرنس کے مقاصد۔ دفعہ (۷) سے لئے گئے ہیں۔

اس کی اکیس سال کی کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس وقت تک کانفرنس نے دوسو اٹھاون رزلیوشن پاس کئے جن میں سے بہت سی تجویزوں نے عملی شکل اختیار کی۔

سید احمد خان اور دو قومی نظریہ

تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ قدرتاً مسلمان رہنما جو کانفرنس کے اجلاسوں میں شرکت کے لئے آتے اپنی قوم کے دوسرے مسائل پر بھی تبادلِ خیال کرتے۔ چونکہ اس وقت مسلمانوں کا کوئی سیاسی ادارہ موجود نہ تھا اس لئے سیاسی اور سماجی مسائل کے لئے بھی کانفرنس ہی کا پلیٹ فارم موزوں خیال کیا جاتا تھا خود سید احمد خان نے انڈین نیشنل کانگریس کی تجاویز اور اس میں مسلمانوں کی شرکت کے متعلق اپنے ردعمل کا اظہار کانفرنس ہی کے دوسرے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں کیا۔ اسی سلسلہ میں سید احمد خان نے کانگریس پر بنگالی ہندوؤں کے اثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ درحقیقت ایک بنگالی ادارہ ہے اس پر بدر الدین طیب جی جو کانگریس کے سرگرم ممبر تھے سید احمد کو خطوط لکھے۔ طیب جی اور سید احمد خان کی خط وکتابت ہماری سیاسی تاریخ میں بہت زیادہ اہم ہے۔ ۱۸۸۸ء میں سید احمد خان نے ایک خط میں ہندی قومیت کے نظریہ پر اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"میں نہیں سمجھ سکا کہ نیشنل کانگریس کے الفاظ سے کیا مراد ہے۔ کیا ہندوستان میں مختلف ذاتوں اور مذہبوں کے پیرو ایک قوم ہیں؟ اور کیا یہ سب لوگ ایک قوم بن سکتے ہیں اور کیا ان کے مقاصد اور مطالبات ایک ہو سکتے ہیں۔؟ میرے خیال میں یہ ناممکن ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو پھر نیشنل کانگریس بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ نہ یہ نیشنل کانگریس سب لوگوں کے لئے یکساں مفید ہو سکتی ہے۔ آپ کے خیال میں اس کانگریس کے جس کو غلط طور پر نیشنل کہا جاتا ہے کارنامے سارے ہندوستان کے لئے مفید ہیں لیکن مجھے افسوس سے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کے کارنامے صرف مسلمانوں

ہی کے لئے نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے لئے مضرت رساں ہیں۔ ہیں
ہر اس کانگریس کے خلاف ہوں جو ہندوستانیوں کو ایک قوم تصور کرتی ہو۔
چاہے وہ کوئی شکل اور صورت اختیار کرے۔[1]

سید احمد خان کی عظیم شخصیت کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، انیسویں صدی کے ربع آخر میں ہماری سیاسی، تعلیمی اور سماجی زندگی کے متعدد مسائل کو حل کرنے میں، جو کارہائے نمایاں انہوں نے انجام دیئے، وہ اس دور کی تاریخ کا اہم ترین باب ہیں، ان کے ہر اصلاحی اقدام کا ایک خاص پس منظر تھا، اس لئے ان کے کارناموں کا صحیح جائزہ لینے کے لئے اس کا تفصیلی اور تنقیدی مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے سید احمد خان کے حالات میں ان میں سے اکثر مسائل کی طرف مختلف الفاظ میں اشارے کئے ہیں اور کوشش کی ہے کہ متعلقہ واقعات کو پیش کرکے ان کے عظیم الشان کارناموں کی تصویر کشی کی جائے۔ اس میں شک نہیں کہ سید احمد خان کی شخصیت اور کارناموں کو تاریخ کے صفحات میں محفوظ کرنے کا فرض سب سے پہلے علیگڈھ پر عائد ہوتا ہے، لیکن ہندوستان میں لادینی حکومت قائم ہونے کے باوجود ہندو فرقہ واریت اور تنگ نظری کو جو اقتدار حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ امید کرنا کہ علیگڈھ میں سید احمد خان کے تعلیمی و سیاسی نظریات اور ان کو عملی جامہ پہنانے کی جو کوشش انہوں نے کی، ان کا صحیح اور حقیقت پسندانہ مطالعہ کیا جاسکے گا، ایک بے معنی چیز ہے، ان حالات میں پاکستان کے مورخ کے لئے یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ مسلم قوم کے اس عظیم المرتبت رہنما کے حالات اور اس عہد کے مسائل کی تحقیق اور تجزیہ کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرے، یہ چند مختصر ابواب اسی جذبہ کے تحت تیار کئے گئے ہیں۔

---

[1] دیکھو۔ سورس میٹیریل فار اے ہسٹری آف فریڈم موومنٹ ان انڈیا (گورنمنٹ ریکارڈز۔ بمبئی۔ ۱۹۵۸ء)۔ ص۷۸

(نوٹ) سرسید احمد خان کے ہاتھ کا تحریر کردہ "سرکشی ضلع بجنور" کا نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں موجود ہے ہم نے اس نسخہ سے مطبوعہ نسخہ کا لفظ بہ لفظ مقابلہ کیا صرف چند مقامات پر معمولی قسم کے اختلافات ملے جن سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ تبدیلیاں بسلسلہ ترمیم طباعت کے وقت کی ہوں گی اسی وجہ سے مطبوعہ نسخہ کو اس اڈیشن کی بنیاد بنایا گیا جو اختلافات ملے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مطبوعہ نسخہ (ص ۱۴) طرفداری مسودہ (ص ۲۲ ب) طرف کشی

(۲) " " (ص ۱۲) آنکھ کا " (ص ۲۲ ب) آنکھوں کا

(۳) " " (ص ۱۹) اکتیسویں مئی " (ص ۳۷ ا) یکم جون

(۴) " " (ص ۲۹) ۱۸۷۱ء میں مرگیا " (ص ۵۵ ا) مرگیا

(۵) مطبوعہ نسخہ (ص ۲۴) میں ہندوستانی اہلکاروں کی فہرست کے ساتھ جو کیفیت لکھی ہے مسودہ (ص ۴۹ ب) میں وہ کیفیت درج نہیں ہے۔

(۶) مطبوعہ نسخہ (ص ۱۰ اور ۲۹) میں رقوم اردو ہندسوں میں تحریر ہیں اور مسودہ (ص ۱۸ اور ۵۵ ا) میں فارسی ہندسوں میں تحریر ہیں۔

(۷) مسودہ (ص ۱۸ ا) میں نواب محمود خاں "در عدالت فوجداری" کی چوتھی مہر نہیں ہے مطبوعہ نسخہ (ص ۱۱) میں شامل ہے۔

(۸) مسودہ (ص ۵۸ ب) میں شجرہ کی پشت پر نواب محمود خاں کے اراکین خاندان، رشتہ داروں، مصاحبوں اور ساتھیوں کی ایک فہرست موجود ہے جو مطبوعہ نسخہ میں حذف کر دی گئی ہے اس فہرست کو بطور ضمیمہ الف کتاب کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔

میں اپنے عزیز دوست اور شاگرد مسٹر ایس۔ اے نقوی (سپرنٹنڈنٹ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی) اور مسٹر احمد نبی خان (اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ) کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے سرسید احمد خان کے مسودہ سے استفادہ کرنے میں اعانت کی۔

سید معین الحق

حصہ دوم

سرکشی ضلع بجنور

(متن)

نوٹ:۔ سرسید احمد خان کے اصل اڈیشن کے صفحات حاشیہ پر قوسین میں لکھے گئے ہیں۔

THE
BIJNOUR REBELLION

BY

SYUD UHMUD KHAN

SUDDER AMEEN OF BIJNOUR

سرکشی ضلع بجنور

تصنیف

سید احمد خاں صدر امین بجنور

AGRA

PRINTED AT THE MOFUSSILITE PRESS

1858

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الٰہی تو مجھ کو توفیق دے کہ یہ تاریخ میری پوری ہو اور صحیح بات اس میں لکھنے کی ہدایت کر کیونکہ طرفداری کی تاریخ لکھنی ایسی بے ایمانی کی بات ہے کہ اس کا اثر ہمیشہ رہتا ہے اس کا وبال قیامت تک مصنف کی گردن پر ہوتا ہے اس تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے بہت سا اس میں میری آنکھوں کا دیکھا اور بہت سا اپنے ہاتھ کا کیا ہوا اور اس کے سوا جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت تحقیقات سے اور بہت صحیح اور نہایت ہی سچ لکھا ہے۔

پہلے اس سے کہ واقعات ضلع بجنور لکھنے شروع کروں مناسب ہے کہ فہرست ان حکام متعہد اور غیر متعہد اور عمدہ عملہ کی جو ماہ مئی ۱۸۵۷ء میں ضلع بجنور میں مامور تھے اور جن کو انتظام ضلع میں دخل ممکن تھا اس مقام پر لکھوں۔

فہرست حکام متعہد اور معزز اہلکاران ہندوستانی

حکام متعہد

جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ معہ میم صاحبہ و بابا صاحب سلمہ اللہ التعالیٰ۔

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنیٹ مجسٹریٹ دام اقبالہٗ

جناب مسٹر کاری صاحب بہادر مسافر۔

صـ۲ ## انگریزی نویسان غیر متعہد

مسٹر لیٹر صاحب بہادر سر دفتر کلکٹری معہ میم صاحبہ اور تین لڑکوں کے

مسٹر جانسن صاحب ملازم کلکٹری۔

مسٹر مرنی صاحب ملازم فوجداری معہ میم صاحبہ اور چار لڑکوں کے۔

مسٹر گیوٹ صاحب غیر ملازم۔

بابو کالیچرن انگریزی نویس کلکٹری۔

شفاخانہ

ڈاکٹر سیٹ صاحب بہادر معہ میم صاحبہ۔

بابو تارا چند سین ہندوستانی ڈاکٹر شفاخانہ۔

ہندوستانی حکام غیر متعہد

محمد رحمت اللہ خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ۔

سید احمد خاں صدر امین مصنف اس کتاب کا۔

پنڈت کالکا پرشاد منصف نگینہ۔

امداد حسین صاحب منصف دھامپور خاندان حافظ رحمت خاں بریلی والا

تحصیلداران

میر تراب علی تحصیلدار بجنور	بہ نیکنامی اپنے کام پر بحال ہوئے۔
سید قاسم علی تحصیلدار چاندپور	اپنے کام پر بحال ہوئے۔
مولوی سید قادر علی تحصیلدار نگینہ	بدستور بحال ہوئے۔
صادق علی خاں تحصیلدار دھامپور	غیر حاضر
احمد اللہ خاں بھانجا محمود خاں کا تحصیلدار نجیب آباد۔	باغی

پیشکاران

میر مراد علی پیشکار بجنور — باغی

سعداللہ خاں پٹھان بسی کوٹلہ والا پیشکار چاندپور۔ باغی

میر شہامت علی پیشکار نگینہ — بسبب غیر حاضری برخاست

کریم اللہ خاں پیشکار دھامپور رشتہ مند محمود خاں۔ باغی

منو لعل پیشکار نجیب آباد — بحال

عملہ خزانہ

بانکے رائے پسر لالہ متھرا داس خزانچی صدر — بحال

بشن لعل گماشتہ — بحال

سداسکھ گماشتہ — بحال

بہاری لعل گماشتہ — بحال

بخشی رام تحویلدار تحصیل بجنور — خیر خواہ رہا اور بحال ہوا۔

گلزاری لعل تحویلدار تحصیل چاندپور — بحال

سیڈھل تحویلدار تحصیل نگینہ — بحال

منگل سین تحویلدار تحصیل دھامپور — بحال

شب لعل تحویلدار تحصیل نجیب آباد — بحال

عملہ کلکٹری

میر امام بخش سررشتہ دار — دائم الحبس

مظہر اللہ نائب سررشتہ دار — روبکار نویسی پر بحال ہوا

درگا پرشاد محافظ دفتر — سررشتہ دار کلکٹری ہوا۔

بہاری لعل ناظر — بحال

محمد علی پیشکار رٹرک — بحال۔

عملہ فوجداری

منشی امر سنگھ سررشتہ دار	بحال
لالہ ہر سہائے نائب سررشتہ دار	بحال
منی دھر محافظ دفتر	بحال
پنڈت شمبھو ناتھ ناظر	بحال

تھانہ داران

حسن رضا خاں تھانہ دار بجنور	غیر حاضر
گلاب سنگھ تھانہ دار چاندپور	بحال
بدھ سنگھ تھانہ دار دھامپور	بحال
سردار سنگھ کوتوال نجیب آباد	بحال
لطافت علی تھانہ دار منڈاور	بحال
رتن سنگھ قایم مقام تھانہ دار ناگل	غیر حاضر صلہ
گنگا پرشاد تھانہ دار بڑھ پور	تھانہ سیوہارہ میں بحال
محمد حسین خاں تھانہ دار افضل گڈھ	تھانہ نگینہ میں بحال
پرمھو مل تھانہ دار سیوہارہ	تھانہ افضل گڈھ میں بحال
منیر الدین قایم مقام تھانہ دار نگینہ	برخاست

جمعداران نمبر اول

بھولا ناتھ جمعدار نور پور	بحال
لطف علی جمعدار کوٹ قادر	غیر حاضر
چھیدا لعل جمعدار کرتپور	برخاست
عبد اللہ خاں جمعدار چاندی	پھانسی پایا۔
راحت علی جمعدار نہٹور	ماخوذ

جیلخانہ

موہن لعل داروغہ — بحال

رام سروپ جمعدار — باغی

سررشتہ تعلیم

پنڈت رادھاکشن ڈپٹی انسپکٹر — تحصیلدار دھامپور ہوا۔

احسان علی سب ڈپٹی انسپکٹر تحصیل بجنور وچاندپور۔ بحال

رحیم اللہ سب ڈپٹی انسپکٹر تحصیل نگینہ ودھامپور۔ تحقیقات طلب۔

سلامت رہنا حکام وغیرہ کا

سب سے بڑی مبارکی ہماری تاریخ کی یہ ہے کہ اللہ مقدس کی مدد سے ہمارے ضلع میں جس قدر حکام متعہد اور جو لوگ عیسائی مذہب کے تھے کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچے سب امن میں رہے اور جب ضلع چھوڑنا مناسب ہوا تو سب عیسائی مذہب والے جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر کی حسن تدبیر اور مروت اور وفاداری سے صاحب ممدوح کے ساتھ بعزت تمام وہاں سے نکل کر امن کی جگہ میں چلے آئے۔

حالات و واقعات

میرٹھ میں جو فساد اور نمک حرامی دسویں مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی اس کی خبر گیارھویں تاریخ تک بجنور میں نہیں آئی تھی۔ بارھویں تاریخ کو یہ خبر مشہور ہوئی اور پے در پے اس کے آثار نمودار ہوتے گئے۔ یعنی کنارہ گنگا جمنا راہ لٹنے لگی اور آمد و رفت مسافروں کی بند ہوگئی بارھویں اور تیرھویں کو جو مسافر بجنور سے میرٹھ کو جاتے تھے راہ سے الٹ آئے مگر ضلع بجنور میں اب تک کوئی فسدہ نہ تھا۔

کیفیت پھیلنے غدر کی بجنور میں

رفتہ رفتہ ضلع بجنور میں بھی غدر شروع ہوا۔ راہیں لٹنے لگیں سولھویں مئی ۱۸۵۷ء

کو درمیان موضع چھال واولینڈھ تھانہ۔ بجنور میں غارت گری ہوئی کہ گوجروں سے ہنسی دیپ داس بزاز کو لوٹا اسی طرح شہباز پور کھدر پر ڈاکہ پڑا کہ گوجروں نے مل کر اس گاؤں کو لوٹ لیا۔ اور یہ سب سے پہلا گاؤں ہے جو ضلع بجنور میں لٹا دسی تاریخ سولہ ہزار روپیہ جو چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور نے بابت اپنی مالگذاری کے بجنور کو روانہ کئے تھے بجنور میں پہنچے اور داخل خزانہ ہوئے بعد اس کے ستر ھویں مئی کو سر براہ ڈاک مسٹر کاری صاحب بہادر کا گھاٹ راولی پر لوٹا گیا اگرچہ ان وارداتوں کے مجرم تدبیر و کوشش جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر سے بہ تعیناتی تھانہ داران اور میر تراب علی تحصیلدار و افسر پولس کے گرفتار ہوتے اور کچھ مال مسروقہ بھی برآمد ہوا اور لوگوں کو ڈر اور خوف بھی ہوا مگر گوجر اپنی بدمعاشی سے باز نہ آئے علی الخصوص اس سبب سے کہ پار کے گوجروں سے اس ضلع کے گوجروں کو حرمزدگی کرنے کی بہت مدد ملتی تھی۔

گوجروں کے فساد کا بیان

اگرچہ شروع فساد سے گوجروں کی نیت بد ہو گئی تھی مگر ان کو اس کا اظہار کرنے کے لئے ایک عجیب حیلہ ہاتھ آیا۔ قوم روڑ نے جو بہت عمدہ کاشتکار اس ضلع کے ہیں اور نامردی میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں گوجروں سے چھیڑ کی کہ ایک گوجری معہ اپنے خاوند اور نائی کے سرحد موضع شہباز پور پرگنہ منڈاور مسکن قوم روڑ میں جاتی تھی روڑوں نے صلہ گوجری کو پکڑ لیا اور اس کا خاوند مار گیا نائی بھاگ کر موضع شیخو پورہ میں لبماون پدھان قوم گوجر کے پاس گیا اور حاکم کو چھوڑ کر گوجروں کی برادری سے فریاد کی سب گوجر متفق ہوتے اور روڑوں کا لوٹنا اور برباد کرنا مصمم ٹھہرایا چنانچہ راجی والہ میں سب گوجر جمع ہوئے اور شہباز پور اور ابوالخیر پور بن گئے جو دونوں قریب قریب تھے مار اسب گھر لوٹ لئے اور اکثر جلا دیئے چھ آدمی قتل و زخمی ہوتے اور گوجری کو لے گئے۔

انتظام ضلع کی تدبیریں

ابتدائے فساد سے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے مناسب تدبیریں انتظام ضلع

کی کرنی شروع کیں تھیں۔ رجمنٹوں کے رخصتی سوار جو ضلع بجنور میں موجود تھے ان کو بھی بلالیا تھا اور کچھ سوار بھی نوکر رکھنے شروع کئے تھے اور تھانہ داران اور افسر پولیسوں کو بھی بقدر مناسب برقنداز بڑھانے کو لکھ بھیجا تھا اور خاص شہر کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی تھی کہ چودھری نین سنگھ رئیس بجنور کو اجازت دی تھی کہ رات کو شہر کا گشت کیا کریں چنانچہ چودھری صاحب ایسا ہی کرتے تھے اور جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بھی مناسب مناسب جگہ پر رات کو پھیرے اور خبرداری کرتے رہے اور ہم تینوں افسروں نے اپنی جمعیت ملازمین وغیرہ کے دو غول کئے پہلا غول محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ کا تھا کہ وہ اپنے غول کو ساتھ لے کر رات کو گشت کرتے تھے۔ دوسرا غول مجھ صدر امین اور میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور کا تھا کیوں کہ ہمارے پاس نوکر کم تھے اس لئے دونوں آدمیوں نے مل کر ایک غول بنالیا تھا اور یہ دونوں غول رات کے وقت علیحدہ علیحدہ شہر بجنور اور اندھیرے باغات کا جو متصل آبادی تھے اور جیلخانہ اور خزانہ کا گشت کرتے تھے اور سب طرف پھر پھرا کر ہم تینوں افسر معہ اپنے اپنے غولوں کے کوٹھی جناب صاحب کلکٹر بہادر پر حاضر ہو کر تمام رات کمر باندھے کرسیوں پر بیٹھے پہرا دیتے کیوں کہ شورش ضلع میں حد سے زیادہ ہو گئی تھی اور کوئی وقت اندیشہ سے خالی نہ تھا مگر ہم اپنے جناب کلکٹر بہادر کی مہربانی اور عنایت کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ ہمارے
ص۷ لئے سب طرح کی آسائش کا سامان وہاں مرتب تھا اور بہت اچھا شامیانہ ہمارے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ اور ہم بہ آسائش تمام اس میں رہتے تھے۔

۲۹ پلٹن کی کمپنی کا سہارنپور سے بجنور میں آنا

اٹھارھویں مئی ۱۸۵۷ء کو دفعتاً ایک کمپنی تلنگوں کی جو سہارنپور سے مراد آباد جاتی تھی بجنور پہونچی اور مجھ کو یوں خبر ملی کہ وہ کمپنی بگڑ گئی ہے اور صوبہ دار اور دو چار تلنگ جناب صاحب کلکٹر بہادر کی کوٹھی پر گئے ہیں یہ خبر سنتے ہی میں گھبرا کر صاحب ممدوح کے پاس گیا وہاں معلوم ہوا کہ بطور بدلی مراد آباد جاتی ہے میں نے بے ادب ممدح خاں صوبہ دار کو

صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ کچھ اپنا حال اور جو مقابلہ اس کا قریب الوباس گوجروں سے ہوا تھا عرض کر رہا تھا۔ مگر اس کی بے ادبانہ گفتگو اور لاپروا اور مغرور نشست سے جو بدی اس کے دل میں تھی اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتی تھی۔ اس دن یہ تجویز ہوئی کہ اس کمپنی کے قیام بجنور کا تدبیر کی جاوے چنانچہ تدبیر بھی ہوئی جس سے میں بہت ڈرتا تھا۔ مگر جب ان کی بات چیت کا جو آپس میں کرتے تھے اور نیز بازاروں میں بکتے پھرتے تھے حال معلوم ہوا تو ان کا قیام بجنور میں نہایت نامناسب معلوم دیا اور باوجودیکہ مراد آباد سے اجازت ان کے رکھ لینے کی آگئی تھی مگر ان کا چلا جانا غنیمت سمجھا جاتا تھا اور وہ خود بھی رہنا نہیں چاہتے تھے اس سبب سے وہ مراد آباد چلے گئے۔

مراد آباد کے جیلخانہ کا ٹوٹنا اور اس کے سبب سے ضلع میں زیادہ بدنظمی کا ہونا

۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کو مراد آباد کا جیلخانہ ٹوٹا اور یہ خبر بہت جلد ضلع بجنور میں پہونچی اور بلکہ بعض دیہات میں کچھ قیدی بھاگ بھاگ کر آ گئے اس خبر کی شہرت سے ضلع میں زیادہ تر بدنظمی ہوئی اور ہر چہار طرف دیہات میں ہزارہا گنوار جمع ہونے لگے اور کسی کے دل میں عملداری کی دہشت باقی نہ رہی اور ہم لوگوں کو ہر دم یہ اندیشہ ہونے لگا کہ مبادا بجنور پر ڈاکہ پڑے اور خزانہ سرکاری لٹ جاوے مگر ہم لوگ بدستور اپنی ہوشیاری سے جہاں تک ممکن تھا گشت و گرداوری اور گنواروں کو رعب ظاہری دکھانے میں کچھ تقصیر نہیں کرتے تھے۔ اور بجنور کی ایک بہت اچھی ہوا باندھ رکھی تھی کہ اس کے سبب گنواروں کے دلوں پر بجنور کا ایک خوف تھا۔

سفر مینا کی باغی کمپنیوں کا نجیب آباد میں آنا

اسی اثنا میں سفر مینا کے تین سو سپاہیوں نے روڑکی میں سرکشی کی اور ایک کمپنی سفر مینا کی جو روڑکی سے سہارنپور کمانڈر انچیف صاحب بہادر کے کیمپ میں شامل ہونے کو بھیجی گئی تھی رستہ میں سے روڑکی واپس آگئی اور ان سب نے مل کر روڑکی سے

لنڈھورہ کو کوچ کیا اور لنڈھورہ کی رانی سے پیغام کیا کہ وہ ان کو اپنے پاس نوکر رکھ لے اس وعدہ پر کہ وہ روڑکی وغیرہ سب اس کو فتح کر دیں گے۔ مگر اس نے منظور نہ کیا۔ تب انہوں نے ارادہ کیا کہ نجیب آباد کے نواب کے پاس جاکر اپنا ارادہ پورا کریں چنانچہ وہ نجیب آباد روانہ ہوئے اور بیسویں مئی کو نجیب آباد پہونچے۔

نامحمود خاں اور احمد اللہ خاں کا صوبہ داروں سے مصلحت کرنا

اتنی بات تو تحقیق ہے کہ جب یہ سپاہی نجیب آباد پہونچے تو ان میں کے چند افسر اور کچھ سپاہی احمد اللہ خاں تحصیلدار نجیب آباد کے پاس گئے اور علیحدہ مکان میں بیٹھ کر کچھ گفتگو اور مصلحت کی پھر وہاں سے احمد اللہ خاں ان سب آدمیوں کو لے کر محمود خاں کے پاس گیا اور وہاں بھی بہت دیر تک خفیہ مصلحت رہی حقیقت میں اس مصلحت کا سچا اور یقینی حال نہیں معلوم ہو سکا مگر جو سنا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان سپاہیوں نے نواب کو سرکشی اور اپنی نوابی قایم کرنے اور حکام انگریزی کی مخالفت کی ترغیب کی اور ظاہر ہے کہ اس کے سوا یہ سپاہی اور کیا صلاح دیتے۔ نواب کا جواب بھی جو خفیہ تھا تحقیق نہیں معلوم ہو سکا مگر یہ سنا ہے کہ نواب نے کہا کہ جب تک حکام انگریزی بجنور میں موجود ہیں میں ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ تم اس شہر میں کہ خاص میرا شہر ہے اور اس تحصیل میں جو مجھ سے متعلق ہے کچھ فساد مت کرو اگر بجنور میں جاکر فساد کرو گے اور انگریزوں کو خارج کر دو گے تو پھر مجھ کو نواب ہو جانے کا بہت اچھا قابو مل جائے گا۔ ان سپاہیوں نے بجنور آنے کا اقرار کیا اور یہ خبر کہ وہ تلنگہ بجنور کو آتے ہیں متواتر ہم کو پہونچی اور ہم کو نہایت ڈر اور خوف رہا اور ہم تینوں افسروں نے ایسی تدبیریں سوچیں کہ درصورت آجانے ان بے ایمانوں کے جہاں تک ممکن ہو سکے حکام اہل ولایت کی حفاظت میں کام آویں اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کو بھی ان تدبیروں سے مطلع کیا گیا کہ ہر ایک تدبیر کا پہلے سے بندوبست رہے۔ ہم اس میں کچھ شک نہیں
صہ ۹
کرتے کہ یہ وہ وقت ہے کہ پہلی دفعہ نامحمود خاں[1] اور احمد اللہ خاں[2] کے دل میں سرکشی اور بغاوت کا بیج اگا اور اس نے اپنی حکومت کے خیالی درخت کو بہت اچھا سایہ دار

سمجھا اور سرکار دولت مدار انگریزی کے احسانوں اور پرورش کو جو اس کے اور اس کے باپ کے ساتھ کیں تھیں سب کو یک لخت بھولا۔

اسی تاریخ یعنی بیسویں مئی کو نگینہ میں مراد آباد کا جیل خانہ ٹوٹنے کی خبر پہنچی اور نگینہ میں بدمعاشوں کی نیت بد ہوئی۔ اور بازار نگینہ کا بند ہونا شروع ہوا۔ مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ نے اپنے چپراسیوں اور منیر الدین قایم مقام تھانہ دار کو لے کر بازار کا گشت کیا اور دکانیں کھلوا دیں اور سب کی تسلی اور تشفی کی اور سب ہندو مسلمان رئیسوں کو بلا کر ہوشیار رہنے اور اپنے اپنے محلہ کا بندوبست رکھنے کی فہمائش کی نہایت تعجب ہے کہ اکیسویں تاریخ مئی کو گیارہ بجے منیر الدین قایم مقام تھانہ دار نگینہ نے مولوی قادر علی تحصیلدار کو یہ خبر سنائی کہ بجنور کا جیل خانہ ٹوٹ گیا۔ حالاں کہ اس وقت تک جیل خانہ بجنور میں کچھ آفت برپا نہیں ہوئی تھی اس خبر سے مولوی قادر علی کو زیادہ تردد ہوا کہ کل مراد آباد کا جیل خانہ ٹوٹنے کی خبر پر نگینہ میں جب یہ فساد برپا ہوا تھا تو اب بجنور کی خبر پہنچنے پر دیکھیے کیا فساد ہوتا ہے۔ اس لئے چپراسیان تحصیل کو کہا کہ کمر باندھ کر مستعد رہو اور دروازہ تحصیل بند تھا اور کھڑکی کھلی ہوئی تھی مگر تحصیلدار صاحب کو تلنگوں کی کچھ خبر نہ تھی۔

سفر مینا کی کمپنیوں کا نگینہ میں آنا اور تحصیل کا لٹنا

سنا گیا کہ بعد گفتگو نواب کے تلنگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بغیر کمپنو کے ملے اتنا بڑا فساد کرنا مناسب نہیں اس لئے انہوں نے ارادہ مراد آباد جانے کا کیا اور وہ نجیب آباد سے روانہ ہو چکے تھے کہ دفعتاً تین تلنگہ براہ کھڑکی تحصیل میں چلے آئے اور تحصیلدار صاحب سے کہا کہ رسد تیار کرو اس عرصہ میں بہت سے تلنگہ اندر گھس آئے اور تحصیلدار صاحب کو بیچ میں گھیر لیا اور سنگین چڑھا کر بندوقوں کو پاؤں پر چڑھا لیا۔ اور دکھیر ان کو کچہری کے مکان میں لے گئے اور دفتر کے صندوقوں کو کندوں سے توڑ ڈالا اور پھر خزانہ کے قفل کو توڑ کر خزانہ لوٹنے لگے اس وقت تحصیلدار صاحب کو فرصت ملی اور وہ وہاں سے مع تھانہ دار ص۱۰
بھاگ کر ایک مکان میں جا چھپے جب تلنگہ ان کی تلاش میں بڑھے تو وہ شہر کے باہر جا کر اور

رستہ سے شہر میں گئے اور ایک جگہ پوشیدہ ہو گئے اور عرضی اطلاعی بہ حضور جناب صاحب کلکٹر بہادر روانہ کی شہر کے بہت سے بدمعاش ان تلنگوں کے ساتھ ہو گئے اور تحصیلدار صاحب کا اسباب لوٹ لیا اور بازار نگینہ کو لوٹتے ہوئے چلے گئے اور بدمعاشوں نے بھاگیرت کلال کو بھی جو بہت مالدار آدمی تھا لوٹ لیا۔ جب سب تلنگہ شہر سے چلے گئے تو تحصیلدار صاحب نے نگینہ کے ہندو مسلمان رئیسوں کو جمع کیا اور جو بدمعاش شہر میں غدر مچا رہے تھے ان کا بندوبست بفہمائش اور بتوسط رئیسان نگینہ کر دیا اس ہنگامہ میں حسب تفصیل ذیل مال سرکاری لٹ گیا۔

تفصیل روپیہ اور مال سرکاری جو نگینہ میں لٹا

	پائی	آنہ	روپیہ
نقد بموجب وازخام	۹	۱۱	۸۳۹۲
بابت سڑک	۵	۱۴	۷۴۴
تنخواہ چوکیداران سڑک	۶	۱۰	۲
طلبانہ سرامری	۰	۴	۴
بابت جلد بندی	۰	۱۵	۹
بابت ڈگری سرامری	۰	۴	۱۰
آمدنی افیون	۰	۰	۵۵
قیمت اسٹامپ	۰	۱۴	۱۲۶
تنخواہ وزٹیران	۳	۱	۴۹
افیم	۰	۰	۵۵
کاغذ اسٹامپ	۰	۴	۸۹۷
	۱۱	۱۴	۱۰۳۴۸

ص۱۱۱

بجنور کا جیل خانہ ٹوٹنا

نگینہ میں تو یہ آفت ہو رہی تھی اور ہم تینوں افسر بجنور میں بحضور جناب صاحب کلکٹر بہادر حاضر تھے اور درباب حفاظت خزانہ گفتگو ہو رہی تھی۔ کیوں کہ خبر بلوہ رش گنواران اور آمد آمد پلٹن سفر مینا کی گرم تھی اور یہ رائے قرار پائی تھی کہ کل خزانہ کنویں میں ڈال دیا جاوے ہم اسی تجویز میں تھے کہ ایک بجے سے کچھ قبل دفعتاً جیل خانہ پر بندوق فیر ہونے کی آواز آئی اور معلوم ہوا کہ جیل خانہ ٹوٹ گیا۔ جناب صاحب کلکٹر بہادر اور میں صدر امین اور ڈپٹی کلکٹر صاحب اور سید تراب علی تحصیلدار صاحب بندوقیں اور تلواریں لے کر جیل خانہ پر چلے اور جس طرف قیدیوں کے نکل جانے کا احتمال تھا اس طرف دوڑے۔ قریب آدھے میل کے دوڑے ہوں گے کہ اس وقت یہ خیال گذرا کہ خزانہ نہ لٹ جاوے اس لئے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے مجھ صدر امین کو اور ڈپٹی کلکٹر صاحب کو حکم دیا کہ خزانہ پر جا کر وہاں کا انتظام کرو چنانچہ ہم دونوں خزانہ پر واپس آئے اور فی الفور پہرہ اور پکٹ قایم کئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور سید تراب علی تحصیلدار جیل خانہ پر تشریف لے گئے۔ اتنے میں جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر مسلح گھوڑے پر سوار تشریف لائے اور کنجی خزانہ کی مجھ صدر امین کو سپرد کر کے خود مع چند سواران تعاقب قیدیان فرمایا۔ ہم کو یقین تھا کہ جیل خانہ صرف اس غرض سے ٹوٹا ہے کہ قیدی اور شہر کے بدمعاش جمع ہو کر خزانے پر حملہ کریں گے مگر قیدیوں نے جیل خانے سے نکل کر دریا کی طرف بھاگنا شروع کیا تھا اور سب کے منہ دریا کی طرف تھے اور بھاگے جاتے تھے اس سبب سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یا یہ ہمارا خیال غلط تھا یا یہ کہ جب قیدیوں نے جناب صاحب کلکٹر بہادر کو اور جناب جارج پامر صاحب بہادر کو مستعد اور تعاقب کرتا ہوا دیکھا تو ان کو اس فاسد ارادہ کا قابو نہ ملا غرض کہ سپاہیوں کی بندوقوں سے چند قیدی مارے گئے اور کچھ زخمی ہوئے باقی جو بچے وہ جیل خانہ میں بند کئے گئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر خزانے پر تشریف لائے اور فی الفور خزانہ نکالا گیا اور مجھ صدر امین نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کنویں میں ڈال دیا اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے گھاور

گنگا تک قیدیوں کا تعاقب کیا۔

صد ۱۲ جیل خانہ کا ٹوٹنا نہایت تعجب کی اور بہت غور طلب بات ہے ظاہر ہے کہ باہر سے جیل خانے پر کسی کی یورش نہیں ہوئی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بسبب شرارت یا سازش رام سروپ جمعدار کے جو پہلے تلنگہ کسی پلٹن کا تھا جیل خانہ ٹوٹا اور کھڑکی جیل خانہ کی کھل گئی اور ہماری دانست میں جب بہت سے قیدی جیل خانے سے نکل چکے تھے باقی ماندہ پر بندوق سر ہوئی۔ جیل خانہ ٹوٹنے کا سبب شاید یہ ہو کہ رام سروپ نے اس اندیشہ سے کہ باہر سے جیل خانہ پر حملہ نہ ہو اور باہر کی یورش سے اپنا نقصان زیادہ خیال کر کر یہ کام کیا ہو مگر ایک خیال ہم کو بہت شبہ میں ڈالتا ہے کہ اگر نجیب آباد والی مصلحت صحیح ہو تو وہی دن بلکہ وہی وقت نجیب آباد سے تلنگوں کا بجنور میں آنے کا تھا اور بعد تشریف فرما ہونے حکام انگریزی کے فی الفور رام سروپ کی بہت قدر و منزلت نواب کے یہاں ہوتی گئی اور دن بدن تقرب اس کا بڑھتا گیا۔ حالاں کہ پہلے سے کوئی وجہ اس کے ایسے تقرب کی نواب کے دربار میں نہ تھی۔

برہم پور کا لٹنا

اس واقعہ کے بعد گوجر پرگنہ منڈاور میں بہت کثرت سے جمع ہوئے اور روئے جو بہت مالدار تھے اور ان سے اور گوجروں سے عداوت ہو گئی تھی ان کے لوٹنے کا ارادہ کیا اور موضع برہم پور پرگنہ کثرت پور پر جو ایک بہت بڑا گاؤں روؤں کا تھا چڑھائی کی اور ہزار ہا گوجر گنگا وار اور گنگا پار کے جمع تھے اور کچھ میو بھی ان کے ساتھ تھے سب نے مل کر اس گاؤں کو آٹھ روز تک لوٹا اور گھر کھود کھود کر مال و اسباب نکالا اور گھر جلا دیئے مشہور ہے کہ تیس ہزار من کھانڈ لوٹی اور کل اسباب و غلہ اور مویشی تین لاکھ روپیہ کا نقصان ہوا۔ کیونکہ یہ گاؤں بڑا تھا اور بہت گاؤں والوں نے امن کی جگہ سمجھ کر اپنا مال یہاں لا رکھا تھا جس بھاؤ سے گیہوں بکتے تھے اسی بھاؤ سے اس لوٹ کی کھانڈ بکتی تھی۔

نامحمود خاں کا بجنور میں آنا

اس واقعہ سے پہلے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے جملہ رئیسان ضلع کو بجنور میں طلب کیا تھا کہ معہ کمک کے واسطے انتظام ضلع کے حاضر ہوں زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ اسی روز شام کے قریب نامحمود خاں نجیب آباد سے معہ ساٹھ ستر آدمی پٹھان بندوقچی کے بجنور میں پہونچا ظاہر میں تو بلاشبہ یہ بات تھی کہ حسب الطلب آیا ہے مگر تعجب یہ ہے کہ اپنے ساتھ خالی گاڑیاں واسطے لے جانے خزانہ کے نجیب آباد کو لایا تھا اور جب ڈپٹی صاحب سے ملا تو نہایت افسوس سے ہاتھ مل مل کر کہا کہ کیا غضب کیا جو خزانہ کنوئیں میں ڈال دیا میں تو گاڑیاں واسطے لے جانے نجیب آباد کے لایا تھا یہ باتیں نجیب آباد والی مصلحت کو تصدیق کرتی ہیں اور جیلخانہ ٹوٹنے کی سبب کو نہایت شبہ میں ڈالتی ہیں۔

اس رات بجنور میں بہت بڑا اندیشہ رہا کیوں کہ تلنگوں کا ارادہ مراد آباد جانے کا ابھی تک کھلا نہ تھا بلکہ بجنور ہی آنے کا یقین تھا اور ہم کو کچھ امید نہ تھی کہ آج کی رات خیر سے گذرے گی اور بڑا خطرہ ہم کو حکام انگریزی اور جناب میم صاحبہ کا تھا کیوں کہ یہ نمک حرام کمبخت تلنگہ خاص حکام انگریزی کے نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ ہندوستانی آدمیوں یا اہلکاروں سے چنداں سروکار نہیں رکھتے تھے۔ ہم اپنے دل کا حال بیان کرتے ہیں کہ جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر دام اقبالہ اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر دام اقبالہ جو جو اخلاق اور عنایت ہمارے حال پر فرماتے تھے ان اخلاقوں اور عنایتوں نے ہمارے دل میں ایسی محبت ان صاحبوں کی ڈالدی تھی کہ ان صاحبوں کی خدمت گذاری میں ہم اپنی جان کی کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتے تھے بے مبالغہ میں اپنے دل کی کیفیت بیان کرتا ہوں کہ محبت کے سبب ان صاحبوں کی نسبت جو وہم دل میں آتا تھا وہ بڑا ہی برا دکھائی دیتا تھا اور جب اس وہم کا اثر دل پر پہنچتا تھا تو دل سے ایک محبت کا بہت بڑا شعلہ نکلتا تھا اور وہ ان صاحبوں کو گھیر لیتا تھا اور ہمارا دلی ارادہ یہ تھا کہ اگر خدا نخواستہ کوئی برا وقت آوے تو اول ہم پروانہ کی طرح قربان ہو جاویں پھر جو کچھ ہو سو ہو۔ اور میں کچھ شک نہیں کرتا کہ میرے ساتھی دونوں افسروں کا بھی یہی حال تھا۔ ہم جب

اس رات کو بٹی پر آن کر بیٹھے ہیں تو اس ارادے سے نہیں آئے تھے کہ ہم زندہ یہاں سے پھر اپنے گھر پر آویں گے مگر نہایت خدا کا شکر ہے کہ ہماری اس اچھی نیت نے ہم کو بہت بڑا پھل دیا کہ ہمارے محبوب حکام کو بھی سب طرح اپنے فضل میں رکھا اور ہم کو بھی ہر آفت سے بچایا اور
آج وہ دن ہے کہ اللہ کی عنایت سے ہم سب لوگ جو اس اچھی نیت میں شریک تھے معہ اپنے ص۱۷۱
محبوب حکام کے زندہ اور سلامت اکھٹے ہیں اور دل کی خوشی سے خدا کا شکر کرتے ہیں آمین۔

سفر مینا کے تلنگوں کا دھامپور کو جانا

غرضکہ وہ تلنگہ جو نگینہ آئے تھے وہاں سے دھامپور کو روانہ ہوئے جو بدعت کہ دفعتاً ناوانستگی میں انہوں نے نگینہ میں کی تھی اس کی خبر دھامپور میں جا پہونچی تھی تحصیلدار دھامپور نے دروازہ تحصیل بند کر لیا تھا اور سپاہی اندر تحصیل کے ہوشیار ہو گئے تھے اور بڑی خوبی یہ تھی کہ شہر کے بدمعاشوں میں سے کوئی ان کا ساتھی اور بہکانے والا اور ہمت بندھانے والا نہ ہوا بلکہ ہر سکھ رائے لوہیا کے ہاں اس دن برات تھی اس نے برات کا کھانا اور بہت اچھی اچھی مٹھائی تلنگوں کو دی اور رسد بھی شہر والوں نے جمع کر دی اس لئے تلنگوں نے وہاں کچھ فساد نہیں کیا اور مراد آباد چلے گئے۔

خاص بجنور کے انتظام کی اور ضلع کے انتظام کی زیادہ تدبیریں

جیل خانہ ٹوٹنے کے بعد ضلع میں زیادہ تر غدر ہوا اور خاص بجنور پر بھی ڈاکہ آنا مشہور تھا۔ اور گنوار ہر جگہ علی الخصوص پرگنہ منڈاور میں بکثرت جمع تھے اس لئے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے چودھری نین سنگھ کی معرفت دو سو آدمی ملازم فرمائے اور گرد شہر کے ناکہ بندی کر دی اور پکٹ جا بجا بٹھا دئے۔ اور رات کو ہم افسروں کا گشت روز تشریف بری جناب صاحب کلکٹر بہادر تک بدستور رہا اس سبب سے بجنور میں درحقیقت بہت اچھا امن ہو گیا اور تمام ضلع میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ بجنور میں بہت بڑا بندوبست ہے اور اس دہشت کے سبب کسی کی جرأت نہ تھی کہ بجنور پر کسی طرح کا قصد کرے مگر پرگنہ جات میں بدستور غدر

تھا اور جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر اس کے بھی انتظام میں مصروف تھے اور سواران جدید ملازم رکھے جاتے تھے۔ اور پیدل سپاہی بھی بھرتی ہوتے تھے۔ اور واسطے بھیجنے مدد اور کچھ تھوڑی سی سپاہ معتمد کے میرٹھ اور مراد آباد کو بھی لکھا تھا اور یہ انتظار تھا کہ جب یہ جمعیت جمع ہو جائے تو پرگنہ جات کا دورہ بھی رہے اور مفسدوں پر دوڑ بھی بھیجی جاوے ان تدبیروں کے سوا انتظام اور مضبوطی پولس سے بھی غفلت نہ تھی اور احکامات مناسب
بنام تھانیداران اور افسران پولس کے جاری ہوتے تھے اور انتظام ضلع بہت اچھی اچھی تدبیروں ص ۱۵
سے ہاتھ سے نہیں دیا تھا۔ مگر ضلع بجنور سے جو ملحق تھا مظفر نگر سے اور گنگا وار اور گنگا پار کے گوجر سب آپس میں آمد و رفت رکھتے تھے اور چاندپور کا پرگنہ ملا ہوا تھا دیہات پچھانڈے جاٹوں اور میواتیوں سے اور نجیب آباد کا پرگنہ ملا ہوا تھا۔ جنگل اور بنجاروں سے اس سبب سے شورش ضلع میں بہت زیادہ ہو گئی تھی جس کا اندفاع بہت اچھی فوج کی کمک اور بدون دو ہلکی ضرب توپ کے ممکن نہ تھا۔

چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری پرتاب سنگھ کا بجنور میں آنا

رئیسان جو کمک کو بلائے گئے تھے ان میں سے بدنصیب نا محمود خاں تو پہلے آچکا تھا اس کے دوسرے دن چودھری رندھیر سنگھ صاحب رئیس ہلدور اور اس کے بعد چودھری پرتاب سنگھ صاحب رئیس تاجپور تشریف لائے تھے اور صرف پانچ پانچ سوار کمک کو دیئے تھے اور کچھ سپاہی ان کے ساتھ تھے اور احاطہ کوٹھی جناب صاحب کلکٹر بہادر میں مقیم ہوئے تھے۔

چودھریوں کی کمک اور توپوں کے ہاتھ نہ لگنے کا ذکر

مگر یہ قلیل کمک اس بڑے فساد کو رفع نہیں کر سکتی تھی۔ افسوس ہے کہ ان رئیسوں میں سے کسی نے توپ کے موجود ہونے سے اقرار نہ کیا اگر اس وقت دو توپیں ہمارے ہاتھ آجاتیں جیسا کہ ہمارے بعد ضلع میں نکلیں اور اچھی طرح ہماری مدد ہوتی تو کیا عجب ہے کہ

برخلاف ان حالات کے جواب پیش آئے اور کوئی صورت ضلع میں پیدا ہو جاتی۔ بھوپ سنگھ تعلقہ دار ریٹھ و بڈھ پور باوصف طلب کے بہ حضور جناب صاحب کلکٹر بہادر حاضر نہیں ہوا۔ اور نہ کچھ مدد دی نا محمود خاں جو حاضر تھا اپنے آنے کے بارہ گھنٹے کے بعد بہت بے قرار تھا اور وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح میں نجیب آباد چلا جاؤں اور طرح طرح کے عذر بجنور کے رہنے میں پیش کرتا تھا مگر ہم کو اس وقت تک چنداں شبہ اس پر نہ تھا ہم اس کے جھوٹے عذروں کو سچا سمجھتے تھے اور ہر طرح سے اس کی خاطر کرتے تھے کہ بجنور میں مقیم رہے کیوں کہ ہم کو اس سے بڑی توقع کمک کی تھی مگر اب ہم خیال کر سکتے ہیں کہ یہ بیقراری اس کی صرف اس سبب سے ہوگی کہ بجنور میں اس کا منصوبہ پورا نہ ہوا تھا یعنی نہ تلنگے آئے تھے اور نہ خزانہ لے جانے کا اس کو قابو ملا تھا۔ اس لئے وہ گھبراتا تھا اور چاہتا تھا کہ بجنور سے نجیب آباد جا کر اور کوئی نیا منصوبہ کرے غرضکہ دو روز بمشکل ٹھہرا اور پھر نجیب آباد چلا گیا۔

صـ۶۱

چند نامی دیہات کے لٹنے کا ذکر

غرضکہ جہاں تک ممکن تھا انتظام کیا جاتا تھا مگر یہ گنوار فساد سے باز نہ آتے اور دیہات لوٹتے رہے پرتاب پور پرگنہ نجیب آباد پر ڈاکہ چڑھا وہاں لڑائی ہوئی اور چوکیدار اور چندا پدھان زخمی ہوا۔ اکبر آباد کے مردھوں اور قصائیوں نے بہت بڑا غول بنایا پہلے اکبر آباد کے پٹواریوں کو لوٹا پھر سکندر پور کے جاٹوں کو جا مارا پھر حاجی پور پر چڑھ آئے۔ حاجی پور پر مقابلہ ہوا اور کئی آدمی حاجی پور کے معہ بڈھا مقدم آلا ہیڑی والا کے جو حاجی پور والوں کی مدد کو آیا تھا مارے گئے پھر رامپور کو جا لوٹا بعد اس کے سب جاٹ آپس میں متحد ہوئے انہوں نے اکبر آباد کو جا مارا سب گھر لوٹ لئے اور جلا دیئے اور پھر تماشہ یہ تھا کہ یہ گنوار جو اپنا بدلہ لینے کو جمع ہوتے تھے اور لام باندھتے تھے صرف یہی نہ تھا کہ اسی گاؤں کو لوٹیں جس سے عداوت ہے بلکہ جب لام تیار ہو گیا جس کو چاہا اور جس کو کمزور دیکھا لوٹ لیا۔

انتظام ضلع کو سپرنٹنڈنٹوں کا مقرر کرنا

انہی خرابیوں کے سبب سے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے یہ مناسب تجویز فرمائی تھی کہ چند ذی عزت آدمی جن کا دباؤ ضلع میں ہو بطور سپرنٹنڈنٹ ضلع مقرر کئے جاویں اور وہ جمعیت مناسب ساتھ لے کر ہر ایک پرگنہ میں گشت کرتے رہیں اور جہاں گنواروں کی لام بندی سنیں ان کو متفرق کر دیں چنانچہ شفیع اللہ خاں بھائی احمد اللہ خاں بدذات کا اور مصطفےٰ خاں رشتہ مند نامحمود خاں کا اور سعد اللہ خاں رئیس ڈھیپور کا جو سابق میں تھانہ دار نگینہ تھا اس کام کے لئے نامزد کئے گئے۔ کیوں کہ یہ لوگ ذی عزت تھے اور ان کے ساتھ بہت پٹھان اچھے سپاہی ساتھی اور برادری کے تھے اور بڑی منفعت یہ بھی تھی کہ یہ نالائق سرکار کو اپنے حال پر متوجہ دیکھ کر شکر سرکار کا ادا کریں گے اور خیر خواہی سرکار میں بدل معروف رہیں گے اور اس کا نتیجہ بہت اچھا پاویں گے اور جو کہ یہی لوگ ضلع میں فساد مچا سکتے تھے ان کو اپنی طرف کر لینے سے فساد نہ ہونے کی بھی توقع تھی درحقیقت یہ تدبیریں ایسی پسندیدہ تھیں کہ اگر آدمی اچھے ملتے تو بہت اچھا انتظام ضلع میں رہتا۔ نگینہ کے ہندو اور مسلمان سب رئیسوں نے مل کر یہ درخواست کی کہ گشت و گرداوری نگینہ کے لئے نتھے خاں جو لکڑیوں کی تجارت کا کام کرتا تھا مع قدرے جماعت کے مقرر کیا جاوے۔ شاید اگر وہ ایسی درخواست نہ کرتے تو ص ۱۱
نتھے خاں اس وقت سرغنہ مفسدان بن کر فساد شروع کرتا۔ چنانچہ ان رئیسوں کی درخواست منظور ہوئی اور نتھے خاں کے نام حکم گشت و گرداوری جاری کیا گیا ان سب حالات میں ظاہر ہے کہ ہمارے جناب صاحب کلکٹر و مجسٹریٹ بہادر کسی وقت تدبیر سے غافل نہیں رہے اور جو جو تدبیر انہوں نے کی ایسی پسندیدہ اور مستحکم تھی کہ اس سے بہتر کوئی اور تدبیر نہیں ہو سکتی تھی۔

چاندپور میں ڈاکہ پڑنے کا ذکر

چھبیسویں مئی کو عید کے دن بہت سے میواتی اور پچھاندے جاٹ چاندپور پر چڑھ

آئے اور ڈاکہ ڈالنا چاہا شہر والوں نے کمال مستعدی سے ان کا مقابلہ کیا اور کئی آدمی طرفین کے مارے گئے اور زخمی ہوئے اور شہر لٹنے سے بچ گیا بعد اس کے پھر بہت سے گنوار دو بارہ چاندپور پر ڈاکہ ڈالنے کو جمع ہوئے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے نجف علی نائب رسالدار رخصتی رجمنٹ کو افسر کر کے پچیس سوار واسطے اعانت پولس کے روانہ چاندپور کئے وہ سوار وہاں پہونچے اور دو روز مقام کیا جب ڈاکہ والے متفرق ہو گئے بجنور میں واپس آئے۔ جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر کو فی الجملہ سستی اور ڈرپوکی تھانیدار چاندپور کی واضح ہوئی۔ تھی اس لئے گلاب سنگھ تھانہ دار کو طلب فرما کر تنبیہ اور چشم نمائی فرمائی پھر اس نے وہاں جا کر جمعیت بھورا ناتھ جمعدار کے موضع چھلی کو جو دیہات مفسدوں میں سے تھا جلا دیا اور اس تادیب سے فی الجملہ پرگنہ میں امن ہو گیا۔

ملازمین جدید رکھنے سے کچھ فائدہ نہ تھا

مگر جس قدر سپاہی اور سوار بڑھائے جاتے تھے کچھ ہماری دلجمعی نہ ہوتی تھی اور درحقیقت کچھ دلجمعی کی بات نہ تھی کیوں کہ اس زمانہ میں یا یہ کام تھا کہ اگر اتفاقیہ کوئی فوج ضلع میں آجاوے تو اس کا مدافعہ کیا جاوے یہ بات ان آدمیوں سے کسی طرح ممکن نہ تھی یا یہ کہ ضلع میں اگر کوئی نامی آدمی بگڑ جاوے تو اس کا علاج کیا جاوے مگر ان آدمیوں سے اس امر کا بھی انسداد ممکن نہ تھا بلکہ اس وقت یہ سب آدمی بغل کے دشمن ہوتے کیوں کہ تمام ضلع کی نظر نا محمود خاں پر تھی البتہ گنواروں کا انتظام اس جمعیت سے ممکن تھا مگر یہ جب ہوتا جب ان دونوں باتوں سے طمانیت ہوتی۔

چند سواروں کا بریلی سے اور تلنگوں کا مراد آباد سے آنا

جناب صاحب کلکٹر بہادر بتاکید واسطے طلب کمک کے تحریر فرماتے تھے آخر کو فوج کی کمک سے ناامیدی ہوئی مگر جناب مسٹر رابرٹ الگزنڈر صاحب بہادر کمشنر نے جو پچیس سوار جدید ملازم رکھ کر بریلی سے بھیجے تھے اٹھائیسویں مئی کو اور مراد آباد سے چالیس تلنگے اور سی پلٹن

کے جو بگڑ کر پھر چند روز کے لئے سیدھی ہو گئی تھی بجنور کو روانہ ہوئے تھے انتیسویں مئی کو بجنور پہنچے۔ تیسویں مئی کو رات کے وقت جناب جارج پامر صاحب بہادر اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور ان تلنگوں کو معہ بیس سوار کے جن کا افسر بہادر علی خاں رسالدار رخصتی مرسلہ جناب صاحب کمشنر بہادر تھا تشریف فرمائے منڈاور ہوئے کیوں کہ پرگنہ منڈاور میں گوجروں وغیرہ گنواروں کا بہت زور تھا اور انہوں نے محمد پور اور منڈاور پر ڈاکہ ڈالنے کو بہت بڑا لام باندھا تھا۔

احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں کا بدنیتی سے کام لینا

جناب صاحب کلکٹر بہادر کے سامنے بھی احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اس کے بھائی نے جو کام کئے اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی خود سری اور خود مختاری کے شبہ سے خالی نہ تھے مثلاً بنجارہ بہ ارادہ فاسد جنگل میں جمع ہوئے تھے ان پر شفیع اللہ خاں دوڑ ے گیا اور ان کو مارا اور ان کا اسباب جو مشہور ہے کہ بیس پچیس ہزار روپیہ کی مالیت کا تھا لوٹ لیا اور چند بنجاریوں کو بطور لونڈیوں کے اپنے گھر پکڑ لایا تھا۔ جب بنجاروں نے ایکا کیا اور بہت بنجارے جمع ہوئے تب ان عورتوں کو ایک ہفتہ کے بعد چھوڑا اسی طرح احمد اللہ خاں بھاگو والہ پر جہاں بنجارہ جمع تھے دوڑے گیا تھا اور ان میں سے چند بنجاروں کو پکڑ لیا تھا اور یہ بات سنی گئی تھی کہ کچھ روپیہ لیکر چھوڑ دیا اور یہ بھی مشہور ہوا تھا کہ ایک بنجارہ کو مار کر درخت میں لٹکا دیا تھا اور دوڑ لیجاتے وقت راہ میں جب کنک پور پہنچا تھا ایک پنہال کو زخمی کیا تھا اور دس ہزار روپیہ کا اسباب لوٹ لیا تھا۔ لوڈھ گری کے جاٹوں نے چند دیہات لوٹے تھے شفیع اللہ خاں ان پر دوڑ لے گیا اور مقابلہ کے وقت ان سے بھاگا یہ وہ زمانہ ہے کہ نا محمود خاں بلا طلب جناب صاحب کلکٹر بہادر نجیب آباد سے بجنور آتا تھا اور بمقام کرتپور مقیم تھا۔ شفیع اللہ خاں نا محمود خاں پاس کرتپور میں گیا اور اس کو معہ جماعت ہمراہیاں لوڈھ گری پر لایا گاؤں کو لوٹ لیا اور پھونک دیا اگر ان صد ۱۹
باتوں پر لحاظ کیا جاوے تو خود سری کی بو سے خالی نہ نکلیں گی۔

نا محمود خاں کا دوسری دفعہ بلا طلب بجنور میں آنا

نا محمود خاں باوجودیکہ پہلی دفعہ ہرگز بجنور میں رہنا نہ چاہتا تھا لیکن اب کی دفعہ بلا طلب

جناب صاحب کلکٹر بہادر کے نجیب آباد سے بجنور کو آنا خالی شبہ سے نہ تھا چنانچہ یکم جون کو وہ بجنور میں پہونچا اور احاطہ کوٹھی جناب صاحب کلکٹر بہادر میں اس نے ڈیرہ کیا اب کی دفعہ علامتیں بغاوت کی اس کے چہرہ سے ظاہر تھیں اور وہ اپنے دل کو اپنی حکومت کے خیال سے خوش کرتا تھا اور اس کے عشق میں چور تھا اور ڈپٹی صاحب کے سامنے اس نے ایسی باتیں کیں جن سے صاف ارادہ فاسد اس کا ظاہر ہوتا تھا ڈپٹی صاحب نے مجھ کو بلا کر نا محمود خاں کی فاسد نیت سے مطلع کیا میں نے کہا کہ فی الفور جملہ حال جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کرنا چاہئیے۔ چنانچہ اس کی باتوں سے جو فساد اس کی نیت کا ہم کو معلوم ہوا تھا ہم نے جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کیا اور یہ تجویز ہوئی کہ نا محمود خاں کو بجنور سے رخصت کیا جاوے۔ اب اس کا جانا مشکل معلوم ہوتا تھا مگر بحکمت اس کو بہ بہانہ دورہ پرگنہ چاند پور روانہ کیا مگر وہ چلتا ہوا دارانگر کو چلا گیا۔

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا منڈاور میں مفسدوں کو تنبیہ کرنا

اکیتسویں مئی ۱۸۵۷ء کو جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر معہ اپنے لشکر کے منڈاور پہنچے اور جہاں جہاں گوجروں کی لام بندی کا شبہ تھا وہاں کی خبریں منگوائیں اور چار بجے خود معہ سید تراب علی تحصیلدار اور لطافت علی تھانہ دار سوار ہوئے اور اسحہ کھیڑی تک جو گنگا کے کنارے پر ہے تشریف لے گئے اور دو جزائلیں اس گاؤں میں سے لے آئے دوسرے دن یکم جون کو خبر ملی کہ موضع فضل پور میں گنواروں نے لام باندھا ہے جناب صاحب ممدوح نے بیس یا تیس تلنگہ اور بیس سوار اور میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور اور میر لطافت علی تھانیدار منڈاور کو ساتھ لیا اور میر محمد علی پیشکار سررشتہ رئیس منڈاور اور تخمیناً ایک ہزار آدمی ساکنان منڈاور بھی ساتھ ہوئے اور میمی بساون پدھان شیخو پورہ کو معہ اس کے دونوں بیٹوں کے ساتھ لیا قریب موضع فضل پور کے باغ میں بہت سے آدمی تخمیناً چار ہزار کے قریب مجتمع معلوم ہوئے صنہ ۲۰
جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور سواروں کو ساتھ لے کر دائیں طرف سے ان پر حملہ کیا اور میر تراب علی تحصیلدار اور لطافت علی تھانیدار

اور میر محمد علی پیشکار سرشتہ تلنگوں کے ساتھ ہو کر آگے بڑھے گنواروں نے ہلہ دیکھ کر بندوقوں کا فیر کیا اور تلواریں کھینچ کر بمقابلہ پیش آئے جب اس طرف سے بندوقوں کی باڑ چلی تو وہ بھاگ نکلے مگران پر حملہ کر کے بہت سے آدمیوں کو گھیر لیا اور موضع فضل پور میں آگ لگادی اور لوٹ لیا پندرہ بیس آدمی جان سے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور تینتیس آدمی ہتھیار بند گرفتار ہوئے اور بہت سے آدمی بہی ندی اور گنگا میں ڈوب کر مر گئے اور فضل پور کے سوا جہانگیر پور اور بھوج پور اور شیخو پورہ اور حسین پور زائن پور اور امین پور بھی جلائے گئے کہ ان گاؤں کے لوگ بھی شریک تھے۔

پچاس ہزار روپیہ کا بجنور سے میرٹھ کو جانا

اس اثنار میں دوسری جون کو جناب کپتان گف صاحب بہادر معہ چند سواروں کے میرٹھ سے خزانہ لینے کو بجنور میں تشریف لائے اور پچاس ہزار روپیہ کنوئیں میں سے نکال کر صاحب ممدوح کے سپرد کئے گئے باوجودیکہ صاحب پاس سوار بہت کم تھے اور ڈاکو والوں کے ہر طرف غول کے غول جمع تھے مگر صاحب موصوف نے بہ کمال دلاوری خزانہ ہاتھیوں پر لدوا چوتھی جون کو براہ گھاٹ دارانگر میرٹھ کو لے چلے گئے۔ جس دلاوری سے صاحب خزانہ لے گئے ہیں ہر شخص اس کو دیکھ کر اور سن کر عش عش کرتا تھا۔ دوسری تاریخ کو جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے قیدیوں کو جو پرگنہ منڈاور میں گرفتار ہوئے تھے روانہ بجنور کیا اور گوالوں کے گوجر طلب کئے اور تیسری تاریخ کو بہت سے گوجر حاضر آئے اور ان سے مچلکہ فساد نہ کرنے اور ہتھیار حاضر کر دینے اور لوٹ کا مال واپس کر دینے کا لکھوایا اس تنبیہہ سے نہایت ڈر اور انتظام ضلع میں ہو گیا۔ اور ایسا خیال کیا جاتا تھا کہ شاید تمام ضلع میں سے شورش جاتی رہے۔

بریلی کا بگڑنا اور مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا بجنور میں واپس آنا

مگر افسوس ہے کہ اس انتظام سے پہلے یعنی ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی اور مراد آباد بگڑ چکا

تھا اور سب صاحب لوگ وہاں سے تشریف لے گئے تھے اگرچہ یہ خبر کچھ کچھ مشہور ہوئی تھی اور ہم اسے اخفا کے درپے تھے۔

صد ۱۲ مگر تیسری تاریخ کو شام کے وقت بذریعہ چھٹی معتبر خبر بگڑ جانے بریلی اور مراد آباد کی پہونچ گئی تھی۔ اس لئے جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا ایسے حالات میں تلنگوں کے ساتھ رہنا کسی طرح مناسب نہ تھا اس لئے صاحب موصوف کو لکھا گیا کہ بلا عذر بجنور میں چلے آویں چنانچہ اسی رات صاحب موصوف بجنور میں تشریف لے آئے اور صبح کو سید تراب علی تحصیلدار معہ تلنگوں کے بجنور میں پہونچے اور دوسرے روز تلنگے روانہ مراد آباد ہوئے۔

بریلی بگڑنے کے بعد بجنور کا کیا حال تھا

کئی روز سے ڈاک بریلی کی بند تھی اور پار کی ڈاک منتظم نہ تھی۔ اور اس سبب سے ہم لوگ نہایت متردد اور فکرمند تھے اور ظاہر ہے کہ ہم سب کی بلکہ بہت سے اضلاع کی نظر بریلی پر تھی اور جبکہ بریلی اور شاہجہان پور اور پیلی بھیت اور بدایوں اور مراد آباد سب اضلاع روہیلکھنڈ کے بگڑ چکے تھے تو اس بجنور کے ضلع کے قائم رہنے کی کیا توقع تھی جو پہاڑ اور جنگل اور گنگا کے کھادر سے ملا ہوا ہے اور جس میں کسی طرح کا سامان حفاظت اور مقابلہ یا معتمد تھوڑی سی فوج بھی جناب صاحب کلکٹر بہادر کے ہاتھ میں نہ تھی اور نہ ہاتھ آنے کی توقع تھی اور جس میں مسٹر کولبرک صاحب بہادر ۱۸۱۲ء میں ایک بہت بڑا کانٹوں دار درخت بو گئے تھے یعنی بسا گئے تھے اجڑے ہوئے اور جلاوطن ہوئے جھبو خاں باپ نا محمود خاں کو نجیب آباد میں جس کے سبب گویا یہ برباد ہوا ہوا خاندان پھر لوگوں کی نظروں میں سما گیا تھا اور اسی سبب سے ہر ایک شخص ضلع کا اپنے تئیں قدیم متوسل اور پرانا نمک خوار اور پشتینی تابعدار نا محمود خاں کا سمجھتا تھا اور ایسے تزلزل کے وقت میں ہر ایک کی نگاہ اسی پر پڑتی تھی اور درحقیقت روہیلکھنڈ کے بگڑنے کے بعد کون مصلحت دے سکتا تھا کہ حکام انگریزی ایسی حالت میں بھی ضلع نہ چھوڑیں۔ مگر ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے اس حالت پر بھی استقلال کو ہاتھ سے نہیں دیا اور بدستور ضلع کے انتظام پر کمر باندھے رہے اور جناب صاحب ممدوح کی حسن تدبیر سے ہم سب کو امید تھی کہ شاید ایسے وقت

میں بھی ضلع قایم رہے بشرطیکہ اور کوئی آفت پیدا نہ ہو۔ مگر اس آفت نے ہم کو نہ چھوڑا جس کا داغ ہمارے دل پر سے کبھی نہیں جانے کا۔

نا محمود خاں کا تیسری دفعہ بارادہ فساد بجنور میں آنا

نا محمود خاں جو دارانگر کی جانب گیا ہوا تھا اس کو کسی نے خبر پہنچی کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر خزانہ ہلدور کو روانہ کرتے ہیں۔ ہلدور والوں کا خاندان ضلع میں ایک بڑی وحشت والا مشہور تھا اور نا محمود خاں کو اگر کچھ اندیشہ تھا تو اسی خاندان سے تھا۔ اس نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ معاملہ اسی طرح پر ہوا تو شاید اس کے دلی ارادوں میں زیادہ دقت پیش آوے یہ خبر سنتے ہی اس نے اپنی بدلی ہوئی نیت کا ظاہر کرنا اور اس کا اثر دکھانا اپنے دل میں ٹھان کر دفعتاً ساتویں جون ۱۸۵۷ء کو معہ اپنے ساتھی پٹھانوں کے بجنور میں چلا آیا اور شام تک کچھ اور پٹھان نجیب آباد سے بھی آ گئے تھے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس رات نا محمود خاں کے پاس تخمیناً دو سو ڈھائی سو پٹھان اچھے بندوقچی معہ ساز و سامان موجود ہوں گے ہم نے جو پٹھان اور اور لوگ نئے نوکر رکھے تھے ان کا بلکہ پرانے نوکروں کا بھی دل نا محمود خاں کی طرف پاتے تھے۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ یہ سب لوگ نا محمود خاں سے ملتے تھے اور میٹھی میٹھی باتیں اُس سے کرتے تھے۔ اور کیا تعجب ہے کسی راز میں بھی شریک ہوں۔ اس زمانے میں بجنور میں یہ آفت ہو گئی تھی کہ ہر ایک شخص کے دل میں جم گیا تھا کہ سرکار کی عملداری اٹھ جاوے گی اور بے شبہ نا محمود خاں مسند حکومت پر بیٹھے گا اس لئے ہر ایک شخص اس ضلع کا رہنے والا اس سے راہ و رسم رکھنی ضروری سمجھتا تھا اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب ہمارے نوکر بھی نا محمود خاں کے ساتھیوں میں سے تھے اور ہم کو ہرگز توقع نہ تھی کہ برے وقت پر یہ لوگ ہمارا ساتھ دیویں گے بلکہ ہم یقین جانتے تھے کہ یہ سب نا محمود خاں کے ساتھ ہو جاویں گے۔

نا محمود خاں کے اس ارادے کا ذکر کہ رات کو فساد کرے

اسی تاریخ چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور پاس مفصل خطوط حالات بگڑنے بریلی

اور مراد آباد کے آگئے اور خان بہادر خاں کی بے ایمانی اور نمک حرامی کی بھی مفصل خبر آگئی اور
انہوں نے وہ سب خط جناب صاحب کلکٹر بہادر کو دکھا دیئے اور کمبخت نا محمود خاں کو بھی
بدذات خان بہادر کی خبر مل چکی تھی. اور در حقیقت اسی خبر سے اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا ۳ٹلہ
کہ خان بہادر خاں کی پیروی کرے اور رات کا وقت اپنا ارادہ پورا کرنے کا ٹھہرا چکا تھا مگر
اس وقت تک ہم کو اس بدذات کے ارادے کی خبر نہیں ملی تھی صرف اتنی بات ہوئی تھی کہ
جب نا محمود خاں آیا تو جناب صاحب کلکٹر بہادر نے دو دفعہ اس کمبخت کو بلایا اور وہ نہ گیا
اور جب گیا تو اس کی بات چیت میں خود جناب صاحب کلکٹر بہادر نے بے رخی دیکھی اور
اس کی پیشانی پر اس کے دلی ارادہ کا اثر پایا رات کو آٹھ بجے محمد سعید خاں محرر کلکٹری ساکن
نجیب آباد نے مجھے خبر دی کہ محمود خاں کا ارادہ آج رات کو فساد کرنے کا ہے کیونکہ اس بات
کے سننے سے کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر خزانہ لنڈھور بھیجتے تھے نہایت برہم ہے کچھ عجب نہیں
کہ رات کو کشت و خون ہو جاوے میں نے محمد سعید خاں سے کہا کہ تم ابھی جاؤ اور تدبیر کرو کہ
فساد نہ ہو اور خود اور ولی محمد کی معرفت میری طرف سے نواب کی خاطر جمع کر دو کہ خزانہ
لنڈھور نہیں جاوے گا اور نہ وہاں بھیجنے کی صلاح ٹھہری ہے اور اسی وقت میں نے سعد اللہ
خاں بڑھ پور والے کو بلایا اور اس کو بہت سمجھایا کہ تم فساد کو روکو اور نواب کو سمجھاؤ اور
کہہ دو کہ اگر بالفرض خدا نخواستہ دو انگریز مارے بھی جاویں گے تو کیا فائدہ ہوگا اور بدنامی
اور نمک حرامی جدا ہوگی اور خدا کے یہاں جدا منہ کالا ہوگا اور اس بات کا میں ذمہ دار
ہوں کہ خزانہ لنڈھور نہیں جاوے گا اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کوئی ایسی بات نہیں کریں گے
جس سے نواب صاحب کی سرداری اور اعتبار پر دوسرے کو ترجیح ہو پھر فساد کرنے اور بدنامی
اٹھانے اور خوں ریزی ہونے سے کیا فائدہ ہے پھر میں اور سید تراب علی تحصیلدار اسی وقت
جناب صاحب کلکٹر بہادر پاس حاضر ہوئے اور ڈپٹی صاحب بھی وہاں آئے ہوئے تھے بعد
گفتگو مضامین ان خطوط کے جو چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور پاس آئے تھے یہ سب حالات
مفصل میں نے جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کئے اور در باب قیام اور عدم قیام حکام
اور انتظام ضلع در صورت تشریف بری حکام کے بہت سی گفتگو اور مصلحت رہی۔

ص ۲۴ اسی دن مرادآباد سے یہ بھی خبر آئی کہ کچھ باغی فوج اور دو توپیں بجنور کو روانہ ہونے کو ہیں۔
اگرچہ اس وقت بھی ہم کو اس خبر کے صحیح ہونے میں کچھ شبہ نہ تھا اور عقل بھی اس بات کو قبول
کرتی تھی کہ نمک حرام فوج کی بڑی غرض خزانہ لوٹنے سے اور اس سے زیادہ مطلب حکام انگریزی
کے نقصان جان کا تھا پھر بجنور کو ان آفتوں سے خالی چھوڑنا ہرگز قیاس میں نہیں آتا تھا مگر کئی
دن بعد ہم کو بخوبی تحقیق ہو گیا تھا کہ یہ خبر بالکل سچ تھی اور منشا اس کا یہ ہوا تھا کہ جب وہ چالیس
تلنگہ بجنور سے روانہ ہو کر مرادآباد پہونچے تو سپاہیان پلٹن نمک حرام نے مرادآباد کے خزانہ
کا جو روپیہ لوٹا تھا اس میں سے اون کو حصہ نہ دیا اور کہا کہ تم بجنور کا خزانہ کیوں چھوڑ آئے اور
وہاں کے حکام کو کیوں زندہ چھوڑا اس لئے ان تلنگوں نے ارادہ کیا کہ اور تلنگہ اور توپ خانہ
اپنے ساتھ لے کر پھر بجنور میں آویں اور اپنا ارادہ پورا کریں غرضکہ بلا شبہ یہ ان کا ارادہ پکا قرار
پا چکا تھا اس لئے رات کو مصلحت کے وقت اس بات میں بھی کہ فوج باغی کے آنے پر کیا تدبیر
کی جاوے گی گفتگو ہوئی تھی اور لوگوں کے دلوں کا حال دیکھ کر میری یہ رائے تھی کہ جب سب
لوگوں کو یقین ہو جاوے گا کہ فوج آتی ہے اور رستہ میں ہے تو جتنے لوگ یہاں ہیں کوئی بھی ہمارا
ساتھ نہیں دینے کا اور ہم کو ایک ایسا چوہا تک بھی میسر نہیں آنے کا جو حکام انگریزی کی رفاقت
کر کے گنگا پار کسی امن کی جگہ تک ان کو پہونچا دے اور بے شبہ میری رائے بہت صحیح اور نہایت
پکی تھی اور ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر اور عقلمند آدمی بھی اس کو تسلیم کرتے تھے۔
غرضکہ بہت سی مصلحت کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ آج ہی رات کو جناب میم صاحبہ
اور عیسائی عورتیں اور بچے اور کچھ مرد بمعیت جناب مسٹر کری صاحب مظفرنگر اور وہاں
سے رڑکی روانہ ہو جاویں اور صرف جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر اور جناب مسٹر
جارج پالمر صاحب بہادر بجنور میں تشریف رکھیں بارہ بجے رات کو یہ صلاح پکی ہو گئی اور جناب
ص ۲۵ میم صاحبہ کی روانگی کی تیاری ہونے لگی اس وقت نامحمود خاں کی ان بدنیتیوں کے سبب جناب
بخوبی کھل گئیں تھیں یہ رائے ٹھہری کہ بلا اطلاع نامحمود خاں میم صاحبہ کے روانہ کرنے میں مبادا
کچھ فساد ہو جاوے بظاہر اس سے بھی صلاح لے لی جاوے چنانچہ جناب صاحب کلکٹر
بہادر کے حکم سے اسی وقت رات کو نامحمود خاں کے پاس جو احاطہ کوٹھی میں مقیم تھا میں

گیا اور میں نے اس کو پٹھانوں کے غول میں بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے اس سے عرض کیا کہ مجھ کو علیحدہ آپ سے کچھ عرض کرنا ہے اول تو اس نے ایک عجیب غرور سے کہا کہ یہاں کون غیر ہے سب بھائی پیٹھان ہیں کہو مگر میرے اصرار پر اٹھ کر آیا میں نے اس سے اول یہ بات کہی کہ آپ کو کس نے یہ خبر دی ہے کہ خزانہ ہلدور جاتا ہے یہ بات بالکل جھوٹ ہے اور میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ خزانہ نہیں جانے کا اس نے جواب دیا کہ میرا منہ کالا ہونے میں اب کچھ باقی نہیں میرے ساتھ کے پٹھان مجھ کو گالیاں دیتے ہیں اور بہت برا بھلا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خان بہادر خاں اپنی موروثی گدی پر ہو بیٹھا اس کمبخت کو کیا ہوا ہے جو چپکا بیٹھا ہے اور میں نے انگریزوں کا نمک کھایا ہے میں نہیں چاہتا کہ کوئی انگریز مارا جاوے اور میرا منہ کالا ہو۔ اگر انگریزوں کو اپنی جان بچانی ہے تو یہاں سے نکل جاویں اگر کوئی پیٹھان مار دے گا تو میں کیا کروں گا۔ علاوہ اس گفتگو کے جس طرز اور انداز پر اس نے مجھ سے باتیں کیں جس کی کیفیت بات چیت کرنے میں متکلم اور مخاطب ہی خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے اور بیان میں نہیں آسکتی اس سے مجھ کو بخوبی یقین ہو گیا کہ یہ کمبخت فساد کرنے پر بالکل مستعد اور ہمہ تن بلکہ ہمہ جاز[?]مادہ ہے اس وقت جو میرے دل پر جو کیفیت تھی میں ہرگز بیان نہیں کر سکتا کیوں کہ مجھ کو یقین ہو گیا تھا کہ آج حکام انگریزی کی جان کو ضرور نقصان پہونچے گا میں نے اس سے کہا کہ جو بات بغیر فساد کے حاصل ہو اس میں فساد کرنا اور بدنامی اٹھانی نہیں چاہیئے۔ اگر آپ کی صلاح ہو تو ہم ایسی تدبیر کریں کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر سے کہہ کر آج رات کو جناب میم صاحبہ اور اور صاحبوں کو یہاں سے روانہ کر دیں دو ایک روز میں جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جینٹ مجسٹریٹ بہادر خود چلے جاوینگے اور تم نواب ہو ہی بغیر فساد اور بدنامی کے تمہارا مطلب حاصل ہو جاوے گا اور اسی قسم کی صہ ۲۶ اور باتیں جو باتیں مناسب وقت کے تھیں اس سے کیں جن سے اس کے دل میں یہ بات پڑی کہ حکام انگریزی کی جان کو نقصان نہ پہونچے اس نے جواب دیا کہ یہ کہاں کا بکھیڑا ہے کہ آج جناب میم صاحبہ جاویں اور پھر حکام جاویں اگر جانا ہے تو آج سب چلے جاویں ورنہ میرا منہ کالا ہو گا یعنی کوئی مارا جاوے گا اس وقت تک تو میں نے پٹھانوں کو روک روک کر

رکھا ہے پھر میرے قابو سے باہر ہو جاویں گے۔ حال یہ ہے کہ نجیب آباد میں ناممود خاں اور احمد اللہ خاں نے بہت سے آدمی نوکر رکھ لئے تھے اور بہت سے پٹھان ان کے ساتھی وہاں جمع تھے ایسا گمان بلکہ یقین ہوتا ہے کہ اس نے اس گروہ کو نجیب آباد سے بلایا تھا اور منتظر تھا ان لوگوں کے آجانے کا اس کی دلیل ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسی رات بہت سے آدمی نجیب آباد سے روانہ ہو چکے تھے۔ اور جب ہم کوٹلہ بھاگے جاتے تھے تو بہت سے غول نجیب آباد سے آتے ہوئے ہم کو ملے تھے اور بجرد تشریف فرما ہونے جناب صاحب کلکٹر بہادر کے ایک معقول جمعیت ناممود خاں پاس جمع ہو گئی تھی۔ پھر اگر یہ بات نہ تھی جو ہم خیال کرتے ہیں تو اس طرح سے دفعتاً نجیب آباد سے آدمیوں کا بجنور میں جمع ہونے کا کیا سبب ہوگا۔

غرضکہ جب مجھ کو یقین ہو گیا کہ ناممود خاں نے فساد کرنا بخوبی اپنے دل میں ٹھان لیا ہے اور وہ کسی طرح باز نہیں آنے کا اس وقت میں نے کہا کہ چلو ہم اور تم چل کر جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کر دیں کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں اس نے کہا کہ میں تو نہیں جاتا اور میں صاحب کلکٹر سے کہہ چکا ہوں کہ یہاں نہ رہیں اور جو شرط نمک حلالی کی تھی اس سے میں ادا ہوا اب چاہے جاویں چاہے نہ جاویں۔ یہ کہہ کر اپنے پٹھانوں میں جا بیٹھا۔

ناممود خاں کی بدنیتی معلوم ہونیکے بعد انتظام ضلع اور تشریف بری حکام میں مشورہ ہونا

لاچار میں نے آن کر یہ سب حال جناب صاحب کلکٹر بہادر سے عرض کیا اور اس وقت در باب سپردگی ضلع اور تشریف بری حکام کی پھر مصلحت ہوئی ایسے حال میں کہ مراد آباد سے فوج باغی کے آنے کی خبر گرم تھی اور کوئی آدمی ملازمان جدید و قدیم میں سے قابل اطمینان کے نہیں تھا اور دشمن قوی بغل میں اور ظاہر ہے کہ ہم تین آدمی بجز اس کے کہ اپنی جان ص ۲۷
دیدیتے اور کیا کر سکتے کچھ چارہ نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ حکام انگریزی سر دست حفظ جان کا کریں اور ضلع چھوڑ دیں چنانچہ ہم سب کی یہی رائے قرار پائی اور ہمارے حکام نے بھی اس کو پسند کیا اگرچہ اول اول ڈپٹی صاحب کو اس میں تامل تھا مگر پھر بھی رائے ان کے نزدیک

بھی مستحسن ٹھہری اگرچہ اس وقت کوئی اور مصلحت نہ تھی بجز اس کے کہ ضلع کمبخت نامحمود خاں کے ہاتھ میں چھوڑا جاوے۔

چودھریوں کا انتظام ضلع سے انکار کرنا

مگر ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر نے بنظر دور اندیشی اور اس خیال سے کہ شاید اور کوئی کام کی بات نکل آوے چودھری رندھیر سنگھ رئیس ہلدور اور چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور سے پوچھا کہ تم ضلع کا انتظام کر سکتے ہو انہوں نے مجبوری اپنی اور نہ ہو سکنا اس کام کا اپنے سے بیان کیا اور در حقیقت ممکن نہ تھا کہ ضلع کے آدمی نامحمود خاں کو چھوڑ کر اور کسی کی حکومت قبول کرتے ہیں نے جناب صاحب کلکٹر بہادر کے روبرو چودھری رندھیر سنگھ سے یہ بات بھی کہی تھی کہ ایسی تدبیر ہو سکتی ہے کہ بروقت آجانے پلٹن باغی کے جب تک کہ وہ ضلع سے چلی جاوے حکام انگریزی کی حفاظت رہے چودھری صاحب نے اس امر کا ہونا بھی غیر ممکن بیان کیا غرضکہ یہ سب باتیں دو بجے رات کے طے ہوئیں اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے بھی روانگی کی تیاری کی میں تعریف نہیں کر سکتا اپنے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی مروت اور اخلاق اور ہر ایک اپنے متوسل کی پرورش کے خیال کا کہ ایسے نازک وقت میں جناب ممدوح نے سب عیسائی مرد اور عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور ہم سے پوچھا کہ تم کیا کرو گے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم بھی بھاگیں گے ڈپٹی صاحب کے اہل و عیال سب ہلدور جا چکے تھے سید تراب علی تحصیلدار کے اہل و عیال اور چھوٹے بچے اور لڑکیاں سب بجنور میں تھیں۔ صاحب نے تراب علی سے فرمایا کہ ہم سب کو مثل اپنے سمجھتے ہیں اور سب کی حفاظت جان اپنے ساتھ چاہتے ہیں۔ اگر تمہاری عورتوں اور بچوں کا ہمارے ساتھ چلنا ہو تو ہم سب کو لے چلیں گے مگر یہ امر بہت مشکل تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ بالفعل کوٹلہ جاویں گے حد ۲۸
اور وہاں سے جہاں امن ملے اور جو الفاظ ہماری دلجوئی اور پرورش اور مہربانی کے ہم پر فرمائے ان کا ہم شکر ادا نہیں کر سکتے۔ غرضکہ اس وقت میں اور سید تراب علی اجازت لے کر عورتوں کے اور بچوں کی روانگی کے سامان کو کوٹھی سے باہر نکلے اور نامحمود خاں سے میں نے کہا کہ اب سب

صاحب جاتے ہیں تم ان صاحبوں کی حفاظت میں اب بہت کوشش کرو۔ کیوں کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر کا ارادہ ہے کہ پار پہنچ کر گورنمنٹ کو رپورٹ کریں کہ یہ تمام ضلع تم کو مل جاوے اور اسی قسم کی مصلحت آمیز باتوں سے اس کو خوش کیا اور بخوبی اپنی خاطر جمع کر لی کہ کچھ اب فساد نہیں ہونیکا اس وقت میں اور سید تراب علی تحصیلدار مکان پر آئے اور فی الفور عورتوں کو اور بچوں کو سوار کر کے تین بجے رات کے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی کوٹھی کے احاطہ کے پاس لاکر ٹھہرایا اور خود ہم دونوں جناب ممدوح کے پاس حاضر ہوئے اور سواروں کے افسروں سے کہا کہ کچھ سوار ہمراہی کو چلیں سمجھو ہماری بات کو سب چپکے ہو رہے مگر قطب الدین رسالدار اور جو نئے سوار بریلی سے آئے تھے اور ابھی ان کا میل جول نا محمود خاں سے نہیں ہوا تھا ہمراہی کو مستعد ہوئے اور بہادر علی جمعدار اور تین چار سوار پرانے آمادہ ہوئے۔ ہاتھی سب تیار تھے اور سوار بھی تیار ہو کر کوٹھی پر حاضر ہوئے اس وقت سید تراب علی تحصیلدار کو بھیج کر نا محمود خاں کو بلوایا گیا اور جناب صاحب کلکٹر بہادر نے فرمایا کہ ہم جاتے ہیں اور ضلع تمہارے پاس چھوڑتے ہیں تم بخوبی انتظام رکھو اور ہمارے اہلکاروں سے کام لو اور آرام سے رکھو نا محمود خاں نے کہا کہ مجھ کو خط لکھ دو جناب صاحب کلکٹر بہادر نے مجھ کو حکم دیا کہ لکھ دو میں نے اس وقت خط لکھا اگرچہ نقل اس خط کی نہیں ہے مگر جو مضمون مجھ کو یاد ہے لکھتا ہوں امید ہے کہ لفظوں میں بھی فرق نہ ہوگا۔

تحریر ہونا خط سپردگی ضلع کا بنام نا محمود خاں

مضمون خط موسومہ نا محمود خاں از طرف جناب صاحب کلکٹر بہادر مرقومہ شب مابین ہفتم وہشتم جون۔

ص ۲۹ جو کہ بالفعل انتظام ضلع بجنور کا جب تک کہ سرکار کی مرضی ہو۔ آپ کے سپرد ہوتا ہے آپ کو چاہیئے کہ ضلع کا بخوبی انتظام کرو اور جس قدر اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کا کوٹھی میں ہے اور جس قدر مال و اسباب و دفتر سرکاری ہے اس کی بخوبی حفاظت رکھو مرقوم ساتویں جون ۱۸۵۷ء۔

تفصیل روپیہ اور مال سرکاری کی جو خزانہ میں اس وقت موجود تھا۔

جس وقت یہ کاغذ تحریر ہوا اس وقت حسب ذیل روپیہ خزانہ میں اور کنویں میں موجود تھا۔

تفصیل روپیہ اور مال سرکاری کی جو خزانہ میں اس وقت موجود تھا۔

	روپیہ	آنہ	پائی
باقیات خزانہ ساتویں جون ۱۸۵۷ء	۹۶۰۹۹	۲	۴
بابت شفاخانہ نگینہ و نجیب آباد	۲۲۰۰	۰	۰
بابت تنخواہ اہلکاران مفصل	۳۵۰۰	۰	۰
آمدنی کارخانہ جیل خانہ	۵۹۳	۵	۱
میزان ناظر	۱۵۰	۰	۰
بابت حساب خزانچی	۶۷۹۶	۱	۱۱
	۱۰۹۳۳۹	۹	۴

استامپ و افیون

	روپیہ	آنہ	پائی
کاغذ استامپ	۲۸۰۰۰	۰	۰
ٹکٹ ڈاک	۳۵۰	۰	۰
افیون بحساب خرید سرکار	۳۹۶۰	۰	۰
بابت اضافہ قیمت نرخ فروخت افیون	۳۹۶۰	۰	۰
	۳۶۲۷۰	۰	۰

روانہ ہونا حکام کا بجنور سے

یہ خط بعد دستخط نا محمود خاں کو دیا گیا اور وہ بد نصیب اس کو لے کر باہر آیا جناب صاحب

کلکٹر بہادر نے کلمات رخصت ہم سے فرمائے اور جو رنج اور درد جدائی کا ہمارے دل پر تھا صـ۳۰
وہ ہم نے ظاہر کیا تھوڑی دیر بعد سب سوار ہوئے کوکوٹھی کے برآمدے میں آئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر نے بہ کمال عنایت مجھ کو اور سید تراب علی تحصیلدار کو رخصت کیا کہ اپنی عورتوں کو ساتھ لے کے چلے جاویں ہم رخصت ہوئے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور سب صاحب سوار ہو کر تشریف فرما ہوئے ڈپٹی صاحب معہ چودھری رندھیر سنگھ ہلدور کو چلے گئے سمجھو اس بات کو کہ وہ سب نمک حرام پرانے سوار معہ بہادر علی جمعدار کے گنگا کے کنارے پر سے نامحمود خاں پاس بھاگ آئے مگر نئے سوار رڑکی تک ساتھ رہے اور وہاں پہنچ کر بگڑ گئے ان کا کوٹ ہوا جناب صاحب کلکٹر بہادر کی عنایت سے ان کی جان بخشی ہوگئی محمود خاں نے سورج کو بھی اچھی طرح نکلنے نہیں دیا کہ بجنور میں اپنے نام کی منادی ان الفاظ سے کہ خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم نواب محمود خاں بہادر کا پٹوائی اور نواب بن بیٹھا۔

نامحمود خاں کے خاندان کا پچھلا حال

مناسب ہے کہ اس مقام پر تھوڑا سا حال نامحمود خاں کے خاندان کا بیان کروں نامحمود خاں پوتا ہے نجیب[۳۲] خاں کا جو احمد شاہ کے وقت میں یعنی سنہ ۱۷۴۸ء میں دوندے[۳۳] خاں کا نوکر تھا اور اس کی طرف سے پرگنہ دارانگر کی تحصیل کرتا تھا اس نے بہت سے لوگ اپنے ساتھ جمع کئے اور ان پرگنہ جات پر جو اب ضلع بجنور میں ہیں قبضہ کر لیا پھر دوندے خاں کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی اس سبب سے مستقل مالک اس ملک کا ہوگیا اور بادشاہ کے دربار تک رسائی بھی کرلی۔

جب عالمگیر ثانی تخت پر بیٹھا یعنی سنہ ۱۷۵۴ء میں تو نجیب خاں نے جیت سنگھ ڈکیت کو مار کر کچھ گنگا پار کا علاقہ بھی جو اب ضلع سہارنپور میں شامل ہے اپنے ملک میں ملا لیا اور بادشاہ کے دربار سے اس کو نجیب الدولہ امیر الامراء کا خطاب ملا اور سنہ ۱۷۵۵ء میں اس نے قلعہ پتھر گڑھ بنایا اور نجیب آباد بسایا۔

جب نجیب الدولہ سنہ ۱۷۷۰ء میں مر گیا اس کا بیٹا ضابطہ خاں اس کی جگہ بیٹھا نواب شجاع الدولہ لکھنؤ والہ نے بسبب نہ ادا کرنے روپیہ معاملہ مرہٹوں کے جس کا ضامن شجاع الدولہ ہوگیا صـ۳۱

تھا ضابطہ خاں کو سنہ ۱۷۷۲ء میں اس ملک سے خارج کر دیا۔ ضابطہ خاں نے نواب عبد الاحد کی سفارش سے سنہ ۱۷۷۹ء میں بابت سہارنپور کی سند بادشاہ سے حاصل کی اور غوث گڑھ میں رہنا اختیار کیا۔

اس کے مرنے کے بعد غلام قادر خاں اس کا بیٹا اس کی جگہ بیٹھا اور اس نے شاہ عالم کو اندھا کیا مہاراجہ پٹیل نے اس جرم میں اس کو بعد مقابلہ گرفتار کیا اور لوہے کے پنجرے میں قید کر کے اور ایک ایک عضو جدا جدا کر کے مار ڈالا معین الدین خاں عرف بھنبو خاں غلام قادر کا بھائی بھاگ کر پنجاب چلا گیا۔

جب سرکار دولتمدار انگریزی نے اضلاع دہلی کو فتح کیا تب بھنبو خاں کو بلا کر بہت خاطر کی اور پانچ ہزار روپیہ مہینے کی پنشن مقرر کر کے بریلی میں رہنے کا حکم دیا اور پھر مسٹر کولبرک صاحب بہادر کی رپورٹ سے سنہ ۱۸۱۲ء میں نجیب آباد میں آباد ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد سرکار دولتمدار انگریزی نے بنظر ترحم محمود خاں اور جلال الدین خاں اس کے بیٹے اور بیٹیوں کے لئے ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر کی اور ہر ایک شخص کو اس خاندان میں سے بہت بڑے بڑے معزز عہدے عطا فرمائے کہ تمام خاندان بہ کمال عزت اپنی زندگی بسر کرتا تھا بھنبو خاں نے اس زمانے میں جب کہ ایک جعلی غلام قادر خاں دہلی میں اکبر بادشاہ کے دربار میں آیا تھا یعنی سنہ ۱۲۴۶ھ مطابق سنہ ۱۸۳۱ء بادشاہ کے ہاں رسائی پیدا کی اور اپنے بیٹوں کے نام خطاب حاصل کیا اب اس غدر میں اس خاندان نے سرکار دولتمدار انگریزی سے نمک حرامی کی اس مقام پر کرسی نامہ اس نمک حرام خاندان کا لکھا جاتا ہے۔

جب کہ ہم رخصت ہو کر کوٹلہ کی طرف روانہ ہوئے راہ میں ہم کو بہت سے غول سپاہیوں کے نجیب آباد سے بجنور آتے ہوئے ملے اور کوٹلہ میں شفیع اللہ خاں بھانجا محمود خاں کا ملا جو نجیب آباد سے بجنور کو آتا تھا کہ یہ سب باتیں رات والے ارادہ کو بخوبی تصدیق کرتی ہیں۔ ہم نے دو تین روز کوٹلہ میں قیام کیا اور ہم اس فکر میں تھے کہ یہاں سے کدھر جاویں اور کیوں کر جاویں کہ اس درمیان میں متواتر احکام نا محمود خاں کے ہماری طلب میں پہونچے آخر کو سوار آن کر ہم کو بجنور لے گئے اور سید تراب علی تحصیلدار کے قبائل نگینہ روانہ ہو گئے اور ڈپٹی صاحب بھی ہلدور سے حسب صہ ۳۲
الطلب بجنور میں آئے ہم سب نے نا محمود خاں سے ملاقات کی مگر جیسا کہ وہ چاہتا تھا اس کو

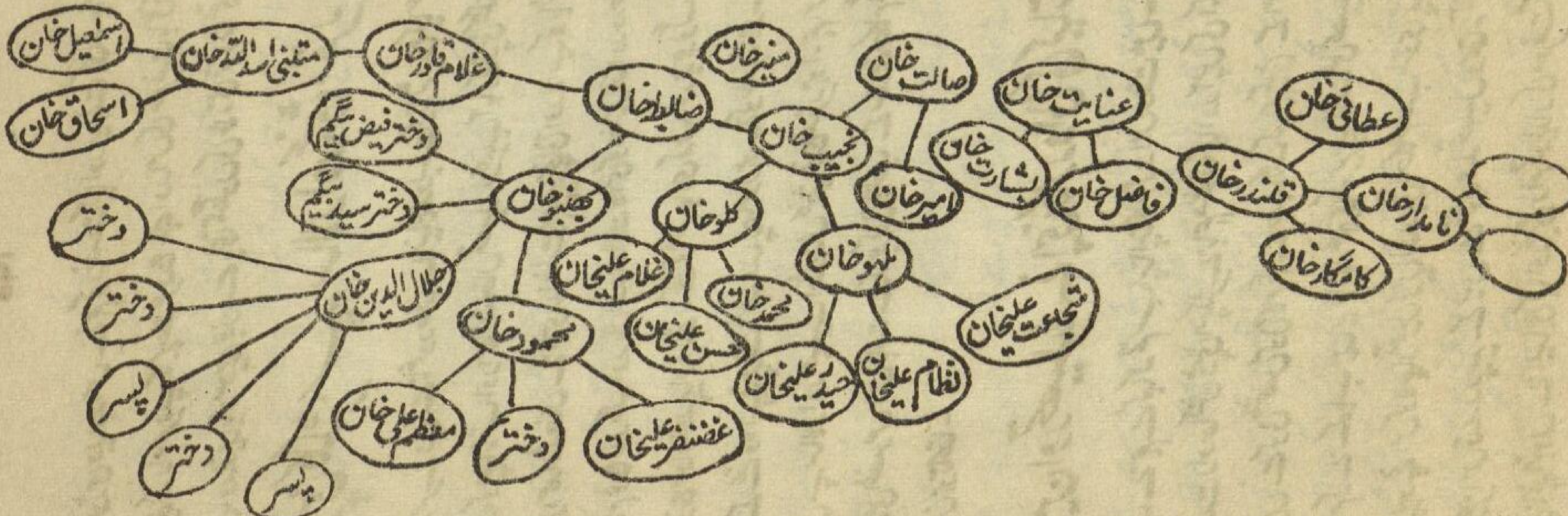
نذریں نہیں دیں تھوڑی دیر بعد اس نے ہم کو رخصت کیا اور یہ بات کہی کہ بدستور اپنا کام کرو ہم نے بجنور میں دیکھا کہ رام سروپ کا بہت عروج ہے اور اس کی معرفت باغی تلنگہ نواب پاس نوکر ہوتے جاتے ہیں اور نویں یا دسویں جون سے باغی تلنگوں کی ملازمی شروع تھی۔

نائب ڈپٹی کلکٹر، سپہ سالار اور بخشی مقرر ہونا

اس کے دوسرے دن سے نا محمود خاں نے نیا بندوبست کرنا شروع کیا عظمت اللہ خاں منصف ٹھاکر دوارہ کو اپنا نائب اور احمد اللہ خاں تحصیلدار نجیب آباد کو ڈپٹی کلکٹر متعہد اور جنٹ مجسٹریٹ مقرر کیا مگر احمد اللہ خاں نے ایسی مداخلت بہم پہونچائی اور نواب کو بالکل ایسا اپنے قابو میں کر لیا کہ تمام انتظام فوج اور ملک اور مال اور عدالت کا اسی کو اختیار تھا اور درحقیقت نواب صرف برائے نام رہ گیا تھا فوج سوار اور پیادہ کے رکھنے کو قلم جاری کر دیا اور جو جو لوگ پرانے عہدہ دار نواب کے خاندان کے تھے وہ اپنے پرانے عہدوں پر مامور ہونے کو طلب ہوئے اور احمد یار خاں عرف کلن خاں سپہ سالار اور حبیب اللہ خاں بخشی فوج مقرر ہوا۔ ہم اس حال کو دیکھ دیکھ کر بہت گھبراتے تھے علی الخصوص اس بات سے کہ جو کوئی نواب کے سامنے حکام انگریزی کا نام لیتا تھا تو وہ بہت ناراض ہوتا تھا۔

صدر امین اور تحصیلدار نے اپنی کارروائی کی کیا تدبیر کی

جبکہ نواب نے ہم سے کہا کہ تم سب اپنا اپنا کام کرو اس وقت میں نے اور تراب علی تحصیلدار اور پنڈت رادھاکشن ڈپٹی انسپکٹر نے باہم مشورہ کیا اور آپس کی ایک کمیٹی بنائی اور یہ تجویز کی کہ ہم میں سے کوئی شخص کوئی کام نہ کرے جب تک کہ باہم کمیٹی کے اس کی صلاح نہ ہوئے چنانچہ اسی وقت کام کرنے کے باب میں یہ رائے ٹھہری کہ میر سید تراب علی تحصیلدار بجنور جو ضروری حکم نواب کا پہونچے اس کو لاچار تعمیل کریں اور باقی احکام سب ملتوی پڑے رہنے دیں اور باقی مالگذاری بجز اس قدر روپیہ کے جس سے تنخواہ عملہ تحصیل و تھانہ تقسیم ہو جائے اور کچھ وصول نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بخشی رام تحویلدار کی معرفت کہ وہ بھی خیر خواہ


اسمٰعیل خان
اسحاق خان
متبنی اسد اللہ خان
غلام قادر خان
ضابطہ خان
منیر خان
صالت خان
عنایت خان
عطائی خان
دختر فیض بیگم
دختر سید بیگم
بھنبو خان
نجیب خان
کلو خان
امیر خان
بشارت خان
فاضل خان
قلندر خان
نامدار خان
کامگار خان
دختر
دختر
پسر
دختر
پسر
جلال الدین خان
محمود خان
معظم علی خان
دختر
غضنفر علیخان
غلام علیخان
محمد خان
حسن علیخان
ملہو خان
حیدر علیخان
نظام علیخان
شجاعت علیخان

سرکار اور ہمارا ہمراز تھا۔ جو مالگذار آیا اسی کو فہمائش کی گئی کہ روپیہ مت دے اس تساہل تحصیل سے نواب ناراض ہوا اور احکام سخت بھیجنے لگا اور کلمات نا ملایم پرواجات میں تحریر ہونے لگے اور نسبت اہل کار دیوانی یہ رائے ٹھیری کہ جب تک ہو سکے میں صدر امین بموجب آئین سرکار دولتمدار انگریزی کام کرتا رہوں اور کسی طرح کا تعلق نواب سے اس کام کا نہ رکھوں چنانچہ مجھ صدر امین نے ایسا ہی کیا اور جو روبکاریاں اور رپورٹیں قابل ارسال بحضور جناب صاحب جج بہادر تھیں ان میں علی الاعلان کچہری میں بھی حکم تحریر ہوتا رہا کہ بحضور جناب صاحب جج بہادر بھیجی جاویں اس میں فائدہ یہ تھا کہ عوام یہ سمجھتے تھے کہ حکام انگریزی کا تسلط بدستور ہے البتہ نواب کو یہ امر بہت ناگوار تھا اور ایسی باتوں سے اس کی دشمنی ہمارے ساتھ زیادہ ہوتی جاتی تھی مگر ہم کو توقع تھی کہ ہمارے حکام بہت جلد پھر ضلع میں تشریف لاتے ہیں۔

مراد آباد سے بجنور میں فوج باغی کے آنے کی خبر کا مشہور ہونا اور ناہمحمود خاں کا اس سے سازش کرنا

فوج نمک حرام باغی جو مراد آباد میں مقیم تھی ان کے ساتھ سازش کرنے کی ناہمحمود خاں کو بہت فکر تھی اور خبر آمد آمد فوج مراد آباد کی بجنور میں بہت گرم تھی اور خطوط بھی مراد آباد سے دربارۂ قصد روانگی فوج کے جانب بجنور کو آئے تھے اس لئے ناہمحمود خاں نے رام سروپ جمعدار چپراسیان اور مصاحب علی دفعدار سواران کو معہ چند اپنے معتمدوں کے دھامپور روانہ کیا اور مراد آباد کو خطوط بھیج کر فوج کو سمجھا دیں کہ صاحبان انگریزی یہاں سے معہ کل خزانہ کے چلے گئے۔ اب یہاں نہ خزانہ ہے نہ حکام انگریز کا پھر یہاں آنا بے فائدہ ہے اور اگر بہ ارادہ ملاقات میرے پاس آویں تو ان کا گھر ہے۔ جب یہ خبر فوج والوں کو ہوئی تو انہوں نے آنا بجنور کا ملتوی کیا اور رام سروپ وغیرہ دھامپور سے واپس آئے چند روز بعد نواب کو کسی طرح معلوم ہوا کہ فوج باغی کا ارادہ ہے کہ گھاٹ دارانگر سے گنگا پار اتریں اس لئے اس نے درباب فراہمی رسد احکام بنام تحصیلداران جاری کئے اور تعلقہ داران کے نام بھی پروانہ رسد رسانی کے لکھے چنانچہ جو پروانہ بنام چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور لکھا تھا اس کی نقل یہاں لکھتا ہوں۔

نقل پروانہ دستخطی نواب محمود خاں ص ۳۴۷

رفعت و عوالی مرتبت عزیز القدر چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور بخیریت رہو چو بہ اطلاع آمد پلٹن مراد آباد کے پروانہ جات بنام تحصیلدار چاند پور و دھامپور وغیرہ در بارہ انتظام و فراہمی رسد وغیرہ مقام فرودگاہ لشکر پر جاری ہوئے ہیں ۔ لہٰذا تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم بھی جس قدر ہو سکے در بارہ انتظام ندیہ نیے رسد وغیرہ کے ممد و معاون ان کے رہو تاکید جانو مرقوم ۷ار جون ۱۸۵۷ء ۔

مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ کا موقوف کرنا

اس عرصہ میں نواب کے پاس بہت سے رشتہ مند اس کے جمع ہو گئے اور اس کو اپنے رشتہ داروں کی پرورش منظور ہوئی اور یہ بھی اس کو خیال تھا کہ یہ معزز عہدہ دار بسبب خیر خواہ ہونے سرکار کے میری مرضی کے مطابق کام نہیں کرتے ہیں اس لئے سترویں جون ۱۸۵۷ء کو پہلی بسم اللہ اس نے مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ کو برخاست کیا اور عباد اللہ خاں اپنے رشتہ مند کو جو پیشکار تحصیل کاشی پور ضلع مراد آباد تھا تحصیلدار نگینہ مقرر کیا جب مولوی قادر علی برخاست ہو کر بجنور میں آئے نواب کچھ متوجہ نہ ہوا انہوں نے اپنی اس برخواستگی کو غنیمت سمجھا ان آفات سے علیحدہ ہو جانا بہت اچھا جانا اب ہم اس مقام پر پروانہ برخواستگی مولوی قادر علی کو بعینہ نقل کرتے ہیں ۔

نقل پروانہ دستخطی نا محمود خاں

رفعت و عوالی مرتبت عزیز القدر مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ بعافیت باشند چو بنظر انتظام حاضر ہونا تمہارا حضور میں ضرور ہے لہٰذا حسب الحکم روبکار امروزہ تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم کار مفوضہ اپنا سپرد برادر عزیز القدر گرامی شان محمد عباد اللہ خان کے کر کے حاضر حضور ہو اور تم اپنے دل میں کچھ ہراس نہ کرو کہ تم سے حضور میں کار سرکار لیا جاوے گا ۔ مرقوم ۷ار جون ۱۸۵۷ء

نا محمود خاں کا صدر امین سے مشورہ کرنا اور صدر امین کا اسکی خواہش سے انکار کرنا

اسی تاریخ نا محمود خاں نے رات کے وقت مجھ صدر امین کو اپنے پاس بلایا اور نا محمود
خاں اور احمد اللہ خاں نے تخلیہ میں مجھ سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ
اور تم ہم سے ہمارے ساتھ شریک ہونے پر حلف کرو اور جو جاگیر نسلاً بعد نسلاً اب ہم سے ٹھہرالو ۳۵ص
اور ہم سے حلف لو کہ ہم ہمیشہ وہ جاگیر بحال رکھیں گے اول تو مجھ کو بڑا ڈر ہوا کہ کیا جواب دوں
پھر میں نے اپنے دل کو اسی بات پر مستقیم کیا کہ سچی بات اور سیدھی بات کہنی ہر وقت اچھی ہوتی ہے
میں نے عرض کیا کہ نواب صاحب میں اس بات پر حلف کر سکتا ہوں کہ میں ہر حال میں تمہارا خیر
خواہ رہوں گا اور کسی وقت تمہاری بدخواہی نہ کروں گا الا اگر تمہارا ارادہ ملک گیری اور
انگریزوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا ہے تو میں تمہارے شریک نہیں ہوں اور میں
نے کہا کہ خدا کی قسم نواب صاحب میں صرف تمہاری خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تم اس ارادہ
کو دل سے نکال دو حکام انگریزی کی عملداری کبھی نہیں جائے گی اگر فرض کرو کہ تمام ہندوستان
سے انگریز چلے گئے تو بھی حکام انگریزی کے سوا کوئی عملداری ہندوستان میں نہ کر سکے گا اور میں
نے کہا کہ تم اطاعت سرکار اپنے ہاتھ سے مت دو اگر بالفرض انگریز جاتے رہے جیسا کہ تمہارا
خیال ہے تو تم نواب بنے بنائے ہو تمہاری نوابی کوئی نہیں چھینتا اور اگر میرا خیال سچ نکلا تو تم
خیر خواہ سرکار ہو گے اور سرکار کی طرف سے تمہاری ترقی اور بہت قدر ہو وے گی اور اگر تم
مجھ کو انتظام ملک میں شریک کیا چاہتے ہو تو جناب صاحب کلکٹر بہادر سے اجازت منگا لو اور
یہ اقرار کر لو کہ کوئی کام نہیں کریں گے جب تک پہلے اس کی منظوری جناب صاحب کلکٹر بہادر
سے حاصل نہ کر لیں۔ اگر نا محمود خاں میں عقل ہوتی تو سمجھتا کہ یہ سب باتیں اس کی بھلائی کی
تھیں۔ مگر چونکہ جبلت اس کی بدی پر تھی وہ ان باتوں سے ناراض ہوا۔ اور چیں بجبیں ہو کر
مجھ کو رخصت کیا اور ہر طرح ہماری دشمنی کے درپے ہو گیا۔ اور جان لیا کہ یہ لوگ رفاقت
سرکار انگریزی سے باز نہ آویں گے پھر ہم پر زیادہ تر زیادتی شروع کی میرے خاص رہنے کے

مکان کو بجبر مجھ سے چھین لیا اور اپنی فوج کے افسروں کو دیدیا جو اسباب میرا اس میں بند تھا وہ سب فوج والوں نے لے لیا سید تراب علی تحصیلدار کا گھوڑا بہ تعیناتی تیس سپاہیوں کے بجبر چھین لیا اور ہر طرح سے درپے ہمارے آزار کے ہو گیا ہم دن رات اس فکر میں تھے کہ کسی طرح
صـ۷۳ قالب کے پنجے سے نکل جاویں مگر ممکن نہ تھا جناب صاحب کلکٹر بہادر بجنور ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ علاقہ جنگل کپتان ریڈ صاحب بہادر میں بیلداران متعینہ یکسار نے فساد کرنا چاہا تھا اس لئے مسٹر اسمتھ صاحب کان ڈاکٹر معہ اپنی میم صاحبہ کے اور مسٹر برٹن صاحب سارجنٹ یکسار سے نجیب آباد میں آ گئے تھے اور خاص محمود خاں کے مکان میں رہتے تھے ان دنوں میں ایک گروہ سواروں کا رڑکی سے آیا اور ان دونوں صاحبوں اور میم صاحب کو بخیریت یہاں سے لے گئے اور رڑکی میں پہنچا دیا۔

خزانہ کا نجیب آباد روانہ ہونا اور خزانچی پر پہرہ کا مقرر کرنا اور چودھری نین سنگھ کا نواب سے مقابلہ کرنا

اسی عرصہ میں احمد اللہ خاں نے خزانہ سرکاری جو کنویں میں تھا نکالنا شروع کیا اور کچھ اس میں سے احمد اللہ خاں نجیب آباد لے گیا اور نا محمود خاں نے ہر ایک رئیس سے بھی مخالفت شروع کی جمعیت سنگھ برہمن رئیس بجنور کے گھر پر واسطے تلاشی مسماۃ پنا پاتر کے سوائی سنگھ جاٹ کو مع جمعیت کثیر چڑھا بھیجا۔ چودھری جودھ سنگھ رئیس بجنور سے جو اسباب مسٹر لمیٹر کا اس کے پاس امانت تھا طلب کیا۔ بانکے رائے خزانچی بجنور نے کچھ اسباب اپنا خفیہ بلدور روانہ کیا تھا اس سبب سے اور نیز اس باعث سے کہ کسی شخص نے مخبری کی کہ جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر صاحب ایک بکس مملو اشرفی و جواہر خزانچی پاس امانت ہے خزانچی کے مکان پر بہ تعیناتی دو افسری رام سروپ جمعدار معہ چند باغی تلنگوں کے جو معرفت رام سروپ ملازم ہوئے تھے۔ اکیسویں جون ۱۸۵۷ء کو پہرہ متعین کر دیا اور رام سروپ نے طرح طرح کی تکلیفیں بانکے رائے خزانچی اور اس کے بھائی بہاری لال کو دیں اور کچھ روپیہ بھی رام سروپ نے لیا جب یہ باتیں ہونے لگیں تو چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ رئیسان بجنور نے نواب سے ارادہ

مقابلہ کیا اور دیہات سے آدمی جمع کئے ہزارہا آدمی گنوار بجنور میں جمع ہو گئے نواب نے دیکھا چودھریوں سے مصالحت چاہی چنانچہ ایک دن رات کے وقت چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ رئیسان بجنور واسطے صلح کے نواب پاس کوٹھی پر گئے مگر اس وقت ملاقات نہ ہوئی جب وہاں سے پھرے تو دونوں چودھری تحصیل میں آئے اور مجھ سے اور سید تراب علی تحصیلدار سے یہ بات کہی کہ ہمارا ارادہ ہے کہ اگر نواب کو اٹھادیں ہم نے جواب دیا کہ ہم اس میں کچھ صلاح نہیں دے سکتے کیونکہ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ امر حکام انگریزی کی مرضی موافق ہوگا یا نہ ہوگا تمہارا جو دل چاہے سو کرو مگر یہ سمجھ لو کہ تمام اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کا اور خزانہ سرکاری اور دفتر اب تک موجود ہے اگر اس پر کچھ آفت پہنچی اور لٹ گیا تو بلاشبہ باعث نارضامندی حکام انگریزی ہوگا۔

منیر خاں جہادی کا بجنور میں آنا اور چودھریان بجنور اور نواب سے صلح کا ہونا

یہ ہنگامہ ہنوز برپا تھا کہ دفعتاً منیر خاں نامی ساکن گنج پورہ نگینہ سے جہادی بن کر معہ جمعیت چار سو آدمیوں کے بجنور میں داخل ہوا اور احمد اللہ خاں جو نجیب آباد گیا ہوا تھا اس فساد کی خبر پاکر بجنور میں آیا اور احمد یار خاں عرف کلن خاں سپہ سالار اور نادر شاہ خاں رسالہ دار رخصتی رجمنٹ ملتان جو بجنور میں آگیا تھا درمیان میں پڑے اور آپس میں نواب کے اور چودھریوں کے صلح ٹھیری احمد اللہ خاں اور دونوں چودھری صاحب تیئیسویں جون ۱۸۵۷ء کو کچہری تحصیل میں آئے اور بہت سی گفتگو کے بعد صلح ٹھیری چودھری صاحبوں نے گنگا جل اٹھایا کہ ہم نواب کے تابعدار اور مطیع رہیں گے اور احمد اللہ خاں نے اسی جلسہ میں کلام اللہ پر مہر کی کہ ہم چودھریوں کے ساتھ برائی متہیں کریں گے اور نا محمود خاں اور عظمت اللہ خاں نے کوٹھی پر سے کلام اللہ پر مہر کرکے بھیجدی اور آپس میں صلح ہو گئی چوبیسویں جون ۱۸۵۷ء کو بانکے رائے خزانچی سے چار ہزار روپیہ لینے ٹھیرے اور وہ بکس جناب مسٹر پامر صاحب بہادر کا بھی جو خزانہ میں تھا لے لیا اور خزانچی کے مکان پر سے پہرہ اٹھ گیا۔

منیر خاں جہادی کا صدر امین اور ڈپٹی کلکٹر اور تحصیلدار اور ڈپٹی انسپکٹر کا تنگ کرنا اور مولوی علیم اللہ سے گفتگو ہونا

منیر خاں جہادی نے بجنور میں بہت غلغلہ مچایا اور مجھ صدر امین اور رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر اور میر تراب علی تحصیلدار بجنور پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے انگریزوں کی رفاقت کی ہے اور ان کو زندہ بجنور سے جانے دیا ہے اور اب بھی انگریزوں سے سازش اور خط و کتابت رکھتے ہیں اس لئے ان کا قتل واجب ہے اور در حقیقت ہماری خفیہ خط و کتابت جناب مسٹر جان کریسی کرافٹ ولسن صاحب بہادر سے جاری تھی اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ہمارے ساتھ فساد کرنے میں نواب کا بھی اشارہ تھا کیوں کہ اس میں بڑی حکمت یہ تھی کہ جہادیوں کے ہاتھ سے ہم لوگوں کے مارے جانے میں نواب کی کچھ بدنامی نہ ہوتی تھی اور کام نکلتا تھا اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر کی نسبت علاوہ اس الزام کے یہ بھی جرم لگایا گیا تھا کہ عیسائی مکتب ہر جگہ بٹھاتا پھرتا تھا۔ غرضکہ منیر خان نے ہم پر زیادتی کی اور بجبر حکومت ہم کو طلب کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر حاضر نہ ہو گے تو بہتر نہ ہوگا اور بڑی مشکل یہ ہوئی کہ چند چپراسیان تحصیل ہم سے مخالف اور جہادیوں سے جا ملے تھے اس لئے لاچار میں اور سید تراب علی تحصیلدار اس کے پاس گئے۔

منیر خاں نے مجھ سے درباب مسئلہ جہاد گفتگو کی میں نے اس سے کہا کہ شرع کے بموجب جہاد نہیں ہے اور اسی قسم کی گفتگو کے بعد ہم وہاں سے چلے آئے اس کے دوسرے دن منیر خاں مذکور مولوی علیم اللہ رئیس بجنور پاس گیا اور درباب مسئلہ جہاد ان سے گفتگو کی تحقیق سنا کہ مولوی علیم اللہ نے بہت دلیری سے اس کے ساتھ گفتگو کی اور بہت دلیلوں سے اس کو قائل کیا کہ مذہب کی رو سے جہاد نہیں ہے۔ مگر اس گفتگو پر بہت دنگہ ہوا اور منیر خاں کے ساتھیوں نے مولوی علیم اللہ کے قتل کو تلوار نکالی مگر لوگوں نے بیچ میں پڑ کر بچا دیا اس کے دوسرے دن منیر خاں معہ اپنے ساتھیوں کے بجز ان چند آدمیوں کے جنہوں نے ان گفتگوؤں کے بعد ساتھ چھوڑ دیا تھا دہلی چلا گیا اور وہاں جا کر لڑائی میں مارا گیا۔

خزانہ اور اسباب حکام انگریزی کا نجیب آباد کو روانہ ہونا اور ڈاک کا بند ہونا اور مسودہ عرضی موسومہ بادشاہ کا تحریر ہونا

بعد اس کے احمد اللہ خاں نے کچھ اور روپیہ خزانہ سے نکالا اور بہت سے آدمی ملازم رکھے اور بہت سا اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کا اور ڈاکٹر صاحب بہادر اور انگریزی دلیوں کا روانہ بجنور کیا اور ڈاک سرکاری سب کی تمام چٹھیوں کو اور جون سے کھول کر پہلے پڑھ لینا شروع کر دیا تھا اور جس کو چاہتا تھا پھاڑ ڈالتا تھا اور جس کو چاہتا تھا مکتوب الیہ کو دینے کا حکم دیتا تھا بالکل بند اور مسدود کر دی کہ
ص ۳۹ بائیسویں جون سے روانگی ڈاک بجنور بند ہو گئی اس عرصہ میں غلغلہ ہوا کہ بہادر خاں نے فرمان حکومت ملک کٹہر کا بادشاہ دہلی سے حاصل کیا اور کٹہر کا تمام ملک اس کو مل گیا نا محمود خاں کو بڑا تردد ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ملک کٹہر میں یا ضلع بجنور بھی شمار میں آجاوے اور حکومت اس ضلع کی بھی خان بہادر خاں کو مل جاوے اس لئے ان سب نے آپسمیں مل کر تجویز کی کہ ایک عرضی بادشاہ دہلی کو بھیج کر اس ضلع کی سند نا محمود خاں کے نام پر بادشاہ سے حاصل کی جاوے چنانچہ ان سب نے باہم مشورہ کر کے ایک مسودہ عرضی مرتب کیا اور عمدہ خاں کے ہاتھ اس کا بھیجنا تجویز ہوا۔

احمد اللہ خاں کا دورہ کو اٹھنا

بعد مرتب کرنے اس مسودہ کے احمد اللہ خاں نے دورہ کا ارادہ کیا بڑی غرض اس دورہ سے اپنی حکومت کا بٹھانا تھا اور روپیہ تحصیل کرنا تھا چنانچہ دسویں جولائی ۱۸۵۷ء کو اس نے بجنور سے نجیب آباد کو کوچ کیا اور تیرھویں تاریخ کو عمدہ خاں عرضی موسومہ بادشاہ دہلی بجنور سے لے کر روانہ دہلی ہوا اسی تاریخ احمد اللہ خاں نجیب آباد سے نگینہ آیا اور چودھویں کو دھام پور پہونچا وہاں جانے سے مطلب یہ تھا کہ امام بخش عرف ماڑے بدمعاش شیر کوٹ نے جو روپ چند مہاجن کو لوٹا تھا اور لاکھ ہا روپیہ کا مال لے لیا تھا اس کا تدارک کرے اور جو روپیہ اس نے لوٹا ہے وہ اس سے چھین کر اپنے قبضے میں لاوے ماڑے نے بھی اپنے پاس سامان لڑائی

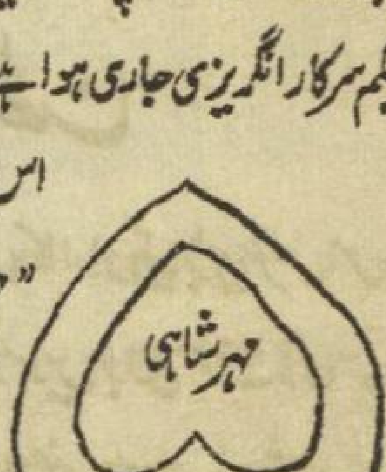
درست کیا تھا اور آدمی جمع کئے تھے اور شیر کوٹ میں مستعد مقابلہ بیٹھا تھا اس لئے احمد اللہ خاں نے دھامپور میں کئی دن مقام کیا۔

ماڑے کا پچھلا حال

ماڑے قوم کا شیخ اور قدیمی بدمعاش آدمی ہے نصف قصبہ شیر کوٹ کا اس کے بڑوں کی زمینداری میں تھا اس سبب سے اس کے بڑے چودھری کہلاتے تھے مگر یہ شیخ بہت مفلس اور بدمعاش ہو گیا تھا چودھری پرتاب سنگھ اس کی ماں کو ڈیڑھ روپیہ مہینہ دیتے تھے ماڑے بدمعاش مارچ ۱۸۵۵ء میں بہ اجلاس مسٹر چارلس جان وینگناڈ صاحب بہادر کے بعلت بدمعاشی بہ میعاد ایک سال قید ہوا تھا۔

وزن انگریزی کی تبدیلی اور باٹوں کا چھاپہ بلفظ مہر شاہی ہونا ض۴

جب کہ نامحمود خاں عرضی موسومہ بادشاہ دہلی بھیج چکا تو اس کے دل میں یہ خبط سمایا کہ اس ضلع میں کچھ کچھ نشان بادشاہی عملداری کے جاری کئے جاویں اور خاص علامات حکومت گورنمنٹ کو مٹایا جاوے۔ اس ارادہ پر اٹھارویں جولائی ۱۸۵۷ء کو اس نے یہ تجویز کی کہ سیر اسی روپیہ کا جو بحکم سرکار انگریزی جاری ہوا ہے موقوف ہو اور بجائے اس کے سیر قدیم بوزن سو روپیہ کے اس صورت کا جاری ہو اور اس پر ٹھپہ لگایا جاوے جس میں لکھا ہو "مہر شاہی" چنانچہ واسطے تعمیل اس کے احکام عام جاری ہوئے اور تحصیل نجیب آباد و نگینہ میں شاذ و نادر کہیں کہیں یہ سیر تیار بھی ہوئے الا تحصیل بجنور میں زمانہ قیام سید تراب علی تک اس کی تعمیل مطلق نہیں ہوئی تھی مگر بعد اس کے اس تحصیل میں بھی بنے۔



ماڑے سے احمد اللہ خاں کی صفائی اور ملاقات کا ہونا

احمد اللہ خاں کے دھامپور میں پہونچنے کے بعد سب ہندو اور مسلمان اس کے ساتھ متفق

تھے۔ اور چودھریان شیر کوٹ نے بھی ہر طرح سے اطاعت احمد اللہ خاں کی کی تھی اور بمقام دھامپور
آکر انیسویں جولائی ۱۸۵۷ء کو احمد اللہ خاں سے بطور ملازمت ملاقات کی تھی اور زمینداران شیر کوٹ
بھی احمد اللہ خان کے شریک تھے کیوں کہ ہر شخص ماڑے کا فساد رفع ہونا دل سے چاہتا تھا مگر اس وقت
تک احمد اللہ خاں سے ماڑے کچھ کم زور نہ تھا۔ اس لئے احمد اللہ خان نے ماڑے سے صلح کرنی چاہی اور
ص۲۱ اپنے معتمدوں کو بیچ میں ڈالا۔ بڑی منفعت اس صلح میں احمد اللہ خاں کو یہ تھی کہ ایک پکا بدمعاش اس
کے ہاتھ آتا تھا اور ضلع میں طرح طرح کے فساد برپا کرنے کو ایک بہت اچھا چلتا اوزار ملتا تھا۔

چنانچہ یہ حکمت اس کی چل گئی اور ماڑے صلح پر راضی ہوگیا اور بائیسویں جولائی ۱۸۵۷ء کو
ہاتھی پر بیٹھ کر بجمعیت تمام دھامپور میں آیا اور احمد اللہ خاں سے ملاقات کی اور چار اشرفیاں اور کچھ
روپیہ نذر دیئے اور تلوار کھول کر احمد اللہ خاں کے آگے رکھ دی احمد اللہ خاں نے بہت خاطر کی
اور وہ تلوار اپنی طرف سے اس کی کمر میں باندھ دی اور اسی دن شیر کوٹ کو رخصت کیا۔

احمد اللہ خاں کا شیر کوٹ میں جانا

تیئیسویں جولائی کو احمد اللہ خاں شیر کوٹ میں گئے ماڑے نے استقبال کیا اور احمد اللہ خاں
اور تمام لشکر کی دعوت کی احمد اللہ خاں نے اس کا سو روپیہ مہینہ مقرر کیا اور اہتمام رسد اور انتظام
اس کے سپرد ہوا۔ جو لوگ کہ ماڑے کے ہاتھ سے مظلوم تھے انہوں نے ماڑے کے نصیب کو یاد اور
اپنے سے زمانہ کو برگشتہ دیکھ کر روئے اور بولے کہ شعر

من زیاراں چشم یاری داشتیم   خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

چوبیسویں جولائی کو احمد اللہ خاں چودھری امراؤ سنگھ کے گھر میں گئے چودھری صاحب نے پانسو روپیہ
ان کے پیش کش کئے اور ہر طرح تابعداری سے ملے۔

چودھری امراؤ سنگھ سے بسختی باقی کا مطالبہ کرنا

احمد اللہ خاں جو بدنیتی اور فساد کا ایک پتلا تھا اور دوسرا ان کا بھی استاد نواب ماڑے
خاں بہادر بدمعاش ان کے ساتھ ہوا فساد ایک درجہ سے گیارہ درجہ ہوگیا اور چودھری امراؤ سنگھ

کو جو ضلع میں بہت نامی مالدار اور سب سے زیادہ کمزور مشہور تھا سونے کی چڑیا سمجھ کر بے سبب فساد شروع کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ زر مال گذاری جو قریب بارہ ہزار روپیہ کے تھا فی الفور ادا کرو اور ناٹمحمود خاں نے بجنور سے اور شفیع اللہ خاں نے اور عظمت اللہ خاں نے نجیب آباد سے سپاہ اور رسد وغیرہ سامان جنگ احمد اللہ خاں پاس روانہ کیا اور جو توپ کہ نگینہ سے معرفت نتھو خاں بجنور میں آئی تھی وہ بھی معہ میگزین روانہ شیرکوٹ ہوئی اور ستائیسویں جولائی کو شیرکوٹ ص۲۳
میں پہونچ گئی۔

چودھریان بجنور وغیرہ کا واسطے صفائی معاملہ شیرکوٹ کے ہلدور وتاجپور کو روانہ ہونا

اگرچہ یہ فساد صرف چودھری امراؤ سنگھ شیرکوٹ والہ سے تھا مگر ناٹمحمود خاں اور اس کے صلاح کاروں کو چودھریان ہلدور کی بڑی دہشت دل پر تھی اور چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور کو بھی ایک جتھہ اور تھوک کا آدمی سمجھتے تھے ان کو یہ خیال ہوا کہ مبادا یہ لوگ چودھری امراؤ سنگھ کی مدد کر دیں اس بات کے بند کرنے کو ناٹمحمود خاں نے ستائیسویں جولائی ۱۸۵۷ء کو نادر خاں اور حسن رضا خاں اور چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ رئیسان بجنور کو ہلدور وتاجپور روانہ کیا کہ ہماری اور چودھری امراؤ سنگھ کی صفائی ہلدور اور تاجپور کے چودھری صاحب بیچ میں پڑکر کروا دیں۔

فرمان شاہی کا آنا

ان لوگوں کے روانہ ہوئے بعد اٹھائیسویں جولائی کو عمدو خاں جو ناٹمحمود خاں کی عرضی لے کر بادشاہ پاس دہلی گیا تھا معہ فرمان شاہی موسومہ ناٹمحمود خاں بجنور میں آیا اور اس کے ساتھ لالہ متھرا داس پسر لالہ بانکے رائے خزانچی بھی دہلی سے بجنور میں آئے اور عمدو خان نے وہ فرمان ناٹمحمود خاں کو دیا چنانچہ اس کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں۔

نقل فرمان بادشاہی مورخہ ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۲۱ جلوس مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء۔

۱۲ ۵۳ محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی
ابو ظفر سراج الدین سنہ احد

فدوی خاص لائق العنایت والاحسان امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ مورد تفضلات بودہ بداند عرضداشت ارادت سمات آں فدوی خاص مشعر ظہور ابتری و بے نظمی در کل پرگنات و دیہات آن ضلع از شورش و فساد غارتگران و مفسدان و تدبیر انتظام آن بہ فراہمی جمعیت سوار و پیادہ بقدر تاب و تواں و عرض احوال رسوخ عقیدت و دادق ارادت موروثی در بارگاہ خسروی باستدعاء بذل توجہات شاہی در خصوص انتظام آن ملک بدستور سلطنت بملاحظہ قدسی گذشت و کاشف معروضات گشت فی الواقع آباء و اجداد آن فدوی خاص خاص بمورد نوازشات سلاطین پیشین انار اللہ برہانہم بودہ اند و بخصوص آں لائق العنایت والاحسان در رضا جوئی و خدمت گذاری ترہ باہرہ خلافت مرزا شاہرخ بہادر مرحوم دقیقہ فرو گذاشت نکرد باعث رضامندی خاطر دریا مقاطر گردیدہ بود نظر برآں مستحق رعایت و عنایت است و لیکن در لطے خدمات سابقہ اگر فی الحال مصدر حسن خدمتی خواہد گشت مورد مزید الطاف بادشاہی خواہد گردید و درخواست آن فدوی خاص کہ عبارت از اجازت انتظام کلی آں ضلع است برتبہ پذیرائی خواہد رسید پس تا وقتیکہ از پیشگاہ قدسی سند مستند مشرف اجرا نیابد جملہ محاصل ملکی را بعدہ وضع مصارف فوج و عملہ تحصیل بطریق امانت تصور باید کرد و بارسال آن در حضور فیض گنجور باید پرداخت و نیز زر خطیر خزانہ کلکٹری و اسباب و اسپانش کہ بعد فرار انگریزاں بہ قبضہ خود در آوردہ ہمہ معہ فرد و اصطباقی آں بمعیت متھرا داس و دو سوار ملازم بادشاہی کہ در آنجا میرسند زود تر روانہ نماید تا نقد فدویت و ارادت آن فدوی خاص محک امتحان کامل برآید و ظہور ایں گونہ دولت خواہی و خیر اندیشی وسیلہ ترقی مدارج و مراتب گردد فقط زیادہ تفضلات شناسد المرقوم ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۲۱ معلی۔ ص۳۷

میں یہ خیال کرتا ہوں کہ متھرا داس کو بادشاہ دہلی کے دربار میں کچھ رسائی یا تعلق نہ تھا کیونکہ وہ مدت سے دہلی کے رئیسوں میں نہیں گنا جاتا تھا ہمیشہ باہر رہتا تھا۔ جب عمدہ خاں دہلی گیا

اور اس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ خزانہ اور مال انگریزوں کا مطالبہ کرتے ہیں کچھ عجب نہیں کہ اس نے متھرا داس کا نام لکھوایا ہو کہ وہ متھرا داس کو ہر طرح دبا ئے گا اور اس پر جبر کرنے کا قابو رکھتا تھا ورنہ خود متھرا داس سے اور نواب سے رنجش تھی اور متھرا داس کو کمال اضطرار تھا کہ اس کے بیٹے نواب کے پنجے میں سے نکلیں چنانچہ جب متھرا داس بجنور میں آیا تو اس نے مجھ سے اور سید تراب علی سے یہ حال کہا اور اس کا دلی ارادہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس تدبیر میں تھا کہ کس طرح نواب پر ص۱۱۴ دباؤ ڈال کر اپنے بیٹوں کو نکال کرلے جاوے اور آخیر تک ہماری سمجھ میں کسی طرح کا لگاؤ اس کا نواب سے نہیں پایا گیا۔

احمد اللہ خاں کا امراؤ سنگھ کو زیادہ تنگ کرنا اور لاکھ روپیہ مانگنا

اسی تاریخ یعنی اٹھائیسویں جولائی کو یہ لوگ جو بجنور سے واسطے صفائی کے روانہ ہوئے تھے تاجپور پہونچے اور شیر کوٹ میں احمد اللہ خاں نے زیادہ تقاضا ادائے باقی کا کیا یہاں تک کہ اول تو چودھریوں نے کچھ وعدہ کیا جب نامنظور ہوا تو کچھ نقد دینا قبول کیا جب وہ بھی منظور نہوا تو کل روپیہ یکشت دینا ٹھیرا چنانچہ وہ روپیہ گڑھی میں سے ہاتھیوں پر لد کر باہر بھی نکلا مگر اس خیال سے کہ روپیہ بھی جاوے گا اور فساد رفع نہوگا احمد اللہ خاں کے سامنے پیش نہوا کیونکہ احمد اللہ خاں اب لاکھ روپیہ مانگتا تھا۔

یہ بہت اچھا موقع ہے اس بات کے بیان کا کہ ناہموار خاں اور اس کے کارپردازوں کو درحقیقت باقیات مالگذاری کے وصول کرنے کا منصب اور اختیار نہ تھا کیونکہ جو سند کہ جناب صاحب کلکٹر بہادر کی طرف سے اس کو دی گئی تھی اس میں اس قسم کی اجازت مندرج نہ تھی اور کیونکر مندرج ہوتی اس لیے کہ اگر ناہموار خاں نیک نیتی سے اور سرکار کی تابعداری اور خیرخواہی اور اطاعت سے انتظام ضلع کا کرتا تو جو روپیہ خزانہ میں نقد اس پاس چھوٹا گیا تھا وہ کافی تھا۔ پس اگر درحقیقت چودھری امراؤ سنگھ نے ادائے باقی سے انکار بھی کیا ہوتا تو بھی کچھ بیجا بات نہ تھی حالانکہ جب چودھری صاحب ادائے باقی پر مستعد تھے اور اس پر بھی احمد اللہ خاں فساد سے باز نہ آیا تو صریح دلیل اس بات پر ہے کہ خود احمد اللہ خاں کی نیت بد تھی اور چودھری کا بگاڑنا اس کو منظور خاطر تھا۔

شیر کوٹ کی پہلی لڑائی

غرضکہ اسی تاریخ چودھری امراؤ سنگھ نے گھاسا سنگھ اپنے چچا کو صلح کا پیغام لے کر بھیجا۔ احمد اللہ خاں نے اس کو گرفتار کر لیا اور کچھ صورت صفائی کی نہوئی بلکہ فساد زیادہ ہوا اور نوبت مقابلہ کی پہونچی چودھری امراؤ سنگھ گڑھی میں معہ اپنی سپاہ کے جو قریب چارسو آدمی کے تھے اور اکثر ان میں بنئے بقچی تھے اور گڑھی میں میگھ زین اور سامان رسد بھی تھا محصور ہو گئے احمد اللہ خاں نے ص۱۵
چودھری شیوراج سنگھ اور لچھمن سنگھ زمینداران شیر کوٹ کی حویلی پر توپ لگادی اور اس کے ساتھ باڑے معہ ساکنان محلہ کوٹرہ شریک ہوئے اور ان چودھریوں کی حویلی کو لوٹ لیا شیوراج سنگھ جو ماموں تھا چودھریان ہلدور کا معہ اپنی بیوی اور اپنے بیٹے کی بیوی کے مارا گیا اور فتح چند مکھن لال کو بھی لوٹا اور فتح چند معہ کئی آدمیوں کے مارا گیا اور بہت سے گھر جلا دیئے اور بہت ہندو اور کچھ عورتیں ماری گئیں جب گڑھی پر حملہ کیا تو گڑھی والوں نے خوب بندوقیں ماریں اور احمد اللہ خاں کے لشکر کا بہت نقصان ہوا چار بجے کے قریب تھوڑی سی بارود میں جو بسنت سنگھ کے قریب تھی آگ جا پڑی اور اس کے اڑنے سے چودھری بسنت سنگھ جل گیا شام کے قریب لڑائی تھم گئی۔

ہم نے بجنور میں یہ بات سنی تھی کہ بندوق کے توڑے کا پھول اتفاقیہ بارود میں جا پڑا تھا اور شاید یہی بات سچ ہو مگر چودھری امراؤ سنگھ نے میرٹھ میں ہم سے بیان کیا کہ نبی بخش ان کے نوکر نے قصداً آگ ڈال دی اگر یہ بات یوں ہی ہوتی تو شاید وہ بڑے ذخیرے میں بارود کی آگ ڈالتا بہر حال رات کے وقت اکثر ملازمان چودھری امراؤ سنگھ جو کوٹرہ کے رہنے والے تھے مارے سے سازش کر کر بھاگ گئے اور ایک تزلزل عظیم گڑھی میں پڑ گیا یہ خبر انتیسویں تاریخ بجنور میں پہونچی۔

لالہ متھرا داس کا واسطے صفائی کے تاجپور جانا

نا محمود خاں نے یہ تجویز کی کہ لالہ متھرا داس بھی واسطے صفائی کے روانہ تاجپور ہوں چنانچہ اسی تاریخ رات کو لالہ متھرا داس بجنور سے روانہ تاجپور ہوئے۔

یہ دانائی نا محمود خاں کی بڑی قابل تعریف کے ہے کہ صفائی کے لئے کن لوگوں کو بھیجا ہے جو

کمال دوستدار نامحمود خاں کے تھے کیوں کہ چودھری نین سنگھ اور جودھ سنگھ وہی دونوں آدمی ہیں کہ ابھی نامحمود خاں سے لڑنے کو مستعد تھے اور ہزاروں پھپھولے ان کے دل میں پڑے ہوئے تھے۔ اور متھرداس وہ شخص ہے جس کے بیٹوں پر ابھی نواب نے پہرے بٹھائے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں ان کو دی تھیں۔

چودھری امراؤ سنگھ کا گڑھی میں سے بھاگنا اور بسنت سنگھ کا گرفتار ہونا

متھرا داس تاجپور پہونچنے بھی نہ پایا تھا کہ اسی تاریخ یعنی انتیسویں جولائی ۱۸۵۷ء کو چودھری امراؤ سنگھ گڑھی میں سے نکل بھاگے اور تاجپور پہونچے عورتیں بھی اسی ہنگامہ میں نکل کر گاؤں میں جا چھپیں مگر چودھری بسنت سنگھ میں چلنے کی طاقت نہ تھی وہ محلہ کوڑہ میں کسی مخفی جگہ تھا احمد اللہ خاں کے ہاتھ آگیا اور گڑھی میں احمد اللہ خاں داخل ہوا۔ اور شلک فتح اور نقارہ مبارکباد ہونے لگے۔ صد ۲۳
مشہور ہے کہ جب احمد اللہ خاں گڑھی میں داخل ہوا تو مندر جو گڑھی کے پاس تھا اس کو بھی کچھ نقصان پہونچا جب احمد اللہ خاں کو خبر ہوئی تو اس نے بنظر مصلحت کہ مبادا تازہ فساد برپا ہو اس پر ایک پہرہ متعین کر دیا کہ مندر کو کوئی نہ توڑے اس فتح کے بعد احمد اللہ خاں اور نواب ماڑے خاں بہادر کا غرور بہت بڑھ گیا تیسویں تاریخ کو یہ خبر بجنور میں پہونچی اور نامحمود خاں نے بھی بہت خوشی کی اور اسی تاریخ یعنی تیسویں کو لالہ متھرا دس تاجپور میں پہونچے۔ اس گڑھی میں جسقدر میگزین اور ہتھیار اور سامان رسد موجود تھا وہ سب احمد اللہ خاں کے ہاتھ آیا۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ نقد روپیہ اور زیور جو چودھری امراؤ سنگھ کا اور اور لوگوں کا وہاں جمع تھا وہ بھی سب احمد اللہ خاں کے ہاتھ آیا ہو کیوں کہ کئی دن تک بے مزاحمت دیگرے احمد اللہ خاں کا دخل گڑھی میں رہا اور احمد اللہ خاں نے کچھ نقد وجنس ہاتھیوں پر لدوا کر نجیب آباد بھی بھیجا اور یہی بات ہم سے چودھری امراؤ سنگھ نے بھی بیان کی مگر بعضے معتمد لوگ بیان کرتے ہیں کہ اوپر کا اسباب اور جو نقد وجنس اوپر تھا وہ احمد اللہ خاں کے ہاتھ لگا مگر پرانا خزانہ جو بہت مخفی اور گڑھی کے برجوں میں اور مکانوں میں دبا ہوا تھا وہ بچ رہا حق یہ ہے کہ اس بات کی سچی حقیقت سوائے چودھری امراؤ سنگھ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

جملہ چودھریوں کا احمد اللہ خاں سے مقابلہ کو مستعد ہونا

جب یہ سخت حادثہ ضلع کے ایک بڑے رئیس پر گذرا تو اور رئیسوں کو بھی بڑا فکر اور تردد ہوا۔ اور پہلے سے آپس میں گفتگو ہو ہی رہی تھی سب آپس میں متفق ہوئے اور احمد اللہ خاں سے گڑھی کے چھین لینے کا ارادہ کیا اور دھامپور لام بندی کی جگہ قرار پائی چنانچہ اکتیسویں جولائی ۱۸۵۷ء چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ رئیسان ہلدور معہ دو ضرب توپ اور چودھری پرتاب سنگھ معہ ایک ضرب چڑائل اور چودھریان کانٹھ معہ ایک ضرب توپ دھامپور میں جمع ہوئے اور ڈیہہ بدیہہ گنواری بگل یعنی ڈھول واسطے جمع ہونے اور لام بندی کے بجنے لگا اور بعوض گھاسا سنگھ اور بسنت سنگھ کے چودھری صاحبوں نے نادر شاہ خاں اور حسن رضا خاں اور ثابت علی خاں کو جو رشتہ مند نامحمود خاں اور پیشکار دھامپور رکھنے والا پکڑ لیا اور دو سوار نواب کے جو ان کے ساتھ گئے تھے ان کو مار ڈالا۔

جب یہ لام بندی ہوئی تو نواب پر زمانہ تنگ ہوا۔ اور جس طرف نواب کے ملازم جاتے تھے پکڑے جاتے تھے اور مارے جاتے تھے چنانچہ چند سپاہی موضع نانگل میں مارے گئے اور جو خطوط احمد اللہ خاں کے پاس روانہ ہوتے تھے اکثر ان میں سے پکڑے جاتے تھے۔ ایک خط نامحمود خاں کا جس پر بلاشبہ دستخط نامحمود خاں کے تھے اور بجنور سے روانہ ہوا تھا اور دوسرا خط عظمت اللہ خاں کا جو بلاشبہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے چودھری امراؤ سنگھ پاس دیکھے ان میں سے وہ فقرہ جو اس لڑائی سے متعلق ہے بجنسہ لکھتا ہوں۔

انتخاب خط محمود خان جو پکڑا گیا

انتخاب خط دستخطی محمود خاں مورخہ اکتیسویں جولائی ۱۸۵۷ء وقت دوپہر گھاسا سنگھ اور بسنت سنگھ اور اگر امراؤ سنگھ حاضر آیا ہو اسے بھی ہمراہ اپنے حضور میں لو لئے لاؤ وہاں چھوڑنا ان کا کچھ ضرور نہیں اور اگر تم نے قصور بھی ان کا معاف کیا ہو تو بھی اپنے ہمراہ لے آؤ کس واسطے کہ ہنوز فساد رفع نہیں ہوا۔

قریب پچاس آدمی کے آں برخوردار نے جو اپنے ہمراہی سے رخصت کر کے بجنور کو بھیجے تھے ان کو باشندگان موضع نانگل نے کہ متصل ہلدور کے واقع ہے روک کر ان میں سے پانچ چھ آدمی جان سے مارے اور آٹھ آدمی مجروح کر دے۔ اس لئے تدارک ان مفسدوں کا ضرور ہے۔

اطلاع اس کی بھی تم کو کرنی ضرور تھی لازم ہے کہ جس قدر روپیہ بارود اور ہتھیار شیر کوٹ سے تمہارے ہاتھ آئی ہے وہ سب اپنے ہمراہ لائے لاؤ اور چھوڑنا ان اشیار کا کسی صورت میں مناسب نہیں کس واسطے اب فقط بسبب تکرار شیر کوٹ کے یہ جا بجا فساد ہوا ہے گھاسا سنگھ وغیرہ کو چھوڑنا کسی حالت میں مناسب نہیں۔

مکرر آنکہ میری صلاح یہ ہے کہ ہیں اب بدون تصفیہ اس فساد کے ہرگز باز نہ رہوں گا بلکہ مناسب ہے کہ گڑھی بھی شیر کوٹ کی بالکل مسمار منہدم کرا دو کہ آئندہ انہیں حوصلہ لڑائی کا نہیں رہے اور جس جگہ پر خدا فتح دیوے مسمار کرنا مکانات ان کے کا پر ضرور ہے۔

انتخاب خط عظمت اللہ خاں جو پکڑا گیا

منتخب اس خط کا جو عظمت اللہ خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے بلا تاریخ

آیندگان شیر کوٹ کی زبانی معلوم ہوا کہ آں نورالابصار نے گھاسا سنگھ کو واسطے لانے امراؤ سنگھ کے بھیجا ہے سو حال یہ ہے کہ جو گڑھی لڑتی ہے اور فتح ہوتی ہے اور آدمی مارے جاتے ہیں تو اس گڑھی کا مال اب بالکل ضبط ہوتا ہے اور یہ بھی سلف سے مشہور ہے کہ زن زمین پر آدمی سر دیتا ہے اور جلشانہٗ نے تجھ کو گڑھی اور اسباب معہ روپیہ کے دیا ہے تو اب تجھ کو چاہیئے کہ پھر قلم جاری کرا اور کچھ اندیشہ ان مفسدوں کا مت کر اب جلشانہٗ واسطے تیرے بہتر کرے گا۔

اب مجھ کو یقین ہے کہ آدمی تیرے پاس قریب دو ڈھائی ہزار کے ہوں گے تو اس صورت میں نظر بخدا رکھو اور اطراف میں خطوط لکھ کر آدمی جمع کرو اور دو سو سپاہی بھیجے ہیں پہونچے ہوں گے یا نگینہ میں ہوں گے اور آج اور بھیجوں گا۔

ہندو اور مسلمانوں میں عداوت قایم ہونے کی وجہ

اس لڑائی سے پہلے ضلع میں درمیان ہندو اور مسلمان کے کچھ تنازع یا عداوت یا مذہبی تکرار نہ تھی بلکہ چودھری صاحبان کے یہاں اکثر مسلمان لوگ نوکر تھے اسی طرح نواب کے ہاں بھی سپاہ وغیرہ میں ہندو ملازم تھے لیکن اس لڑائی میں ہندو مسلمانوں میں عداوت ہو جانی ایک ضروری ہونے والی بات تھی کیوں کہ ایک طرف جملہ سردار ہندو تھے اور ایک طرف جملہ سردار مسلمان تھے اور ضرورگی یہ بات تھی کہ ہندو سرداروں نے جس قدر اپنی کمک جمع کی وہ سب ہندو تھے اور نواب نے جو
صہ ۲۹ کمک جمع کی وہ سب مسلمان تھے پس ہندو اور مسلمانوں میں تکرار کا قایم ہونا ضروری ہوا۔ علاوہ اس کے دم بدم ایسی باتیں ہوتی گئیں جن سے مذہبی عداوت کا ہونا بڑھتا گیا مثلاً شیرکوٹ کے مندروں میں مسلمانوں کے ہاتھ سے نقصان پہونچایا جاتا اور سواہیڑی کی مسجدوں میں ہندوؤں کے ہاتھ سے نقصان پہونچایا ہندوؤں کے بالتخصیص مسلمانوں کا اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بالتخصیص ہندوؤں کا مارا جانا چنانچہ یہ سب حالات آگے آویں گے پھر اس عداوت نے ایسی ترقی پکڑی کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جہاں ان کا قابو ملا ہندوؤں کا بچنا اور ہندوؤں کے ہاتھ سے جہاں ان کا قابو ملا مسلمانوں کا بچنا ممکن نہ تھا اور یہ عداوت ایسی ہو گئی تھی ہندوؤں کی بابت جو باتیں مسلمان کہتے تھے یا مسلمانوں کے نسبت جو باتیں ہندو کہتے تھے قابل اعتبار کے نہ تھیں اور ضلع کا اصلی حال دریافت کرنا جو عداوت سے خالی ہو نہایت مشکل تھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ بلدور کی پہلی لڑائی تک چودھری بدھ سنگھ کی نیت بہت اچھی معلوم ہوتی تھی اور وہ دل سے ضلع میں امن چاہتے تھے بلکہ جب ہم بلدور ہی میں تھے کہ بہت سے ہندو بلدور کی مسجد کو توڑنے چڑھ گئے تھے۔ چودھری بدھ سنگھ خود وہاں گیا اور اس فساد کو رفع کیا۔ اور آگے جو حال ہم بیان کریں گے اس سے بھی نیک نیتی چودھری بدھ سنگھ کی اس زمانے تک ظاہر ہوتی جاوے گی۔

میر صادق علی اور رستم علی رئیسان چاند پور کے پاس شاہی فرمان کا آنا

دھامپور میں اور شیرکوٹ میں تو یہ معاملہ ہو رہا تھا جو ہم بیان کر رہے ہیں اور چاند پور میں

رستم علی اور صادق علی رئیسان چاند پور کی بیوقوفی نے گل کھلایا یعنی جو عرضی انہوں نے بادشاہ دہلی پاس روانہ کی تھی اس کے جواب میں فرمان شاہی پہلی اگست ۱۸۵۷ء کو چاند پور میں پہونچا اور انہوں نے بہت خوشی کی چنانچہ اس فرمان کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں۔

نقل فرمان شاہی

نقل فرمان بادشاہی مورخہ پنجم ذی الحجہ سنہ ۲ جلوسی مطابق ستائیسویں جولائی سنہ ۱۸۵۷ء

صف سیادت پناہ نجابت دستگاہ سید رستم علی و سید صادق علی مورد تفضلات بودہ بدانند عرضی آن فدویان مشعر برحال خذلان و تباہی و بربادی دیہات و قریات قصبہ چاند پور از تعدی و ظلم و غارتگری و استدعائے اعانت و امداد سرکار دولت مدار و اجازت نوملازم داشتن سپاہ سوار و پیادہ بنابر اجرائے تحصیل و مجرایافتن تنخواہ انہا از آمدنی علاقہ مذکور و ارسال زر باقیات معہ کاغذ جمع خرچ در حضور پرنور بملاحظہ قدسی گذشت کاشف معروضات گشت چون انسداد فتنہ و فساد بنابر آسائش رعایا و برایا منظور خاطر است لہذا حکم محکم شرف اصدار می یابد کہ آن فدویان چند سوار و پیادہ بقدر ضرورت ملازم داشتہ نمبرداران و قانونگویان و پٹواریان و دیگر عزت مندان و ساکنان آنجا را باخود متفق ساختہ دقیقہ در مراتب بندوبست فروگذاشت نسازند و آنچنان انتظام نمایند کہ احدے زبردست قوی پنجہ بر ہیچکس زیردست و غریب نوعے تشدد و تعدی نمودن نتواند و سرچشمہ تحصیل جاری گردد و زر واجب الطلب بسہولت وصول گردد و کشتکار زراعت افزونی پذیرد و بعد ایصال زر فصلی مرقومہ بصارفت تنخواہ ملازمان و سپاہ و عملہ تحصیل وضع کردہ زر باقیات معہ کاغذ جمع و خرچ بحضور فیض گنجور رسانند ہر آئینہ ظہور ایں معنی موجب اثبات حسن خدمت آن فدویانست بذل توجہ خسروی نسبت بحال آن فدویان خواہد رسید زیادہ تفضلات شناسند مرقومہ پنجم ذی الحجہ سنہ ۱۲ جلوسی۔

رستم علی اور صادق علی کا پچھلا حال

رستم علی صادق علی دونوں حقیقی بھائی ہیں اگرچہ صادق علی کو بھی ذی عقل کہنا نہایت نادانی

ہے لیکن رستم علی سچ مچ کا بھولا آدمی ہے اس کو اس قسم کے معاملات میں بلکہ امورات خانگی سے بھی کچھ سروکار نہیں رہتا جو کچھ کرتا ہے صادق علی کرتا ہے یہ لوگ سادات بارہہ سے ہیں اور اولاد میں ہیں سید محمود کی جس کو اکبر کے عہد میں بادشاہی دربار میں منصب ملا تھا اس کے بعد شجاعت خاں کو شاہجہاں نے تخت پر بیٹھنے سے پہلے اپنا بہت بڑا رفیق اور امیر بنایا تھا اور اس کے نام پر اس نے جہاں آباد بسایا تھا جو اب تک گنگا کے کنارے پر موجود ہے اور اس کی قبر بھی وہیں ہے جبکہ شاہجہاں اور اس کے باپ جہانگیر میں لڑائی ہوئی تو شجاعت صاہ خاں جہانگیر سے آملا اس لئے شاہجہاں کے زمانہ بادشاہت میں ان کی قدر کم ہو گئی اور اس نے اور اس کی اولاد نے زمینداری اور تعلقہ داری اس ضلع میں پیدا کر کے جہاں آباد میں اور پھر چاند پور میں سکونت اختیار کی کہ اب بھی چند دیہات زمینداری کے ان کے پاس ہیں اور رئیس کہلاتے ہیں۔

ان لڑائیوں میں رستم علی صادق علی نواب کے شریک نہیں ہوئے کیونکہ بسبب آجانے فرمان بادشاہی کے شاید نواب کے برخلاف ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانی چاہتے ہوں مگر چودھریوں کے بھی شریک نہیں ہوئے اور علیحدہ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور چودھری صاحب بدستور دھام پور میں اپنے کام میں مصروف رہے۔

دھام پور اور شیر کوٹ میں لام بندی کی کیفیت

غرضکہ جب چودھری صاحبوں کا لام دھامپور میں جمع ہوا تو احمد اللہ خاں نے بھی آدمی اور جمع کئے اور دوسری توپ جو نجیب آباد میں تیار ہوتی تھی وہ بھی آگئی۔ ہندو بیان کرتے ہیں کہ احمد اللہ خاں نے مسلمانوں کے جمع کرنے کو محمدی جھنڈا کھڑا کیا کچھ عجب نہیں جو انہوں نے ایسا کیا ہو۔ مگر ہم اس کو معتبر نہیں سمجھتے البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ جس طرح ہندو جمع ہو گئے تھے اسی طرح احمد اللہ خاں نے بھی آدمی بھیج کر اور خط لکھ کر آدمی جمع کئے چنانچہ یہ بات عظمت اللہ خاں کے خط سے بھی جو ابھی ہم نے اس کی نقل لکھی ہے ثابت ہوتی ہے جو غول ہندو خواہ مسلمان کے آن کر جمع ہوتے تھے ہر ایک غول کے ساتھ نشان اور باجا ہوتا تھا۔ چودھری

صاحبوں کی طرف قریب پچیس ہزار آدمی کے جمع ہو گیا تھا اور احمداللہ خاں کی طرف جمعیت اس سے بہت کم تھی عظمت اللہ خاں کے خط میں اس کی تعداد دو ڈھائی ہزار لکھی ہے۔ شاید لڑائی کے وقت تک کچھ زیادہ ہو گئی ہو۔

نادر شاہ خاں اور حسن رضا خاں کا واسطے صلح کرانیکے چھوٹنا

اس ہجوم کو دیکھ کر احمداللہ خاں گھبرایا اور چودھری صاحبوں نے نادر شاہ خاں اور حسن رضا خاں کو احمداللہ خاں کے پاس بھیجا اور خط لکھا کہ اگر تم گھاسا سنگھ اور بسنت سنگھ کو چھوڑ دو اور جو مال اسباب گڑھی میں سے لیا ہے پھیر دو اور یہاں سے چلے جاؤ تو ہم کو تم سے کچھ پرخاش نہیں اور احمداللہ خاں نے بھی صلح کا پیغام کیا اور گھاسا سنگھ کو بھیج دیا اور نادر شاہ خاں نے جو خط وہاں پہنچ کر لکھا چودھری پرتاب سنگھ پاس موجود ہے وہ یہ ہے۔

نقل خط نادر شاہ خاں جو صلح کی باب میں گھاسا سنگھ کے ہاتھ بھیجا گیا تھا

نقل خط نادر شاہ خاں موسومہ چودھری پرتاب سنگھ بلا تاریخ

چودھری صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد اشتیاق ملاقات کے ظاہر ہووے کہ خط آپ کا آیا حال معلوم ہوا حسب وعدہ اپنے کے مسمی گھاسا سنگھ کو روانہ خدمت کا کیا اور خاطر داری ہندوؤں کی از حد کی گئی اور تسلی و تشفی بسنت سنگھ کی بدرجہ غائت کی اور کرائی اور جملہ مال و اسباب اس کا حوالہ اس کے کر دیا بلکہ جو کچھ نقصان اس کا وقوع اس معاملہ میں ہوا تھا اس کی عیوض میں دو گاؤں جاگیر کے عنایت کئے اب ہمارے وعدہ کے وفا میں صرف ایک چلا جانا محمد احمداللہ خاں کا نجیب آباد کو باقی ہے وہ اب اس طور سے منحصر ہوا ہے کہ تم سب صاحب اپنے اپنے مکان کو چلے جاؤ اور راستہ خالی ہو جاوے تو یہ بھی چلے جاویں گے اور مجھ کو معلوم ہے کہ اس طرف بھی آدمی بہت اکٹھے ہو گئے ہیں

اور اس طرف بھی اطراف سے جماعت کثیر جمع ہوگئی ہے اور بڑھتی جارہی ہے ۔ اس صورت میں اگر فساد ہوگیا تو ہزارہا مخلوق کا خون ہووے گا ۔ اب کہ خدا نے تمہارے آنے کی شرم رکھ لی ہے اور صورت صفائی میں بھی کچھ نقص واقعہ نہیں ہے تم کو چاہیئے کہ شکرانہ کرکے اپنے مکان کو چلے ہی جاؤ اور اس قدر تو میرے قول کی تصدیق ہوگی باقی بروقت پہونچنے بجنور کے کہ تم سے اور اور وعدے ہیں وفا کئے جاویں گے اور بلکہ زیادہ اسے کہ تمہارے بزرگوں کے واسطے اس خاندان سے رعایت ہوتی تھیں رعایت کرائی جاویں گے بلکہ بعد ہو جانے صفائی کے جو جو مہم اہم ہوں گی وہ تمہارے ہاتھ سے لے جاوے گی ۔ جیسے کہ تم سے راستے میں تذکرہ تھا ۔ آئندہ تم کو ہر طرح کا اختیار ہے بسبب ان عنایات کے جو تم نے میرے حال پر کی ہیں یہ خط خفیہ نواب صاحب سے لکھا ہے اور جو بات کہ اس میں لکھی ہیں ان کے تذکرہ کا نتیجہ ہے نادر شاہ ۔

نادر شاہ کا حال

نادر شاہ خاں رہنے والا رام پور یا مراد آباد کا تھا ۔ احمد اللہ خاں اس سے کچھ اپنی دور کی رشتہ داری بھی بیان کرتے تھے اور مدت سے سرکاری رجمنٹ میں رسالدار اور کارآزمودہ اور نہایت متقی اور رجمنٹ ملتان سے رخصتی ہو کر روانہ ہوا تھا کہ اس غدر میں بعد تشریف لیجانے جناب صاحب کلکٹر بہادر کے بجنور میں پہونچا اور نواب نے اپنا نوکر کرلیا بعد شکست پانے احمد اللہ خاں کے شیر کوٹ سے بھاگ گیا پھر کسی نے اس کی صورت نہیں دیکھی ۔

ثابت علی خاں کا واسطے رہائی بسنت سنگھ چودھریوں کی قید سے چھوٹنا

بعد اس کے چودھری صاحبوں نے ثابت علی خاں کو جو چودھری صاحبوں کی قید میں تھا واسطے صلح اور چھڑالانے چودھری بسنت سنگھ کے بھیجا ۔

چودھری بسنت سنگھ کا چھوٹنا شیرکوٹ کی دوسری لڑائی اور احمد اللہ خاں کی شکست

چودھری بسنت سنگھ پالکی میں پڑکر چودھری صاحبوں کے لشکر میں آیا بہ مجرد پہونچنے بسنت سنگھ کے یعنی پانچویں اگست ۱۸۵۷ء کو لڑائی شروع ہوئی۔ احمد اللہ خاں اسی گڑھی میں جس میں چند روز پہلے اس نے بے گناہ اپنے دشمن کو گھیرا تھا محصور ہوا اور کچھ سپاہ اس کی باہر گڑھی کے رہی اور میدان کارزار گرم ہوا۔ اور شیرکوٹ کے گھر لٹنے اور جلنے شروع ہوئے اور کوٹرہ کا محلہ بالکل برباد ہوگیا۔ اور بہت سے مسلمان اور کچھ عورتیں بھی ماری گئیں۔ احمد اللہ خاں کی ایک توپ پھٹ گئی اور دوسری پھر پہیہ سے اتر پڑی۔ اس پر بھی اس کے سواروں نے جو سرکاری تعلیم یافتہ تھے بہت دلاوری کی اور چودھری صاحب بھی خوب لڑے۔ آخر سپاہ احمد اللہ خاں مغلوب ہوئی اور بھاگ نکلی اور میدان چودھری صاحبوں کے ہاتھ رہا۔ اس دن لڑائی تھم گئی اور احمد اللہ خاں گڑھی میں گھرا رہا۔ رات کے وقت احمد اللہ خان معہ چند آدمیوں کے جو اس کے پاس تھے اور اپنی ٹوٹی توپوں کو ہاتھی پر رکھ کر براہ نگینہ نجیب آباد بھاگ گیا اور چودھری صاحبوں کی فتح ہوئی اور گڑھی ان کے ہاتھ آگئی۔

مہاراج سنگھ کا بجنور پر چڑھائی کرنا

اسی تاریخ یعنی پانچویں اگست ۱۸۵۷ء کو چودھری مہاراج سنگھ ہلدور والہ نے جو ہلدور میں موجود تھا بشرکت چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ رئیسان بجنور کے جو دھامپور سے براہ ہلدور جہالو میں آگئے تھے بجنور میں نامحمود خاں پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور رات کو ہلدور سے روانہ ہوئے اور معہ ایک ضرب توپ اور کئی ایک جزائیل اور تخمیناً چار ہزار آدمیوں کی جمعیت سے چھٹی اگست ۱۸۵۷ء کو دفعتاً ساڑھے پانچ بجے بجنور کے قریب آگئے کہ ان کے ڈھول صہ ۵۷
اور تاشہ کی آواز آنے لگی اور اونچے مکانوں کی چھتوں پر سے ان کے لشکر کے نشان دکھائی دیتے تھے۔ اس وقت نامحمود خاں کے یہاں ناچ ہو رہا تھا وہ خواب غفلت سے چونکا ادھر

شخص سے پوچھتا تھا کہ یہ کیا ہے اور کون ہے اور کیوں آتے ہیں۔ افسوس اگر میں ان کے پاس ہوتا تو کہتا کہ حضور اب معلوم ہو جاتا ہے۔

بجنور کی لڑائی اور نا محمود خاں کی شکست

اسی وقت نواب کے ہاں سپاہ کی کمر بندی ہو گئی اور سعد اللہ خاں منصف امروہہ جو نواب سے ملنے آیا ہوا تھا ہاتھی پر سوار ہو کر اور کچھ سوار اپنے ساتھ لے کر دیکھنے گیا اور اس نے اپنی آنکھ سے چودھریوں کو دیکھ کر نا محمود خاں سے آن کر کہا کہ چودھری چڑھ آئے ہیں۔ نا محمود خاں کا رنگ زرد ہو گیا اور ہوش جاتے رہے اتنے میں چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ گھوڑوں پر سوار بجنور کے بازار میں آ گئے میں اور سید تراب علی اس وقت تحصیل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ میں نے چودھری جودھ سنگھ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے بآواز بلند یہ بات کہی کہ نواب نے اپنے ہاتھوں تو اپنی پر خاک ڈال دی اب تھوڑی دیر میں دیکھ لینا کیا ہوتا ہے۔

بجنور کے نہ لٹنے کے لئے ناکہ بندی ہونا

اسی وقت چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ نے شہر کی ناکہ بندی کر لی اور آدمی متعین کر دیئے کہ کوئی شخص شہر میں نہ آنے پائے اور شہر کو نہ لوٹے درحقیقت یہ بندوبست ایسی ہوشیاری سے کیا گیا تھا کہ اس دن شہر کا بچنا صرف ان دونوں چودھریوں کا کام تھا شہر کے مسلمانوں نے بھی اس دن کوئی بات اعانت اور مدد نواب کی برخلاف چودھریوں کے نہیں کی جب کہ یہ معاملہ پیش آیا تو نواب بھی لاچار جبراً و قہراً ہاتھی پر چڑھ کر اور جو سپاہ اس وقت قریب چار سو آدمی اور تیس چالیس سوار کے موجود تھی ان کو لے کر میدان میں آیا انجالیے کے باغوں پر دونوں کا مقابلہ ہوا اول ایک بار بندوق کی طرفین سے چلی چار آدمی چودھریوں کی طرف سے زخمی ہوئے اور ایک مارا گیا۔ نواب کی طرف کا کوئی آدمی میں نے زخمی نہیں دیکھا اور نہ کسی کی لاش دیکھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ادھر کے آدمی بھی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ اتنے

صہ میں نواب کی طرف سواروں نے متفرق ہوکر توپوں پر حملہ کرنا چاہا تھا کہ دفعتاً ایک فیر توپ کا اور ایک ایک فیر جزائیلوں کا چودھریوں کی طرف سے سر ہوا۔ نواب نے توپ کی آواز سنتے ہی ہاتھی پھیر دیا اور کوٹھی پر آن کر اپنے چھوٹے بیٹے کو ہاتھی پر بٹھایا اور بھاگ نکلا۔ بڑا بیٹا اس کا غضنفر علی خاں ننگے پاؤں گھوڑے پر بیٹھ بھاگ گیا سپاہ تمام اس کی اور سوار تتر بتر ہو گئے اور شکست فاش نواب کو نصیب ہوئی نا محمود خاں اور سعد اللہ خاں معہ بہت قلیل جماعت کے براہ منڈاور نجیب آباد پہونچا اور تھوڑی دیر پہلے اس سے احمد اللہ خاں جو شیر کوٹ سے بھاگا تھا نجیب آباد پہونچ چکا تھا۔ سب بھاگے ہوئے نجیب آباد میں جمع ہو کر اور آپس میں گلے لگ لگ کر خوب روئے۔

کوٹھیوں اور سرکاری دفتر کا جلنا اور خزانہ اور افیون اور اسٹامپ اور اسباب کا لٹنا

اس فتح کے ہوتے ہی تینوں چودھری صاحب اس کوٹھی پر جس میں جناب صاحب کلکٹر بہادر رہتے تھے اور اب نا محمود خاں اس میں رہتا تھا جا بیٹھے اور گنواروں نے جن کا قابو میں رکھنا نا ممکن تھا اور درحقیقت لوٹ کی توقع پر جمع ہوئے تھے پورش کی اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کے بنگلے میں اور سواروں کے لئے جو نا محمود خاں نے پھونس کی بارکیں بنائی تھیں ان میں آگ لگا دی اور لوٹنا شروع کیا جس قدر اسباب ڈاکٹر نیٹ صاحب بہادر اور لمیٹر صاحب بہادر کا کہ نجیب آباد جانے سے باقی رہ گیا تھا اور اس ملک کی پیدائش عیسائیوں کا اسباب جو چھکڑوں پر واسطے جانے نجیب آباد کے لداکھڑا تھا اور جو اسباب نا محمود خاں کا اور جملہ کتابیں اور رہا جا اور متفرق اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر کا جو کوٹھی میں تھا اور جس قدر افیون اور کاغذ اسٹامپ اور اور ٹکٹ ڈاک جو کچھ کہ خزانہ میں باقی تھا اور تمام اسباب جیل خانہ اور شفاخانہ کا اور جس قدر روپیہ کوٹھی میں تھا جس کی تعداد لوگ سترہ ہزار بیان کرتے ہیں اور غالب ہے کہ اس قدر یا اس کے قریب ہو سب لٹ گیا۔

لمیٹر صاحب کی کوٹھی کا بچا رہنا

صـ۵۶

مگر مسٹر لمیٹر صاحب کی کوٹھی جو اسباب سے خالی ہو گئی تھی چودھری جودھ سنگھ کی تدبیر سے جلنے اور خراب ہونے سے بچ گئی۔ مشہور ہے کہ گنواروں سے وعدہ ہو گیا تھا کہ شہر کو اور لمیٹر صاحب کی کوٹھی کو نہ لوٹیں۔ مگر دفتر سرکاری اور مال و اسباب سرکار کی اس وقت تک کسی کو قدر نہ تھی۔

پھر انہی بے قابو گنواروں نے کچہری کی کوٹھی پر حملہ کیا اور انگریزی دفتر کی کتابیں اور سررشتہ داری نقشہ جات کی کتابیں اور اور جو اسباب لوٹنے کے قابل تھا لوٹ لیا اور کلکٹری اور فوجداری کے دفتر میں چھپر ڈال کر آگ لگا دی اور متفرق بستہ جو اور کمروں میں تھے نکال نکال کر اسی جلتی آگ میں ڈال دیے۔ چند کمرے کچہری کی کوٹھی کے جل کر گر پڑے اور ایسا آراستہ دفتر فوجداری اور کلکٹری اور صدر امینی اور رجسٹری دستاویزات کا جو ابھی نئی الف اور بے سے مرتب ہو چکا تھا خاک ہو گیا۔

محلہ پکے باغ کا جلنا اور لٹنا

اسی ہنگامہ میں پکے باغ کا محلہ جو آبادی بجنور سے علاحدہ اور جیل خانہ کے قریب تھا دو دن تک لٹتا رہا اور گھر بھی جل گئے اور اس دن بجنور میں چودھری صاحبوں کے نام سے ان الفاظ میں منادی ہوئی۔

چودھریوں کے نام سے بجنور میں منادی ہونا اور اسکی عجائبات

کہ خلق خدا کی ملک بادشاہ کا حکم چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ بجنور والوں اور ہلدور کے چودھری صاحبوں کا ڈھم ڈھم ڈھم ان الفاظ کے سننے سے خدا کی قدرت یاد آتی تھی جب میں نے یہ منادی سنی تو کہا سبحان اللہ ہم تو کتابوں میں یہ بات پڑھتے آتے تھے کہ دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند یہاں یہ تماشا ہے کہ پنج بادشاہ در یک ضلع میگنجند نہیں نہیں ان

کی تمثیل یوں کہنی چاہیئے کہ دہ درویش در یک گلیمی بخسپند۔ غرضکہ اس ہنگامہ میں آبادی بجنور پر کسی طرح کا صدمہ نہیں پہونچا۔ ایک بجے کے قریب چودھری مہاراج سنگھ کا سوار مجھ کو اور سید تراب علی تحصیلدار کو کہ ہم دونوں تحصیل کے مکان میں دروازہ بند کئے بیٹھے تھے بلانے آیا ہم دونوں وہاں گئے اور دفتر کے کمروں میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھ کر ہمارا دل پھڑک اٹھا اور سرکاری افیم جو اس وقت لٹ رہی تھی اس کو دیکھ کر ہماری جان تلخ ہو گئی تھوڑی دیر ہم وہاں ٹھیر کر واپس آئے۔ چار بجے سب چودھری صاحب تحصیل میں آئے اور چند منٹ ٹھہر کر چودھری مہاراج سنگھ معہ اپنے ساتھی کمک کے روانہ ہلدور ہوئے۔ اور چودھری نین سنگھ اور جودھ سنگھ نے حفاظت آبادی بجنور کا اور انتظام وہاں کا اپنے قبضہ میں رکھا۔

کھاری، سواہیڑی، چھتاور اور خاص بجنور میں تکرار کا ہونا

شام کے قریب اکثر غول گنواروں کے اپنے اپنے گھر پھر گئے جاتے وقت کسی غول نے کھاری کے باشندوں کو جو مسلمان تھے لوٹ لیا۔ اور کئی باشندے مار ڈالے۔ سواہیڑی کے جاٹوں نے وہاں کے مسلمان بساطیوں کو جو مالدار تھے لوٹا اور مسجد سواہیڑی کو توڑ ڈالا۔ ساتویں اگست ۱۸۵۷ء کو چھتاور کے جاٹوں نے اصغر علی کو جو معزز آدمی تھا اور اس سے اور جاٹوں سے عداوت بھی مار ڈالا اور اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کر گھسیٹا اور مسجد چھتاور توڑ ڈالی۔ خاص بجنور میں مردھوں کے محلہ میں مسلمانوں اور گوجروں میں تکرار ہوئی اور ایک آدمی مارا گیا اور طرفین کے کچھ زخمی ہوئے۔ گوجروں نے اس محلہ کو اور نیز محلہ قاضی پاڑہ کو لوٹنا چاہا اور مسلمانوں کو مارنا چاہا۔ مگر چودھری نین سنگھ خود گیا اور فساد رفع کیا۔ اس قسم کی باتیں پے درپے ایسی ہوتی گئیں کہ ہندو اور مسلمانوں کی عداوت کا درخت جس کا بیج شیرکوٹ کی لڑائیوں میں بویا گیا تھا بہت بلند ہو گیا۔ جس کا جڑ سے اکھیڑنا ناممکن تھا۔ مگر چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ بہت اس بات کے درپے تھے کہ ہندو و مسلمان کی تکرار نہ بڑھے اور مسلمانوں کی طمانیت اور ہندوؤں کو فہمائش کرتے تھے۔ مگر کوئی آئینی فوج نہ تھی جو چودھریوں کا حکم مانتی بلکہ وہ گنوار چودھریوں کی کیا حیثیت سمجھتے تھے۔

چودھری امراؤ سنگھ کا اپنی گڑھی میں پھر بیٹھنا

ان فتوحات کے بعد چودھریان ہلدور ہلدور اور چودھری صاحب تاج پور تاج پور میں چلے آئے اور چودھریان بجنور بجنور میں رہے اور آٹھویں اگست ۱۸۵۷ء کو چودھری امراؤ سنگھ اور بسنت سنگھ اپنی گڑھی شیر کوٹ میں جا بیٹھے۔

طرفین کی سپاہ اور گولہ اندازوں کا حال

میں کچھ نامناسب نہیں سمجھتا اگر اس مقام پر طرفین کی سپاہ کا کچھ حال بیان کروں۔ نواب کی سپاہ میں سب لوگ ملازم تنخواہ دار تھے اور اکثر پاس بندوقیں تھیں اور وہ لوگ بندوق لگانی بھی جانتے تھے بلکہ بہت سے پٹھان بہت اچھے بندوقچی تھے۔ اور تخمیناً چالیس تلنگہ نمک حرام فوج کے جس کا افسر رام سروپ جمعدار جیل خانہ تھا بہت عمدہ سپاہی قواعد دان تھے اور باقی دھنئے جلاہے تھے جنہوں نے سوت کے تار کے سوا کبھی تلوار نہ پکڑی تھی۔

سوار بھی نواب کے بہت اچھے تھے علی الخصوص چند سوار سرکاری رجمنٹوں کے جو وہاں موجود تھے وہ ہر طرح کی لڑائی جانتے تھے اور انہوں نے بہت سے سواروں کو اگر قواعد دان نہ بنایا تھا تو سپاہی تو ضرور کر لیا تھا۔ چودھری صاحبوں کی طرف صرف مانگی پکار تھی کہ جب گنواری بگل گاؤں میں بٹتا تھا سب گنوار جمع ہو جاتے تھے۔ چودھری صاحب جوان کو اکٹھا کرتے تھے دونو وقت پوریاں اور کھانا پکا پکا کر دیتے تھے اس سبب سے چودھری صاحبوں نے بہت زیر باری اٹھائی۔ چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور کے ہاں مدت تک ہزارہا لوگ گنوار جمع رہے اور پانچ پانچ چھ چھ ہزار آدمی کو انہوں نے کھانا دیا۔ شیر کوٹ کی لڑائی میں چودھری پرتاب سنگھ کے سبب بہت آدمی جمع ہوئے تھے۔ اور در حقیقت دھامپور میں لام کا اس کثرت سے جمع ہونا اور چودھریان کانٹ کا معہ اپنی جمعیت کے آنا صرف چودھری پرتاب سنگھ کا سبب تھا اور اسی جہت سے نہایت زیر باری ان لوگوں کو کھانا دیتے میں چودھری صاحب نے اٹھائی علی ہذالقیاس چودھریان ہلدور بھی مدت تک ان گنواروں کے کھانا دینے میں زیر بار رہے۔ میں نے اپنی آنکھ سے

ہلدور میں دیکھا کہ دن رات چودھریان ہلدور کے ہاں ان گنواروں کو کھانا دیا جاتا تھا کوئی
وقت دن رات میں ایسا نہ تھا کہ دو دو سو اور تین تین سو آدمیوں کا غول بیٹھا کھانا نہ کھاتا
ہو۔ چودھریان بجنور نے بھی جہاں تک ان سے ہو سکا اس قسم کی زیر باری اٹھائی پھر ان
گنواروں کے غول کا یہ حال تھا کہ صرف لوٹ کے لالچ میں جمع ہو گئے تھے اور لوٹنے کے سوا اور
کچھ مطلب اور دلی مقصد ان کا نہ تھا۔ اطاعت کا یہ حال تھا کہ جو اپنا دل چاہتا تھا کرتے تھے
اور کسی چودھری کی بات نہ مانتے تھے بلکہ بارہا چودھریوں کے سامنے سخت کلامی اور بدزبانی سے
پیش آتے تھے۔ لاچار چودھریوں کو خود دبنا پڑتا تھا۔ بہادری کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی کے غول
میں سے کوئی آدمی زخمی ہو کر یا مر کر گرا اور سارا غول بھاگا۔ پھر اگر رسی باندھ کر کھینچو تو نہ تھمتے تھے
بہتیرا کہتے تھے کہ مارے بھائیوں پڑیاں تو یوں دوڑ دوڑ کر لیتے تھے۔ اور اب بھاگے جاتے
ہو کوئی نہ سنتا تھا ہتھیار اور سامان کا یہ حال تھا کہ بڑے سے بڑے غول میں آٹھ سات دس
بندوقوں سے سوا نہ ہوتی تھیں۔ باقی اکثروں پاس برچھی اور ٹوٹی تلوار یا گنڈاسے اور بعضوں کے صوہ
پاس نری لاٹھی نتیجہ اس بیان کا یہ ہے کہ نواب کی دونوں جگہ شکست ہوئی ایک اتفاقیہ بات
تھی دونوں طرف کے فوجوں کا سچا سچا حال سن کر کوئی عقلمند اس بات پر رائے نہیں دینے کا کہ
یہ گنواروں کی بھیڑ نواب کی فوج پر فتح پاتی اصلی سبب ان دونوں جگہ کی فتح کا یہ ہوا کہ اس زمانہ
میں نواب کے پاس توپیں صرف دو تھیں اور وہ دونوں شیر کوٹ پر گئی ہوئی تھیں۔ ان میں سے
ایک توپ پھٹ گئی اور ایک گر پڑی احمد اللہ خاں صرف اسی دہشت کے مارے کہ توپوں کا
جو چودھریوں کے پاس ہیں مقابلہ نہ ہو سکے گا اور آدمیوں کی کثرت سے ڈر کر رات کو گڑھی میں
سے بھاگ گیا بجنور میں نا محمود خاں کے پاس کوئی توپ نہ تھی جب اس کے کان میں چودھریوں
کی توپ کی آواز پہونچی اسی ڈر سے نواب بھاگ گیا۔ کیونکہ اس زمانہ میں توپ کا ڈر بہت تھا
اور یہ بات پیچھے تجربہ میں آئی ہے کہ ہندوستانی توپ سے کوئی آدمی نہیں مر سکتا اب بے اختیار
دل چاہتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا توپوں کا بھی حال لکھوں طرفین کی توپیں اور طرفین کے گولہ انداز ایسے
خوب تھے کہ اگر ہمالیہ پہاڑ نشانہ کی جگہ رکھ کر ان سے کہا جاوے کہ اس پر گولہ مارو تو خدا سے امید
یہی ہے کہ ہمیشہ خطا کرے گا۔ بلکہ اگر خطا سے بھی خطا کرے تو خطاوار ہو گا۔ ہلدور کی شکست کے

دن نواب کے گولہ اندازوں نے اس مکان پر جس میں میں اور ڈپٹی صاحب تھے ستر گولہ سے کم نہ مارا ہوگا مگر ایک بھی نہ لگا حالاں کہ اس کے سامنے بہت صاف میدان اور بہت اچھا موقعہ نشانہ لگانے کا تھا جب کہ ہم نے ان کے توپ کے مورچہ پر اپنے مکان سے جزائیل اور بندوق کی گولیاں مارنی شروع کیں تب انہوں نے ہمارے مکان کے مقابل سے مورچہ توپ کا اٹھا لیا میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اتنی لڑائیوں میں ایک آدمی بھی توپ کے گولہ سے نہ مرا ہوگا۔

رائے اس امر میں کہ ان لڑائیوں کو لوگ کیا سمجھتے تھے

اس امر میں رائے لکھنے کو میں بہت عمدہ بات سمجھتا ہوں کہ یہ لڑائیاں جو ہوئیں آیا لوگوں کے دل میں جو طرفین کی طرف سے لڑنے کو جمع ہوتے تھے یہ بھی خیال تھا کہ ان میں سے کسی کے ساتھ ہو کر لڑنا سرکار دولتمدار انگریزی کے برخلاف لڑائی کرنی ہے میں اس میں کچھ شک نہیں کرتا کہ نواب کے حال وقال اور جو جو کام وہ کرتا تھا ان سے سب کو ظاہر ہو گیا ہوگا کہ نواب سرکار کے برخلاف ہے اور اس کا دلی ارادہ سرکار کی بدخواہی اور دل کی دعا کہ خدا اس کی دعا کو اس پر ڈالے) زوال حکومت سرکار تھا۔ اور چودھری صاحبوں کا کچھ ارادہ خودسری حکومت اور ملک گیری کا نہ تھا۔ مگر ضلع کے لوگوں کا میری رائے میں یہ حال تھا کہ ان لڑائیوں میں نواب کے ساتھ ہو کر چودھریوں سے لڑنے کو سرکار سے لڑنا یا برخلاف سرکار کے لڑائی کرنی نہیں سمجھتے تھے سب کے خیالوں میں چودھری اور نواب کا مقابلہ تھا جس میں گویا سرکار بیچ میں سے علاحدہ تھی اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ جو لوگ چودھری صاحبوں کے ساتھ ان لڑائیوں میں تھے اپنے تئیں چودھری صاحبوں کا حامی اور مددگار سمجھتے تھے سرکار دولتمدار انگریزی سب کے دلوں سے الگ تھی کہ ہماری اس رائے کی تصدیق اوپر کے تمام حالات اور دفتر سرکاری کا جلنا اور تمام مال سرکاری کا لٹنا بخوبی کرتی ہے۔

جناب صاحب کلکٹر کے خط کا چودھریوں کے نام آنا

ان لڑائیوں کے بعد ایک خط جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیئر صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ بجنور

کا بنام چودھریان ہلدور و چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور اور چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیرکوٹ کے آیا اس کے آنے کے بعد چودھری صاحبان اسبات پر متوجہ ہوئے کہ جملہ حالات ضلع کی اطلاع حکام کو کی جاوے چنانچہ اس خط کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں۔

نقل خط مذکورہ مورخہ ساتویں اگست ۱۸۵۷ء مقام منصوری - ان دنوں میں چند خبر بابت ضلع بجنور استماع میں پہونچیں۔ سب سے دریافت ہوتا ہے کہ خاص تمہارے علاقہ میں انتظام جہاں تک ہو سکے بخوبی چلتا ہے۔ مگر نواب محمود خاں صاحب تقاضائے شدید بابت اقساط گذشتہ کے ایسا کرتے ہیں کہ کل تعلقہ داران نہایت ناراض ہیں فقط۔ حالاں کہ آپ کو واضح ہوگا کہ وقت روانہ ہو جانے ہمارے انتظام ضلع ہذا سپرد نواب صاحب کے کیا گیا اس امید سے کہ ساتھ خیر خواہی تمام انتظام ان کی طرف سے بخوبی ہو جاوے۔ چونکہ عرصہ سے کسی طرح کا خبر نواب صاحب کا ہمارے پاس نہیں پہنچا ہے بلکہ چند خطوط پاس نواب صاحب بھیجے گئے ہیں مگر جواب ایک خط کا بھی نہیں بھیجتے ہیں اس لئے لاچار ہو کر اور بسبب بے خبری اصلی حالات ضلع اب تم کو لکھا جاتا ہے کہ بالفعل اور تا حکم ثانی تم تعلقہ دار اپنے علاقہ کا انتظام اپنے ذمہ سمجھو اور زر قسط سرکاری اپنے پاس امانت رکھو فقط آج کے دن خط پاس نواب صاحب کے بھی روانہ ہوتا ہے دیکھا چاہیے کہ کیا وجوہات ان کی طرف سے پیش ہوں گی کہ خطوط ایں جانب کا بے جواب رہا یقین ہے کہ چند روز میں ان کی طرف سے جواب ایں جانب کے پاس پہونچے گا۔ آپ کو اطلاع دیجائیگی زیادہ لکھنا فضول ہے اس لئے کہ کوتہ اندیشاں کا حال جو نمک حرامی کے ساتھ کمر باندھ لی ہے تم کو بخوبی معلوم ہوا ہے۔ بلاشک واضح ہوگا کہ چند روز نہیں گزرے گا کہ دخل سرکاری ہو جاوے۔ آپ خاطر جمع رکھو بدستور سابق بخوبی سمجھو کہ جو لوگوں نے اس زمانہ میں خاطرداری نیک ادائی پیش کرے ان کے واسطے حد سے بہتر ہوگا۔

بجنور کی لڑائی کے وقت اپنا حال اور پار اترنے سے چودھریان بجنور کا مانع ہونا

جبکہ بجنور میں لڑائی ہوئی تو ڈپٹی کلکٹر صاحب بہادر ہلدور میں تھے اور ہماری کیٹی کے

تینوں جمبو پتنی میں اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور اور پنڈت رادھاکشن ڈپٹی انسپکٹر بجنور میں اپنے اپنے مکان بند کئے بیٹھے تھے اور جو صدمہ ہمارے دل پر تھا اس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ہمارے خیال میں بھی نواب کی شکست ہونی نہیں آتی تھی۔ اور خوب ہم کو یقین تھا کہ نواب ہم تینوں کی جان نہیں بخشنے کا۔ کیونکہ ہم سچا جرم طرفداری اور خیرخواہی سرکار اور خفیہ خط و کتابت کا جو اس نے ہماری طرف لگا رکھا تھا اس کے سوا یہ بڑا شبہ اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ کہ چودھریوں کا لڑنا علی الخصوص چودھریان بجنور کا مقابلہ پیش آنا یہ ہم لوگوں کے اغوا سے ہوا حالانکہ ہم اس اخیر الزام سے بالکل بری اور بے خبر تھے جبکہ نواب کی شکست ہوئی ہم نے اپنی زندگی دوبارہ سمجھی اور یہ بات چاہی کہ گنگا پار میرٹھ چلے آویں کیوں کہ جو ظلم ہمارے سد راہ ہو رہا تھا اور ہم کو بجنور سے نہیں نکلنے دیتا تھا زہا تھا مگر گھاٹ پر چودھری صاحبوں کا بندوبست تھا اور عذر راہ کا ایسا ہو گیا تھا کہ بدون اعانت اور مدد چودھری صاحبان کے ایک قدم راہ طے کرنی ممکن نہ تھی اس لئے ہم نے چودھریان بجنور سے چند روز تک نہایت عاجزی سے التجا کی عـ۲ مگر انہوں نے ہم کو نہ نکلنے دیا اور جو ہماری قسمت میں مصیبت تھی ہم پر پڑی میں کچھ برائی کا الزام اس بات میں چودھری صاحبوں کو اپنے نہ نکلنے دینے میں نہیں دیتا بلکہ ان کو یا یہ بے جا خیال دل میں رہا کہ یہ لوگ حکام انگریزی پاس جا کر اپنی سرخروئی اور اپنی خیرخواہی ہم سے زیادہ جتا دیں گے یا یہ سمجھے کہ دفتر جلنے اور مال سرکاری لٹنے کا حال صاف کہہ دیں گے اور پھر کئی دن بعد ان کو یہ خیال ہوا کہ ان کے چلے جانے سے انتظام ضلع کا نہ ہو سکے گا اور رعایا کے دل ٹوٹ جاویں گے مگر ہم کو یہاں کے رہنے سے کمال رنج تھا کہ ہم نہایت بے بس اور بیکس تھے اور ہمیشہ ہم کو یقین تھا کہ اب نواب بجنور چھین لے گا اور ہم پکڑے اور مارے جاویں گے۔ جبکہ ہم کو۔

عرضیاں حالات ضلع کی بحضور حکام بھیجنا

بجنور سے چھوٹنے اور حکام پاس حاضر ہونے کی توقع جاتی رہی تو ہم تینوں آدمیوں نے عرضیاں تمام حالات جنگ اور شکست ہونے نواب کی بحضور جناب ولسن صاحب بہادر اور جناب صاحب کلکٹر بہادر اور اور حکام انگریزی کے لکھیں اور سررشتہ کی روبکاری درباب

میل جانے دیوانی کے روانہ کی اور جملہ چودھری صاحب پہلے سے بھی خط وکتابت حکام انگریزی سے رکھتے تھے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کے خط کے آنے کے بعد زیادہ تر متوجہ تحریر حالات ہو گئے تھے اور ہماری کمیٹی کے ایک ممبر پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر بھی اس بات کی ہمیشہ تائید کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی کی حکمت جبلی اور شجاعت ذاتی کو جو اچھی تعلیم ہونے کے سبب ان کو معلوم تھی ہر ایک کو سمجھاتے رہتے تھے۔ اور بعض آدمیوں کی زبان پر جو یہ بات آجاتی تھی کہ بسبب نمک حرام ہو جانے کل فوج ہندوستانی کے سرکار کی عملداری کو پائیداری ہونا بہت مشکل ہے اس خیال کو شائستہ تقریر سے دور کرتے تھے اور خاص میرا قول اور دلی رائے جس میں کبھی فرق نہیں آیا یہی تھی کہ فتح وشکست کثرت قلت تعداد آدمیوں پر موقوف نہیں ہے اور بڑی شجاعت بھی کام نہیں آتی بلکہ دانائی اور تدبیر اور قواعد جنگ اور ہتھیاروں کو علمی اور عملی قواعد سے کام لانے سے ہوتی ہے پھر بہت بھیڑوں کا ایک گٹھیلے اور داؤں گیرے ایک شیر کے سامنے بھی جمع ہونا کیا حقیقت رکھتا ہے ان باتوں پر لحاظ کر کے جملہ چودھری صاحبوں نے بھی اپنی اپنی عرضیاں متضمن کیں وارداتوں اپنی اطاعت اور فرماں بردار ہونے سرکار کے بحضور حکام روانہ کیں اور فرمان بادشاہی جو نامحمود خاں کے نام آیا تھا اور بعد بھاگنے نامحمود خاں کے اس کے کاغذات میں سے پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے تلاش کر کے معہ اور مفید اور بکار آمد کاغذوں کے نکالا تھا اس فرمان کو چودھری جودھ سنگھ رئیس بجنور خود لے کر بحضور جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر اسپیشل کمشنر اور صاحب جج مراد آباد روانہ میرٹھ ہوئے۔

مگر ہمارا اضطرار قیام بجنور بدستور تھا اور ہم سنتے تھے کہ نامحمود خاں اور علی الخصوص احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں درستی سامان جنگ میں مصروف ہیں اور ان کی سپاہ بھی ان کے پاس جمع ہوتی جاتی ہے اور قریب چار ہزار آدمی ملازم کے وہاں جمع ہو گیا ہے اور ضرور ارادہ بجنور پر حملہ کرنے کا ہے بلکہ دو دفعہ خاص بجنور میں غلغلہ پڑ گیا کہ نواب چڑھ آیا اور عجیب حالت بجنور میں صرف اس غلغلہ سے ہو گئی اور چودھری جودھ سنگھ جو کنوئیں میں سے روپیہ تلاش کرنے کو بیٹھے تھے ایسے بے اوسان گھر پر پہونچے تھے کہ سب کی جان ہوا ہو گئی تھی اور چودھری نین سنگھ کے بھی ہوش جاتے رہے تھے اس سبب سے ہم کسی طرح اپنی جان کو بچا ہوا نہیں سمجھتے تھے اور ہر وقت بجنور سے

نکلنے کی تدبیریں تھے۔ مگر اپنے بس کی کوئی بات نہ تھی۔

صدر امین تحصیلدار اور ڈپٹی انسپکٹر کا ہلدور جانا

لاچار ہم نے یہ تدبیر کی کہ کسی حکمت سے ہم ہلدور چلے جاویں۔ چودھری رندھیر سنگھ فہمید آدمی ہیں ان سے کہیں کہ ہمارے روکنے سے بجز اس کے کہ ہماری جان جاوے اور کچھ فائدہ نہیں ہے ہمارے حال پر رحم کر کے ہم کو گنگا پار اتار دو۔ چنانچہ چودھری نین سنگھ صاحب بھی ہلدور جانے اور پھر واپس آنے کے اقرار پر راضی ہوئے ہم نے بجنور سے نکلنا غنیمت سمجھا اور چودھری نین سنگھ صاحب نے چند آدمی اپنے معتمد ہمارے ساتھ کئے اس فہمائش سے کہ پھر ہم کو بجنور میں واپس لادیں اور میں اور سید تراب علی تحصیلدار اور پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر بارھویں اگست ۱۸۵۷ء کو ہلدور روانہ ہوئے ص۴۷
اور وہاں پہونچکر بجنور کے واپس آنے سے انکار کیا مگر پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر اس سبب سے کہ ان کے قبائل سب بجنور میں تھے ان کو واپس آنا ضرور تھا۔ چنانچہ تیرھویں تاریخ کو وہ بجنور میں واپس آئے۔

ہلدور میں جو جو رئیس جمع تھے اس کا بیان اور وہاں کے مشورہ کی کیفیت

جب ہم ہلدور پہونچے تو چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور بھی وہاں تھے اور میر صادق علی رئیس چاندپور بھی وہاں آتے ہوئے تھے اور درباب انتظام ضلع کے گفتگو مقصود تھی ہم نے تو مداخلت انتظام ضلع سے بدون حکم سرکار صاف انکار کیا میر صادق علی کی یہ رائے پائی کہ جس طرح جناب صاحب کلکٹر بہادر نے اپنے خط مورخہ ساتویں اگست ۱۸۵۷ء میں لکھا ہے ہر ایک رئیس اپنے اپنے علاقہ کا انتظام کرے کہ اس میں پرگنہ چاندپور کی جداگانہ حکومت میر صادق علی کی قایم رہتی تھی۔ ہم نے ہلدور سے ایک اور عرضی جملہ رئیسوں کی طرف سے اور اپنی اور سید تراب علی اور ڈپٹی صاحب کی طرف سے کہ یہ سب ہلدور میں موجود تھے جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر پاس روانہ کی اور کنہیا لال ڈگری نویس محکمہ صدر امینی کو بھی بھیجا اور اسی تاریخ چودھری رندھیر سنگھ رئیس ہلدور اور چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور اور میر صادق علی رئیس چاندپور واسطے انتظام

کے روانہ بجنور ہوئے مگر ۱۶ تاریخ کو میر صادق علی چاندپور چلے گئے اور چودھری صاحبان وہاں مقیم رہے ان تمام گفتگوؤں میں جیسی اچھی رائے ہم نے چودھری پرتاب سنگھ کی پائی اور ہر وقت جیسا ڈر حکام انگریزی کا ان کے دل میں ہم نے پایا اور کسی میں نہیں دیکھا ہر دم اس کی زبان پر یہ بات تھی کہ فلاں کام کرتے تو ہو مگر یہ بھی خیال ہے کہ حکام انگریزی اس پر کیا کریں گے۔ غرضکہ ان معاملات کے بعد چودھری بدھ سنگھ صاحب سے ہم نے اپنا مطلب عرض کیا کہ ہم کو مدد دے کر پار اتروا دو ہمارے اصرار پر انہوں نے اقرار کیا اور پچاس آدمی دینے تجویز کئے اور یہ بات ٹھہری کہ سید تراب علی تحصیلدار بجنور نگینہ میں جا کر باعانت رامدیال سنگھ جو اسی روز واسطے انتظام نگینہ اور لانے سانچہ توپ کے جو نتھو خاں نے نواب کے لئے بنوائی تھی روانہ نگینہ ہوتے تھے اپنے قبائل کو جلد وہیں لے آویں تا کہ ہم سب مل کر گنگا پار اتر جاویں اور سید تراب علی کو یہ بھی فہمائش ہوئی کہ تم نگینہ میں مدت تک رہے ہو وہاں کے لوگوں کو فہمائش بھی کر دو کہ ہندو مسلمان آپس میں کچھ فساد نہ کریں۔ چنانچہ سید تراب علی چودھویں اگست کو روانہ نگینہ ہوئے۔

انتظام ضلع کے لئے کچھ سرکاری فوج آنے کی تجویز ہونا۔

جب یہ عرضیاں چودھری صاحبوں کی اور ہماری میرٹھ میں بحضور حکام پہنچیں تو جملہ حکام کی رائے یہ قرار پائی کہ ایسی حالت میں تھوڑی سی فوج کا معہ حکام ضلع ضلع میں بھیج دینا مناسب ہے اور کچھ تھوڑی سی فوج کی لے جانے ضلع کے تجویز بھی ہوئی اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر اس امر میں بہت ساعی ہوئے چنانچہ جملہ حکام نے اس تجویز کو منظور کر کے رپورٹ واسطے فراہمی فوج معونہ اور صدور حکم و اجازت روانگی ضلع کے بحضور گورنمنٹ آگرہ روانہ کی اور منتظر صدور حکم رہے۔

تا تشریف آوری حکام انتظام ضلع کا ڈپٹی کلکٹر اور صدر امین سپرد ہونا اور سپردگی ضلع کے خطوط آنے

اور یہ تجویز کی کہ محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر

امین یعنی مصنف تا تشریف آوری حکام انگریزی انتظام ضلع از جانب سرکار کریں چنانچہ پندرھویں اگست ۱۸۵۷ء بمقام ہلدور شام کے وقت ہمارے پاس ایک خط جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر جج و اسپشل کمشنر بنام میرے اور ایک خط بنام محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور ایک خط جناب مسٹر ولیم صاحب بہادر کمشنر میرٹھ کا بنام ہم دونوں کے اور ایک خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ کا بنام ہم دونوں کے واسطے انتظام ضلع کے پہونچے اور یہ سب خط مورخہ تیرھویں اگست ۱۸۵۷ء کے تھے اگرچہ یہ سب خط ایک آفت کے وقت جس کا ذکر آگے آوے گا ہم نے بجنور میں جلا دیئے۔ اور میرٹھ میں جب پہونچے تو معلوم ہوا کہ ان کی نقلیں بھی دفتر میں نہیں تھیں کیوں کہ بہت جلدی میں اور نازک وقت میں لکھے گئے تھے۔ مگر جو مضامین ان کے کہ سب متحد تھے ہم کو یاد ہیں۔ اس مقام پر لکھتے ہیں اور امید ہے کہ بے تفاوت ہوں۔

مضمون خطوط

خلاصہ مضامین خطوط مذکورہ مورخہ تیرھویں اگست ۱۸۵۷ء بنام محمد رحمت
ص۹۶ خاں ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین بجنور جو کہ تمہاری تحریر سے اور چودھریان ضلع بجنور کی تحریر سے معلوم ہوا کہ بسبب ظلم و زیادتی نواب کے چودھریان ضلع بجنور کی تحریر سے معلوم ہوا ہے کہ بسبب ظلم و زیادتی نواب کے چودھریان ضلع بجنور پر اس نے کی چودھریوں اور نواب میں مقابلہ ہوا اور نواب شکست کھا کر بھاگ گیا اور اب انتظام ضلع کا ضرور ہے اس لئے تم دونوں کو لکھا جاتا ہے کہ تم دونوں اہلکار سرکاری اپنے تئیں تمام ضلع کا جانب سرکار سے منتظم سمجھ کر بالاتفاق انتظام ضلع کا کرو اور جملہ چودھریان ضلع بھی یہی درخواست رکھتے ہیں کہ تمہارے ہاتھ میں انتظام ضلع کا رہے۔

چودھری صاحبوں نے جو اپنی عرضیاں بھیجی تھیں ان کے جواب میں بھی یہی لکھا آیا کہ رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین کو منتظم ضلع مقرر کیا گیا ہے تم لوگ ان سے ممد و معاون رہو اور اب حکام انگریزی مع فوج کے جلد اس ضلع میں آجاویں گے چنانچہ جناب مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر نے جو خط بنام چودھری امراؤ سنگھ صاحب

تنبیر کوٹ لکھا تھا اور وہ ہم کو ان کے پاس سے ملا اس مقام پر لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں۔

جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر کا پروانہ چودھری امراؤ سنگھ کے نام

رفعت و عوالی مرتبت گرامی قدر چودھری امراؤ سنگھ صاحب سلمہ الرحمن۔ عرضی آپ کی مشعر حالات ظلم اور بدعت نواب محمود خاں کے پہونچی سب حال معلوم ہوا۔ کمال افسوس و رنج ہے کہ آپ کا اس قدر نقصان عظیم ہوا اور شیو راج سنگھ اور قبیلہ اس کا قتل ہوئے اللہ تعالیٰ کوئی آفت کسی شخص پر نازل نہیں کرتا کہ جس کے بعد کچھ تسلی نہو اس قدر ظلم یعنی غارت گری مال و قتل عزیزان تمہارا پٹھان لوگ نہ کرتے تو تم سب رؤسا ہنوز یک دل ہو کر کیوں کر اس کو نکالتے اب تم سب ہنود نے اتفاق کر کے اسی ظالم نواب کو نکال دیا اگر سابق سے بھی تمہارے باہم ایسا اتفاق ہوتا تو جس قدر فوج باغی اس نواح میں تھی اس کا مارا جانا کیا مشکل ہوتا اور پھر کیا مزدست چلے آتے ہم لوگوں کی وہاں سے ہوتی اور ایسی آفات تم لوگوں پر کیوں آئے خیر سب امور اپنے وقت معینہ پر منحصر ہیں اب بہ فضل خدا سب تکالیف تمہاری جلد رفع ہو جاتی ہیں بطلب ہمارے جو آپ لکھتے ہیں سو ہم نے واسطے جانے بجنور کے گورنمنٹ کو لکھا ہے اور شکسپیر صاحب بھی پہاڑ سے بلائے گئے ہیں اب عنقریب بندوبست صے۷
فوج کا ہو جاتا ہے ہم تھوڑی فوج معتبر لے کر عنقریب آویں گے اور سید احمد خاں صدر امین اور رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر کو لکھا ہے کہ تا پہونچنے ہمارے وہ انتظام وہاں کا اچھی طرح کریں گے اور مسٹر پامر صاحب جنٹ مجسٹریٹ بجنور کا جو حال آپ نے دریافت کیا تھا سو وہ مظفر نگر میں ہیں میرٹھ میں آئے تھے سو آج رات کو میراں پور میں ہوں گے۔ بطلب خط بنام والی رامپور جو آپ نے لکھا تھا سو ہم نے کل کی تاریخ خط انگریزی نواب صاحب والی رامپور کو لکھ بھیجا ہے اور ایک خط انگریزی مکرر آج بھی حسب درخواست آپ کے لکھ کر ان کے پاس بھیجدیں گے میرٹھ سے تا لب گنگ ڈاک ہرکارے کی معرفت پوسٹ صاحب میرٹھ بٹھائی جاتی ہے بجنور سے تا اس کنارہ آب ہرکارہ معتبر اور خواہ مرد سلح مقرر کر دیجیے اور حالات روزانہ اس نواح سے اطلاع دیتے رہیے۔ اور واسطے عبور ہرکارہ کے ایک

ڈونگی مقرر کرا دیجئے۔ حال لگا دینے توپ کا آپ نے مکان پر بہ نسبت بھانجہ نواب ظالم جو آپ نے لکھا تھا سو اہل ہند جنہوں نے توپ نہیں دیکھی توپ سے بہت ڈرتے ہیں مگر جب توپ ناواقف کے ہاتھ میں ہے تب وہ توپ ہتھیار نہیں جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں اگر یہ پٹھان لوگ تم اہل ہنود پر جو توپ لگا دیں تو یہ تدبیر کرنی چاہیئے کہ دو دو آدمی چاروں طرف پھیل جاؤ اور بیچ میں فاصلہ سو سو قدم کا چھوڑ دو اور چاروں طرف سے ایک ہی وقت گولہ اندازوں پر حملہ کرو جب وہ توپ چلا چکیں۔ جب توپ پچاس قدم رہ جاوے تب گویا تمہارے ہاتھ لگ گئی سمجھو مگر جو بھیڑ کی مثال خوفناک ہو کر ایک ہی جگہ کھڑے ہو جاؤ گے تو تمہارا نقصان عظیم ہو گا ورنہ توپ کچھ خاک بھی نہیں کر سکتی اور تھوڑے ہی دن کی بات ہے کہ ایک کمپنی گوروں نے آٹھ ضرب توپ کلاں کنارہ ندی ہنیڈن پر تلنگوں سے چھین لی تھیں تم بھی اسی طرح عمل میں لاتے رہو تحریر چودھویں اگست ۱۸۵۷ء۔

بعض کلمات جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر جو صاحب ممدوح نے سید احمد خاں کی نسبت فرمائے

میں نہایت متامل ہوتا ہوں اس اگلی بات بیان کرنے سے کہ میں اپنی نسبت آپ لکھتا ہوں اور پھر مجھ کو اس کے لکھنے پر اس لئے دلیری ہوتی ہے کہ در حقیقت میں خود نہیں لکھتا بلکہ اپنے آقا کی بات بیان کرتا ہوں اور پھر مجھ کو نہایت خوشی ہوتی ہے کہ گو میرے صـ۶۸ آقا میری نسبت بات کہی ہو میں کیوں نہ اس کو کہوں اور کس لئے نہ لکھوں کہ اپنے آقا کی بات سے خوش ہونا اور اس کو بیان کر کر اپنا فخر کرنا نوکر کا کام ہے۔ یعنی جب میں میرٹھ آیا اور بیماری نے مجھ کو کمال ستایا تو میرے آقا مسٹر جان کری کرافٹ ولسن صاحب بہادر دام اقبالہٗ صاحب جج اور اسپیشل کمشنر میری عزت بڑھانے کو مجھے دیکھنے آئے اور مجھ سے یہ بات کہی کہ تم ایسے نمک حلال نوکر ہو کہ تم نے ایسے نازک وقت میں بھی سرکار کا ساتھ نہیں چھوڑا اور باوجودیکہ بجنور کے ضلع میں ہندو اور مسلمانوں میں کمال عداوت تھی اور ہندوؤں نے مسلمانوں کی حکومت کو مقابلہ کر کے اٹھا دیا تھا اور جب ہم نے تم کو اور محمد رحمت خان

صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کو ضلع سپرد کرنا چاہا تو تمہاری نیک خصلت اور اچھے چلن اور نہایت طرفداری سرکار کے سب تمام ہندوؤں نے جو بڑے رئیس اور ضلع میں نامی چودھری تھے سب نے کمال خوشی اور نہایت آرزو سے تم مسلمانوں کا اپنے پر حاکم بننا قبول کیا بلکہ درخواست کی کہ تم بھی سب ہندوؤں پر حاکم بنا دئے جاؤ اور سرکار نے بھی ایسے نازک وقت میں تم کو اپنا خیر خواہ اور نمک حلال نوکر جان کر کمال اعتماد سے سارے ضلع کی حکومت تم کو سپرد کی اور تم اسی طرح وفادار اور نمک حلال نوکر سرکار کے رہے اس کے صلے میں اگر تمہاری ایک تصویر بنا کر پشت ہا پشت کی یادگاری اور تمہاری اولاد کی عزت اور فخر کو رکھی جاوے تو بھی کم ہے میں اپنے آقا کا کمال شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھ پر ایسی مہربانی کی اور میری قدر دانی کی خدا ان کو سلامت رکھے۔ آمین۔

ڈپٹی کلکٹر اور صدر امین کا بجنور میں آنا اور ضلع کا انتظام اوٹھانا اور سرکار کے نام سے منادی کا کرنا

غرضکہ جب یہ حکم ہمارے نام پہونچا تو ہم نے اس کی اطاعت کرنی اپنی کمال عزت سمجھی اور میں اور محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر ہلدور سے بجنور میں آئے اور انتظام ضلع اپنے ہاتھ میں لیا اور اشتہارات عملداری سرکار دولتمدار کے جاری کئے اور تمام ضلع میں سرکار کمپنی انگریز بہادر کے نام سے منادی پٹوائی اور روبکاری اوٹھا لینے انتظام کی جس کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں بحضور حکام روانہ کی۔

روبکاری باطلاع شروع کرنے انتظام ضلع کی ص۶۹

روبکاری کچہری فوجداری ضلع بجنور بہ اجلاس محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ و سید احمد خاں صدر امین منتظمان ضلع بجنور واقعہ ۱۶ر اگست ۱۸۵۷ء۔

احکام جناب صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ اور جناب صاحب جج بہادر ضلع مراد آباد او جناب جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور مورخہ ۱۳ر اگست ۱۸۵۷ء ہمارے نام پندرھویں اگست

سنہ حال کو وقت شام اس ارشاد سے پہونچ کر ڈپٹی کلکٹر و صدر آمین باہم متفق ہو کر تا تشریف آوری حکام انگریزی کے انتظام ضلع بجنور کا کریں چنانچہ بمجرد پہونچنے احکام سرکار کے ہم لوگ بمقام بجنور حاضر ہوئے اور چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ رئیسان ہلدور اور چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور بھی بمقام بجنور موجود ہیں۔ چنانچہ ہم باعانت رئیسان مذکور اور رئیسان بجنور انتظام ضلع میں مصروف ہوئے اور احکامات اور اشتہارات مناسب جاری کئے اور جہاں جہاں کہ لوگ واسطے مفسدہ کے جمع تھے ان کو متفرق کرنے کی تدبیر کی گئی لہذا

حکم ہوا کہ

نقل اس روبکاری کی بہ حضور جناب صاحب کمشنر بہادر میرٹھ اور جناب صاحب جج بہادر ضلع مراد آباد اور جناب جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور کے بھیجی جاوے۔

سرکاری اسباب جو لٹ گیا تھا اس میں سے تھوڑے سے کا برآمد ہونا

بعد اس کے ہم نے بجنور میں ایک اور منادی پٹوائی کہ جس جس شخص نے اسباب سرکاری اور صاحبان انگریز کا اس ہنگامہ میں لوٹ لیا ہے وہ دے جاوے یا کسی مقام پر خفیہ رکھ جاوے اگر ایسا نہ کرے گا یا اسباب کو ضایع اور تلف کرے گا تو مجرم ٹھہرایا جاوے گا۔ اس منادی پر بہت سی کتابیں دفتر کی اور جناب صاحب کلکٹر بہادر کے بنچ کی اور کچھ اسباب شفاخانہ کا اور بہت سا کاغذ اسٹامپ اور چند کتابیں سر دیری نقشہ جات کی اور رجسٹری دست آویزات اور قوانین کی دستیاب ہوئیں۔ اور کچہری تحصیلی میں جمع کی گئیں۔ ہری سنگھ امین بٹوارہ نے اس اسباب کے جمع کرنے اور سر دیری نقشہ جات کی کتابوں کے بہم پہونچانے میں نہایت سعی اور کوشش کی اور چودھری نین سنگھ رئیس بجنور نے جس قدر کتابیں جمع کی تھیں انہوں نے بھی تحصیل میں بھیج دیں اور اس طرح اور بہت سا اسباب نکلنے کی توقع تھی مگر افسوس کہ تقدیر سے ہمارا ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

رائے سید احمد خان کی نسبت الفاظ منادی

جب ضلع ہمارے سپرد ہوا تو میری یہ رائے تھی کہ پرانے لفظ منادی کے یعنی خلق خدا کی

ملک بادشاہ کا حکم کمپنی صاحب بہادر کا بدلے جاویں اور بجائے ملک بادشاہ کے پکارا جاوے کہ ملک ملکہ وکٹوریہ شاہ لندن کا کیونکہ منادی میں ایسے الفاظ چاہئیں کہ جن سے عوام الناس بغیر شک کے یہ بات سمجھے کہ در حقیقت ملک کس کا ہے اور ہمارا بادشاہ کون ہے اور ہم کس کی رعیت ہیں لیکن بلا اجازت حکام صرف اپنی رائے سے اس دستور قدیم کو بدلنا مناسب نہ جانا اور اس باب میں ایک خاص رائے دینی دوسرے وقت پر موقوف رکھی۔

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا میران پور میں مقیم ہونا

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے ضلع کے حال پر کمال توجہ فرمائی اور خود میران پور میں مقیم ہوئے تاکہ روزمرہ کا حال صاحب کو معلوم ہوتا رہے اور ہر طرح ہماری تسلی اور تشفی رہے چنانچہ علاوہ اس روبکاری کے جس کا ذکر اوپر لکھا سولھویں اگست ۱۸۵۷ء کو ہم نے ایک رپورٹ حالات ضلع کی بحضور صاحب ممدوح روانہ کی جس کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں۔

نقل رپورٹ حالات ضلع مرقومہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء

نقل رپورٹ محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خان صدر امین منتظمان ضلع بجنور بنام مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ مرقومہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء حال اس ضلع کا یہ ہے کہ سوائے پرگنہ نجیب آباد کے اور سب طرف امن ہے قصبہ نہٹور اور سیوہارہ اور ہیمپن اور نگینہ میں کچھ لوگ بہ ارادہ مفسد جمع ہوئے تھے ان کے متفرق کرنے کی تدبیریں کی گئیں ہیں غالب ہے کہ متفرق ہو گئے ہو نگے۔ یا شام صبح ہو جاویں چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ رئیسان ہلدور اور چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور معہ جمعیت مناسب بجنور میں موجود ہیں اور انتظام ضلع میں معہ رئیسان بجنور ہر طرح کی مدد دیتے ہیں۔ حال نجیب آباد کا یہ ہے کہ سنا جاتا ہے کہ نواب محمود خان کے پاس قریب پانچ ہزار کی جمعیت اور ایک توپ برنجی لو طیار ان پاس موجود ہے اور نجیب آباد میں ایک توپ اور طیار کروائی ہے اور جس قدر دیہات قرب و جوار نجیب آباد کے ہیں ان کو لوٹتے ہیں اور جلاتے صدا،

ہیں ہماری دانست میں جس قدر سرکاری فوج آنے میں توقف ہوگا اسی قدر ان کے پاس جمعیت زیادہ ہوتی جاوے گی اور اگر سرکاری فوج جلد تر اس ضلع میں آجاوے گی تو تنی الفور ان کی جمعیت منتشر ہو جاوے گی۔ حال جاری ہونے ڈاک کا یہ ہے کہ جناب صاحب کمشنر بہادر میرٹھ اور جناب صاحب جج بہادر مرادآباد نے یہ حکم بھیجا ہے کہ ڈاک سابق جاری کی جاوے یعنی راؤلی سے مظفر نگر تک تو اس کے اجرا کی تدبیر ہو رہی ہے اور حضور جو چاہتے ہیں کہ روزانہ خبر حضور کو بمقام جولی یا میرانپور پہونچے تو اس کام کے لئے ضروری ہے کہ بذریعہ سوار ہر روز یہاں کے حالات حضور میں روانہ ہوا کریں۔ کیونکہ مظفر نگر کی ڈاک جاری ہونے سے یہ مطلب حاصل نہیں ہوگا اس واسطے مظفر نگر کی ڈاک بھی بدستور سابق جاری کریں گے اور حضور کے پاس جداگانہ معرفت سوار کے یا ہرکارہ کے روزانہ حالات یہاں کے روانہ کیا کریں گے۔

سترھویں اگست ۱۸۵۷ء کو ہم نے ایک اور رپورٹ روئداد ضلع کی بہ حضور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کے روانہ کی اس کی نقل بھی بعینہٖ مندرج کرتے ہیں۔

نقل رپورٹ ثانی متضمن روئداد ضلع مرقومہ ۱۷ اگست ۱۸۵۷ء

نقل رپورٹ محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین منتظمان ضلع بجنور مورخہ ۱۷ اگست ۱۸۵۷ء۔ اس وقت تک حال ضلع کا بدستور ہے کوئی بات نئی نہیں ہوئی مگر کئی باتیں قابل عرض کے ہیں حضور ان کو بعد غور ملاحظہ فرماویں اور مفصل ان کے جواب سے مطلع کریں۔ اول یہ کہ نواب محمود خاں باوجود ان سب باتوں کے جو وقوع میں آئیں تدبیر جمع کرنے آدمیوں اور درستی توپوں میں مصروف ہے جس قدر حضور کے آنے میں توقف اور تاخیر ہوگی وہ سامان درست کرتا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ اس ضلع کے رئیسوں کے پاس کچھ فوج ملازم نہیں بلکہ سب زمیندار اور آپس کی برادری وقت پر جمع ہو جاتی ہے اس صورت میں ایک مدت دراز تک جمع رہنا ان لوگوں کا غیر ممکن ہے علاوہ اس کے اگر وہ لوگ جمع بھی رہیں تو اخراجات خوراک روزمرہ ان کا اس قدر پڑتا ہے کہ کوئی رئیس حد ۲

متحمل نہیں ہو سکتا اور سوائے اس کے کارخانہ کشتکاری بالکل تباہ اور برباد اور مسدود ہوا جاتا ہے انجام کو یہ نقصان سرکاری پر عائد ہوگا اور باعث بربادی زمینداروں کے ہوگا اس صورت میں جلد تر آنا حکام کا اور فوج سرکاری کا اس ضلع میں ضرور ہے تیسرے یہ کہ حضور حکام والا مقام سے جو انتظام اس ضلع کا تا تشریف آوری حکام انگریزی ہم ملازمان سرکار کے سپرد ہوا ہے تو ہم لوگ باعانت رئیسان اس ضلع کے انتظام میں مصروف ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر جمعیت ان لوگوں رئیسوں کی متفرق ہو جاوے گی تو کسی طرح انتظام ضلع کا ممکن نہ ہوگا کیوں کہ ہم لوگوں کے پاس کچھ کچھ جمعیت فوج وغیرہ کی جس سے انتظام ضلع کا کیا جاوے نہیں ہے اور جس قدر برقنداز اور چپراسی تھانجات پر متعین تھے ان میں سے اکثر غیر حاضر ہو گئے ہیں اور محض صرف ان لوگوں سے ایسے وقت میں انتظام ضلع کا ممکن نہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر اس ضلع میں اندیشہ نواب محمود خاں کی یورش کا نہ ہوتا تو چنداں مشکل درباب انتظام ضلع کے نہ ہوتی ایسی حالت میں جس قدر جلد ممکن ہو سرکاری فوج کا آنا چاہیئے ورنہ کوئی صورت انتظام ضلع کے قایم رہنے کی معلوم نہیں ہوتی اور نواب محمود خاں پاس روپیہ اور سامان سرکاری جو لے گیا ہے بہت ہے اس سبب سے اس کو فوج رکھنے میں کچھ تامل اور دریغ نہیں ہے پانچویں یہ کہ حضور جو یہ ارقام فرماتے ہیں کہ ہم میران پور میں صرف اس واسطے مقیم ہیں کہ ہر روز خبر ضلع بجنور کی حضور پاس پہونچتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی تشریف آوری اس ضلع میں چند روز توقف ہوگا در صورت توقف بالکل بربادی ضلع اور بڑھنے انتظام متصور ہے اس واسطے امیدوار ہیں کہ حضور بتعین تاریخ ارقام فرما دیں کہ حضور کس تاریخ اس ضلع میں تشریف لاویں گے تاکہ بہ لحاظ اس کے انتظام جمع رہنے جمعیت کا کیا جاوے۔

جس قدر ہم تاکید واسطے آنے فوج سرکاری کے جناب جارج پامر صاحب بہادر کو لکھتے تھے اس سے زیادہ صاحب موصوف بدل اس میں کوشش کر رہے تھے مگر ہنوز جواب اس صد ۳۲
رپورٹ کا جو گورنمنٹ میں روانہ ہوئی تھی نہیں آیا تھا۔ اس سبب سے صاحب ممدوح کوئی تاریخ درباب بھیجنے فوج کے ضلع میں اور کوئی دن اپنی تشریف آوری کا مقرر نہیں فرما سکتے تھے۔

الا ہر طرح سے تشفی ہم لوگوں کی اور تسلی رئیسان کی فرماتے تھے اور نہایت دانائی سے ایسی تدبیروں میں مشغول رہتے تھے کہ جس سے عوام الناس کی خاطر جمع رہے اور وہ جانیں کہ بہت جلد سرکاری فوج آنے والی ہے۔

بجنور سے براہ میران پور میرٹھ تک نئی ڈاک کا بیٹھنا

درباب انتظام و اجرا ئے ڈاک کے ہم نے بہت کوشش کی اور روبکاری ضلع مظفر نگر میں واسطے بندوبست ہرکاروں کے گھاٹ داراں نگر تک روانہ کی اور ایک نئی ڈاک بجنور سے میران پور ہوتی ہوئی میرٹھ تک بٹھائی تجویز کی اور بابو گنج لال ڈپٹی پوسٹ ماسٹر کو جو نواب کے ظلم سے ڈاک خانے سے اٹھا یا گیا تھا بلا کر ڈاک خانے میں بٹھادیا گیا اور دو ہرکارہ بمقام بجنور اور دو ہرکارہ بمقام گھاٹ دارا نگر متعین کئے گئے کہ دارا نگر سے ہرکاروں کی آمد و رفت دھرم پور تک ہوتی تھی اور دھرم پورہ سے جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر نے انتظام چوکیات ہرکاروں کا کرلیا تھا۔ چنانچہ یہ سب انتظام بخوبی ہوگیا تھا۔ اور ڈاک جاری ہوگئی تھی۔ اور سترھویں اگست ۱۸۵۷ء کو ہم نے رپورٹ تکمیل اور جاری ہونے ڈاک کی بخدمت صاحب ممدوح روانہ کی۔

پنڈت رادھا کشن کا بحضور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر مجسٹریٹ بمقام میران پور جانا اور چودھریوں کا بمقام دھرم پورہ ملازمت کرنا

پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے یہ تجویز کی کہ وہ خود میران پور میں جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر پاس جاویں اور تمام حالات ضلع کے زبانی عرض کریں اور اگر ممکن ہو تو چودھریوں کی صاحب ممدوح سے بھی ملاقات کروائیں کہ اس میں صاحب ممدوح کو بھی بخوبی حالات ضلع سے اطلاع ہوگی اور چودھریوں کو بھی اور نیز سب لوگوں کو زیادہ تر طمانیت رہے گی چنانچہ سترھویں تاریخ کو پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر ایک آدمی اپنا اور ایک سوار چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور کا لے کر روانہ ہوئے اور میران پور میں صاحب ممدوح کی ملازمت حاصل کی اور تمام حالات ضلع زبانی عرض کئے اور بمقام دھرم پور جو کنارے گنگ پر ہے چودھریوں کی ملازمت کرائی اور

صاحب

چودھریوں کو بلایا چنانچہ چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاج پور اور چودھری رندھیر سنگھ رئیس ہلدور اور چودھری نین سنگھ رئیس بجنور دھرم پورہ میں گئے اور چودھری جودھ سنگھ جو پہلے سے پار گئے ہوئے تھے وہ بھی آشامل ہوئے اور ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء کو صاحب ممدوح کی ملازمت کی صاحب ممدوح نے سب کی تسلی و تشفی فرمائی اتنے میں غلغلہ پڑا کہ نواب بجنور پر چڑھ آیا اور یہ غلط خبر دھرم پورہ میں پہونچی چودھری صاحبوں کا اس خبر کے سننے سے رنگ فق ہو گیا اور نہایت اضطرار کی حرکتیں کرنے لگے اور ہوش جاتے رہے۔ مگر چودھری رندھیر سنگھ کا استقلال بدستور رہا اور وہ بخوبی اور دانائی سے صاحب ممدوح سے مصلحت کرتے رہے کہ اگر یہ خبر سچ ہو تو کیا کیا جاوے مگر درحقیقت یہ خبر غلط تھی غرضکہ صاحب ممدوح نے بعد بات چیت کے سب کو رخصت کیا اور اسی تاریخ یہ سب لوگ معہ پنڈت رادھاکشن ڈپٹی انسپکٹر کے بجنور میں واپس آئے۔

دیہات قرب وجوار نجیب آباد کا پھونکا جانا

با ایں ہمہ احمد اللہ خان اور شفیع اللہ خان اپنی بدنیتی اور فساد انگریزی سے باز نہیں آئے تھے اور ہندوؤں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے اور دیہات قرب وجوار نجیب آباد کے لوٹنے اور پھونکنے میں مشغول تھے۔ چنانچہ شفیع اللہ خاں نے موضع موسیٰ پور کو جلا دیا تھا اور مائڈے اور عباداللہ خان نے جس کو نواب نے تحصیلدار نگینہ بعزولی مولوی قادر علی تحصیلدار کے مقرر کیا تھا دیہات حسن پورہ و موہن پورہ و شفیع آباد و کارولی و نوادہ پور پٹی جاٹان کو کہ یہ سب گاؤں مسکن جاٹان تھے لوٹ لیا تھا اور پھونک دیا تھا اور میر جیون علی رئیس حسین بھی نجیب آباد میں موجود تھا اور ان کا شریک سمجھا جاتا تھا اسلئے ہم نے

رپورٹ تیسری درباب طلب خطوط بنام بعض رئیسان

۱۹ اگست ۱۸۵۷ء کو بہ حضور مسٹر جارج پامر صاحب بہادر رپورٹ اور یہ درخواست کی کہ صاحب موصوف کی طرف سے جیون علی کے نام خط جاری ہو کہ وہ شرکت سے باز آوے اور رائے ہمت سنگھ رئیس ساہن پور کے نام بھی خط طلب کیا اس مطلب سے کہ ان کا علاقہ متصل نجیب آباد کے ہے وہ اس فساد کو روکیں اور مفتی محمد سمیع رئیس کیرت پور کے نام بھی

خط مانگا اس مقصد سے کہ وہاں سے کوئی تازہ فساد اٹھنے نہ پاوے چنانچہ صاحب ممدوح نے ہماری رپورٹ کا جو جواب اور خطوط بنام رئیسان بھیجے وہ بجنسہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

جواب رپورٹ کا پیشگاہ مسٹر جارج پامر صاحب بہادر سے

نقل خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ ضلع بجنور خان صاحب مشفق مہربان محمد رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خان صاحب صدر امین سلامت بعد سلام شوق واضح باد خط آپ کا مورخہ امروزہ پہونچا آپ اسی طرح سے روز روز حال وہاں کا ارقام فرماتے رہیں اور خط آپ کا براہ بذریعہ ڈاک بخدمت صاحب کمشنر بہادر میرٹھ اور نیز صاحب کلکٹر بہادر کہ آج خبر تشریف آوری صاحب موصوف کی مقام میرٹھ پہونچی ہے۔ بھیجا جاوے گا حسب درخواست آپ کے دو قطعہ خط موسومہ رائے ہمت سنگھ رئیس ساہن پور اور میر چھبن علی رئیس جھین کے آپ کی معرفت بھیجے جاتے ہیں آپ خط مذکور پاس رئیسان موصوف بہت جلد پہونچا دیں اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ قبل آنے خط تمہارے سے ایک قطعہ خط بنام مفتی محمد اسحق رئیس کیرت پور کے روانہ کر دیا اور امید ہے کہ تا آنے صاحب کلکٹر اور اس مخلص کے نوبت صلح بازی کی نہ پہونچے مگر ہر طرح لازم ہے کہ بجنور میں بے انتظامی نہ ہو اور چونکہ عشرہ محرم در پیش ہے یقین کہ آپ نے تدبیر انتظام اس کی کی ہوگی اور آپ اطمینان رکھیں کہ صاحب کلکٹر اور ہم معہ مدد کے جلد ارادہ تشریف لانے کا ضلع میں رکھتے ہیں چنانچہ صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ فوج کامل جمع کرنے میں واسطے بندوبست ضلع کے ہر وقت مصروف ہیں اور ہزاروں تدبیر کرتے ہیں مگر آپ کو بخوبی واضح ہے کہ بلا فوج کامل ہمارا آنا غیر مناسب ہوگا مناسب کہ تھوڑے عرصہ تک بالاتفاق و اعانت رئیسان آپ انتظام رکھیں اور بندوبست ہرکاران ڈاک کا بجنور سے میرٹھ تک بخوبی ہو گیا۔ نسبت جاری ہونے آمد و رفت خطوط کے تدبیر فرمادیں جو کچھ یہاں کی خبر ہے اس جا پر منتشر ہو جاوے تاکہ اسے بھی صفائی ہوا کی متصور ہو اور جو کچھ آپ کی جانب سے کوشش اور خیر خواہی سرکار میں ظاہر ہے بھولی نہ جاوے گی اور سب رئیسان سے ہمارا سلام کہہ دیجئے اس وقت

شب بہت گذری اس باعث سے خط علیحدہ نہیں لکھا گیا ان کی ملاقات سے ہم کو بہت دلجمعی حاصل ہوئی ہمیشہ حالات وہاں سے اطلاع فرماتے رہیں تحریر بتاریخ ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء۔

خط جناب جارج پامر صاحب کا بنام رائے ہمت سنگھ رئیس ساہنپور

نقل خط جناب جارج پامر صاحب بہادر بنام ہمت سنگھ رئیس ساہنپور۔ رائے صاحب مہربان دوستان سلامت، بعد اشتیاق ملاقات فرحت آیات واضح باد جس روز کہ صاحب کلکٹر بہادر ضلع بجنور سے تشریف فرما ہوئے خزانہ سرکاری اور انتظام ضلع سپرد نواب محمود خاں کے کیا۔ چند روز کا عرصہ ہوا کہ دریافت ہوا کہ مابین نواب صاحب اور چودھریان کے فساد ہو کر نوبت مقابلہ کی پہونچی اور نواب صاحب بجنور سے نجیب آباد کو چلے گئے آپ کو واضح ہووے کہ اس حالت میں صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین کو ارشاد فرمایا کہ بہ اعانت رئیسان ضلع انتظام ضلع کا تا تشریف آوری صاحبان ضلع کے کریں۔ اس واسطے لازم ہے کہ آپ ہر طرح ان کو مدد دیویں اور حکم ان کا مثل حکم سرکار کے تصور کریں اور چونکہ بعضے لوگوں سے دریافت ہوا کہ نواب صاحب ارادہ چڑھ آنے بجنور کا رکھتے ہیں۔ تم ایسی تدبیر کرو کہ یہ مقابلہ نہ ہونے پاوے ورنہ پھر بے انتظامی اور بربادی رعایا ہو جاوے گی اور ہمیشہ اپنے حال سے مطلع کرتے رہو۔ تحریر تاریخ ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء

خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بنام میر جیون علی رئیس نگینہ

میر صاحب مہربان دوستان سلامت بعد اشتیاق ملاقات فرحت آیات واضح باد کہ مابین نواب محمود خاں اور چودھریان تعلقہ داران قوم ہنود کے تکرار ہو کر نوبت سلح بازی کی پہونچی۔ خونریزی ضلع سے سرکار کو نہایت افسوس ہے۔ آپ کو واضح ہو کہ اس حالت میں چند روز ہوئے صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے محمد رحمت خان ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین کو ارشاد فرمایا ہے کہ انتظام ضلع تا تشریف آوری صاحبان ضلع کے کریں آپ اس تجویز سے مطلع رہیں اور واضح ہووے کہ صاحبان ضلع معہ فوج سرکاری واسطے بند و بست علاقہ

تشریف آوری کا بہت جلد رکھتے ہیں لہٰذا آپ کو ہر طرح لازم ہے کہ اپنے علاقہ میں انتظام اچھی طرح رکھو کسی طرح نوبت مقابلہ کی نہ پہونچے اور فساد نہ ہونے پاوے چونکہ تم رئیس ہو وقت تحقیقات ذمہ دار سرکار کے متصور ہوگے تحریر بہ تاریخ ۱۹ ار اگست ۱۸۵۷ء۔

تدبیر انتظام عشرہ محرم

یہ سب خط ہم نے رئیسوں مذکورہ بالا کے پاس بھیجے اور اس بات کی رپورٹ بیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو بہ حضور جناب جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ بمقام میرانپور روانہ کردی اور اس واسطے انتظام عشرہ محرم کے جو اشتہارات کہ عہد تسلط سرکار دولتمدار میں جاری ہوتے تھے وہ جاری کئے اور ہر طرح کا بندوبست مناسب کیا کہ عشرہ محرم کی بابت کسی قسم کا فساد نہ ہونے پاوے۔

نا محمود خاں کا بحضور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر خط لکھنا

جب کہ نا محمود خاں کو یہ خبر پہونچی کہ جناب مسٹر جارج پامر صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر بمقام میرانپور مقیم ہیں اور خط و کتابت چودھری صاحبوں سے برابر جاری ہے تو اس نے بھی ایک خط بنام صاحب ممدوح متضمن زیادتی چودھری صاحبان اور بشکایت اس بات کے کہ مجھ کو چودھری صاحبوں نے مقابلہ کرکے اٹھا دیا اور تمام ضلع میں بد انتظامی کر دی چودھویں اگست ۱۸۵۷ء کو روانہ کیا تھا جب وہ خط صاحب ممدوح کے ملاحظہ میں گذرا تو انیسویں اگست کو صاحب موصوف نے اس کا جواب ارقام فرمایا کہ نقل اس کی اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔

نقل خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بنام نواب محمود خاں در جواب ان کے خط کے

نواب صاحب مشفق مہربان مخلصان محمد محمود خاں صاحب زاد عنایتہ۔ بعد شوق ملاقات کہ درجہ غایت ہے واضح خاطر خطیر باد خط آپ کا مرسلہ چودھویں اگست ۱۸۵۷ء آج ہمارے پاس پہونچا مضمون اس کا معلوم ہوا چنانچہ بجنسہ خط کو صاحب کلکٹر بہادر و صاحب کمشنر
ص۸۰ بہادر کے بمقام میرٹھ روانہ کیا گیا اور قبل از پہونچنے خط آپ کے سرکار کو معلوم ہوا کہ

آپ کے ملازمان اور تعلقہ داران چودھریان کے بیچ میں بمقام شیرکوٹ وبجنور کے مقابلہ ہوا
اور ہوئے فساد اور اجرائے خون علاقہ میں سرکار کو بڑا افسوس ہے چنانچہ واسطے انتظام
ضلع کے صاحب کمشنر بہادر نے محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صدر امین کو
ارشاد فرمایا اور آپ اس بات کو مطلع ہوویں اور واضح ہو کہ صاحبان ضلع معہ جمعیت
فوج کامل کے ساتھ بہت جلد تشریف لاویں گے اور وقت تشریف آوری کے سارے
حال کی دونوں طرف سے تحقیقات ہوجاوے گی آپ کو لازم ہے کہ تا تشریف آوری کے
آپ ہر طرح کے ملازمان کو مقابلہ سے باز رکھئے اور مکرر آپ کو لکھا جاتا ہے کہ دو دفعہ خط
صاحب کمشنر بہادر معرفت تحصیلدار مظفر نگر پاس آپ کے بھیجا گیا دونوں دفعہ ڈاک سے
واپس آیا اب پاس آپ کے بھیجا جاتا ہے والسلام بتاریخ ۱۹ اراگست ۱۸۵۷ء ۔

یہ خط جناب صاحب کمشنر بہادر کا جس کا اس میں ذکر ہے مورخہ ۱۵ اراگست ۱۸۵۷ء
کا تھا اور اس خط میں صاحب کمشنر بہادر نے نواب محمود خاں کو نصائح ارجمند ارقام فرمائے
تھے اور خونریزی اور مقابلہ اور ظلم سے طلب باقی پر اس قدر زیادتی سے منع فرمایا تھا اور جو
حال نانا، دھندو پنت مرہٹہ کا بسبب عدول حکمی اور عدم بجا آوری احکام سرکار ہوا تھا
وہ بھی لکھا تھا اور بخوبی سمجھا دیا تھا کہ جو لوگ بہ اطاعت سرکار کام کریں گے وہ فائدہ مند
اور جو اس کے برخلاف کریں گے ذلیل و خوار و سزایاب ہوں گے۔

مشورہ درباب یورش نجیب آباد

اگرچہ یہ سب تدبیریں ہو رہی تھیں مگر نا محمود خان کی طرف سے خاطر جمع نہ تھی اور
چودھری صاحبوں کو تردد تھا کہ درباب معاملہ چڑھائی نجیب آباد کیا جاوے اور ہمارے
ساتھی پنڈت رادھا کشن ڈپٹی انسپکٹر نے اس کا حال جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کو لکھا
تھا در جواب اس کے دو قطعہ چٹھیات صاحب ممدوح کی ہمارے پاس آئیں کہ بجنسہ ان کو
اس مقام پر لکھتے ہیں۔

Meeranpore
August 19th, 1857

My dear Radha Kishen,

I send by this post two letters to the Chowdries from the Commissioner. Explain to them that the difficulty regarding the troops arises from certain orders issued by the General Commanding at Delhi, irrespective of Bijnore, and that it is strongly hoped by the Commissioner, as well as myself they will be so far overlooked by Sir John Lawrence, the Chief Commissioner of the Punjab, as to enable us to reoccupy Bijnore shortly. I enclose you a note from Mr. Wilson which I had last night, it may assure them at all events that neither he, the Commissioner, or myself, are sparing any pains to come to their aid. I have written to the *rais* of Keerutpore, telling him to take care and not aid disturbers of the peace. With regard to Nujeebabad, which you said they did not like to attack without orders from government, they should use discretion. Of course now the government looks to their aid for the preservation of order in the district and until a force is sent to do so, they are perfectly free to attack that place; or, to do any thing that they may think really necessary to maintain order. But, if possible it would be better to wait a day or

so, till they have more certainty regarding our return and also I should think that it would be in itself very hazardous undertaking.

Yours truly
GEORGE PALMER
Junior

P.S. They should be prepared for the Mohurrum tomorrow.

Meeranpoor,
19th August. 1857

My dear Radha Kishen,

I have received a letter from the Nuwab at Nujeebabad and replied to it. Tell the Talookadars on no account to let their people stop mine by the way. The purport of my letter was to warn him against fighting with them, or anywhere else. Tell them therefor that, if he is disposed to keep to his own place at Nujeebabad, and have them alone, then they had better do the same by him. I sincerely trust there will be no more fighting till we come. Mr. Shakespear has arrived in Meerut; a Regiment of Sikhs is to be at Mozuffernugger today; I hope we shall get the number we want from them, but this

depends on the military authorities. I sent letters to you, and to the Rueeces and to Mahomed Remat Khan and the Sudder Ameen by sawar this morning. I send you an extract from a letter from Mr. Muir at Agra, with recent news. Translate it to them. I send bits of news from last papers.

Truly your's
George Palmer
Junior.

P.S. your letter has arrived come to me tomorrow. The Raieses had better wait a day or so before going to Najeebabad, unless the Nuwab came out to fight them. They will probably get orders on the subject from the Commissioner the day after tomorrow.

— :- o :; —

چٹھی جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر موسومہ پنڈت رادھاکشن

ترجمہ چٹھی جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بنام پنڈت رادھاکشن ڈپٹی انسپکٹر

میرے پاس خط نواب کا نجیب آباد سے آیا ہے اور میں نے اس کا جواب بھی لکھا ہے تعلقہ داروں سے کہدو کہ اپنے لوگوں سے کہدیں کہ وہ راستہ میں نہ پھاڑیں مضمون میرے خط کا یہ تھا کہ میں نے نواب کو لکھ بھیجا ہے کہ اور جگہ رئیسوں سے نہ لڑے کہدو ان سے کہ وہ اگر اپنا مقام نجیب آباد میں رکھے ان کو اکیلا چھوڑ دے تو ان کو بھی ایسا ان کی نسبت کرنا چاہیئے میں دل سے بھروسہ کرتا ہوں کہ جب تک ہم آویں گے کوئی لڑائی نہو گی مگر مسٹر شیکسپیئر بہادر میرٹھ میں پہونچ گئے ہیں ایک رجمنٹ سکھ کی آج مظفر نگر میں پہونچنے والی ہے کچھ آدمی ہم میں سے مجھ کو ملیں گے مگر یہ امر موقوف افسران فوج پر ہے میں نے خطوط تمہارے پاس اور ڈپٹی محمد رحمت خاں صاحب اور صدر امین صاحب اور رئیسوں پاس بذریعہ سوار آج کی صبح کو بھیجے ہیں۔ تمہارے پاس کچھ حال چٹھی میور صاحب آمدہ آگرہ معہ اخبار کے اخبار تازہ سے منتخب کر کے بھیجتا ہوں اس کا ترجمہ کر کے سب کو سنادو بہتر کہ تم میرے پاس کل تک چلے آؤ۔ اور رئیسوں کو مناسب ہے کہ ایک دو روز کا توقف نجیب آباد کے جانے میں کریں۔ جب تک نواب ہی ان سے لڑنے کو نہ چلا آوے ۱۹ ار اگست ۱۸۵۷ء۔

دوسری چٹھی جناب مسٹر جارج پامر صاحب کی بنام پنڈت رادھاکشن

ترجمہ چٹھی جناب جارج پامر صاحب بہادر بنام پنڈت رادھاکشن ڈپٹی انسپکٹر

بذریعہ اس ڈاک کے دو چٹھی کمشنر صاحب کی بنام چودھریوں کے بھیجتے ہیں ان سے کہدو کہ فوج کے مہیا کرنے میں مشکل بباعث خاص حکم کمان افسر دہلی کے پیدا ہوئی ہے اور صاحب کمشنر نے اور میں نے اس بات میں بہت سا لکھا ہے غالب ہے کہ برخلاف حکم افسر کے سر جان لارنس صاحب بہادر چیف کمشنر پنجاب تعمیل کریں اور قابل کریں ہم کو ہم پھر بجنور کو عنقریب چلے جاویں۔ میں ملفوف کرتا ہوں ایک چٹھی مسٹر ولسن صاحب بہادر کی جو میرے پاس شب گذشتہ کو آئی اس سے یقین آجاوے گا کہ میں اور کمشنر کمال کوشش کر رہے ہیں

تاکہ بجنور میں پہونچکر چودھریوں کی مدد کریں میں نے رئیس کرتپور کو لکھبھیجا ہے کہ وہ کسی طرح مدد مفسدین کی نہ کرے بہ لحاظ نجیب آباد کے جو تم اپنی چٹھی میں لکھتے ہو کہ رئیس بغیر حکم سرکار کے حملہ کرنا نہیں چاہتے تو ان کو ہوشیاری کام میں لانا چاہیئے بالفعل بیشک سرکار ان کی مدد واسطے قائم رکھنے انتظام ضلع کے تا وقتیکہ پہونچنے فوج کے چاہتی ہے۔ اس لئے وہ بالکل مختار ہیں چاہیں حملہ کریں یا کچھ واقعی ان کو ضرور واسطے رکھنے انتظام کے معلوم ہو۔ لیکن اگر ممکن ہو تو بہتر ہے کہ وہ انتظار ایک دو روز کا کریں تا وقتیکہ بخوبی ہماری مراجعت کا معلوم ہو اور میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ یہ کام خود بھی بہت جوکھوں کا ہے ۱۹ اراگست ۱۸۵۷ء

رام دیال سنگھ کے روانہ ہونے کے بعد نگینہ کا حال

اب اس مقام پر ہم کو مختصر حال نگینہ کا لکھنا مناسب ہے کہ بلدور سے رام دیال سنگھ کے روانہ ہونے سے پہلے بدمعاشان نگینہ نے موضع نند پور کو لوٹ لیا تھا اس لئے رام دیال سنگھ موضع پھولسندہ میں ٹھہر گیا اور میر تراب علی نگینہ چلے گئے دوسرے دن رام دیال سنگھ کالا کھیڑی میں چلے کہ نگینہ سے دکھن کی طرف دو میل ہے اور وہاں سے نگینہ والوں سے گفتگو صفائی کی شروع کی بلاشبہ نتھے خان اور مینڈھو خاں ملازمان نواب کو آنا رام دیال سنگھ کا نگینہ میں ناگوار تھا۔ اس لئے رام دیال سنگھ موضع پورینی میں چلا گیا جو نگینہ سے پورب کی طرف تین میل ہے اور وہاں رام دیال سنگھ نے گنواری بگل بجوا کر آدمی جمع کرنے شروع کئے۔ جملہ رئیسان نگینہ یعنی مولوی محمد علی اور شیخ [illegible] علی اور میر اشرف علی ولد امیر علی اور کنور کشن سنگھ اور پٹھان نیلاپت وغیرہ بموجب صلاح اور فہمائش سید تراب علی تحصیلدار کے امن چاہتے تھے مگر ملازمان اور افسران فوج نواب کے جو وہاں موجود تھے مقابلہ پر مستعد تھے۔ چنانچہ مینڈھو خان پسر نتھو خاں اور اشرف علی ولد علی بخش نگینہ سے نجیب آباد گئے اور یہ بات چاہی کہ عباد اللہ خاں کو جو رشتہ مند محمود خاں اور تحصیلدار نگینہ تھا اور بروقت بھاگنے احمد اللہ خاں کے اس کے ساتھ چلا گیا تھا پھر نگینہ میں لاکر تحصیل میں بٹھائیں

سید تراب علی کا نگینہ سے نکلنا اور راستہ میں گنواروں کے ہاتھ سے گھر کر

پھر نگینہ میں واپس آنا

سید تراب علی تحصیلدار نے جب دیکھا کہ فساد زیادہ ہوتا ہے اور مفسد لوگ رئیسوں کے بھی قابو کے نہیں ہیں۔ وہاں سے معہ میر لطافت علی تھانہ دار منڈاور جو ان کے ساتھ تھے اپنے اہل و عیال و تھانہ دار کے اہل و عیال لے کر نگینہ سے روانہ ہوئے اور کئی آدمی مسلمان نگینہ کے اور آور پمان سکھ بشنوئی ان کے ساتھ ہوئے جب موضع پورینی میں پہونچے تو گنواروں نے جو صرف لوٹ کے لالچ سے جمع تھے ان کو لوٹنا چاہا چیراج سنگھ نمبردار پورینی نے ان کی حفاظت کی اور مجبور ہو کر اور خود ساتھ جا کر پھر نگینہ میں پہونچا دیا۔ کیونکہ ان بے قابو گنواروں سے لٹنے سے بچنا نا ممکن تھا۔

مینڈھو خاں کا نجیب آباد سے جزائلیس اور سپاہ کا نگینہ میں لانا اور بفہمائش رئیسوں کے پھر ان کا نجیب آباد واپس جانا

جب سید تراب علی نگینہ میں پہونچے تو مینڈھو خاں اور اشرف علی ولد علی بخش پانسو چار سو آدمی اور دو جزائلیں نجیب آباد سے لے نگینہ میں آچکے تھے سید تراب علی تحصیلدار نے سب رئیسوں کو صلاح دی کہ جس طرح ہو سکے ان لوگوں کو نجیب آباد پھیر دو سب رئیس ہندو مسلمان اس بات پر متفق ہوئے اور بہت کوشش اور تدبیر سے ان لوگوں کو نجیب آباد واپس کیا اور یہ خبر ہم کو بجنور میں ملی۔

رئیسوں کا مشورہ درباب چڑھائی نجیب آباد

یہاں بجنور میں جو رئیس جمع تھے وہ آپس میں صلاح کر رہے تھے کہ اب نجیب آباد پر چڑھائی کی جاوے یا نہیں چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور کی یہ رائے تھی کہ فساد زیادہ بڑھانا اچھا نہیں معلوم نہیں کہ انجام کیا ہوگا۔ جسطرح ہو سکے بہ صلح و آشتی چند روز ضلع تھامنا چاہئے۔ بلکہ چودھری پرتاب سنگھ کے نزدیک نگینہ میں بھی جو آدمی گئے اور وہاں بنیاد فساد پڑ گئی نامناسب ہوا۔ چودھری بدھ سنگھ صاحب رئیس ہلدور بسبب اپنی شجاعت و جوانمردی کے یہ رائے دیتے تھے کہ نجیب آباد پر یورش کی جاوے اور سب آدمیوں کو لے کر نجیب آباد

پر چڑھ چلیں اور دو جگہ جوان چودھری صاحبان نے نواب کو شکست دی تھی اس سبب سے ان کا ارادہ اور ہمت اور جرأت اور دلیری بہت بڑھی ہوئی تھی - ہم کو نجیب آباد جانے میں بہت قباحتیں نظر آتی تھیں اور ہرگز ہماری رائے نہ تھی کہ یہ مانگی پکار نجیب آباد پر فتح پاوے گی اور یہ گنوار شہر کی گلیوں میں گھس کر اور نواب کے پختہ اور مستحکم مکانات پر قابو پاکر فتحیاب ہونگے اور ہماری رائے بہت سچی اور نہایت صحیح تھی کہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ہماری رائے میں نگینہ میں صرف ایک توپ سے سانچے پر جس کا بننا اور چھوٹنا اور پھر اس کے گولے سے کسی کا مرنا صرف ایک وہمی و خیالی نہونے والی بات تھی اس قدر فساد ہونا نہایت نامناسب تھا اور میں خوب سمجھتا تھا کہ نگینہ کا فساد اگر زیادہ ہوتا گیا تو انجام کو یہی فساد ضلع کے انتظام میں خلل ڈالے گا چنانچہ ہماری رائے بہت صحیح تھی کہ انجام ایسا ہی ہوا اور ہم بہت چاہتے تھے کہ نگینہ پر سے لڑائی موقوف ہو جاوے اور جس طرح ہو سکے چندروز ضلع کو تھاما جاوے کیونکہ ہم یقین سمجھتے تھے کہ تھوڑی سی بھی سرکاری فوج آنے کے بعد بخوبی انتظام ہو جاوے گا اور بلا شبہ کسی مقام پر مقابلہ کی حاجت نہ پڑے گی اور حکام انگریزی کے آنے کے بعد ایک بہت بڑی بنیاد فساد کی جس سے درحقیقت ضلع میں فساد ہوتا تھا یعنی یہ ڈر کہ اگر مسلمان غالب آئے تو ہندو مارے اور لوٹے جاویں گے اور اگر ہندو غالب آئے تو مسلمان تباہ اور جان سے ضائع ہونگے بالکل جڑ سے اکھڑ جاوے گی - اتنے میں ہمارے پاس خبر پہونچی کہ فساد نگینہ موقوف ہو گیا اور ہم نے بکمال خوشی اس کی رپورٹ بحضور جناب جارج پامر صاحب بہادر دام اقبالہ کے روانہ کی اور دربارہ چڑھائی نجیب آباد کے جو ہماری رائے تھی وہ لکھ کر اس معاملہ میں ہدایت چاہی چنانچہ نقل اس رپورٹ کی اس مقام پر لکھتے ہیں - ص ۹۹

رپورٹ حالات نگینہ اور اظہار رائے درباب چڑھائی نجیب آباد اور طلب ہدایت اس معاملہ میں مرقومہ بیسویں اگست ۱۸۵۷ء

نقل رپورٹ محمد رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خان صدر امین مرقومہ ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء حال یہاں کا یہ ہے کہ سابق میں جو خبر ہونے لڑائی کی بمقام بسی گوردان ہوئی

کوچ کرنے شفیع اللہ خان کی جانب کرتپور حضور میں لکھی تھی - بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ
یہ دو نو خبریں غلط تھیں صرف اتنی بات صحیح ہے کہ احمد اللہ خاں نے کچھ آدمی کیرتپور میں واسطہ
جمع کرنے رسد کے بھیجے تھے ہنوز ان کا ڈیرہ یا پیش خیمہ نہیں آیا نگینہ کا فساد رفع ہو گیا اس
طرح یہ کہ سب رئیس نگینہ کے ہندو اور مسلمان باہم متفق ہوئے اور انہوں نے یہ تجویز
کی کہ قریب پانچ سو سات سو آدمی کے جو نجیب آباد سے آئے تھے معہ چند مفسدان ساکنین
نگینہ جو باعث فساد کے ہوئے تھے نگینہ سے چلے جاویں اور نگینہ میں کچھ فساد نہ کریں چنانچہ
سنا گیا کہ وہ لوگ نگینہ سے نجیب آباد کو چلے گئے مگر اب تک خط میر تراب علی کا نہیں آیا یقین ہے
کہ آج کل میں خط میر تراب علی کا آوے یا وہ خود مراجعت کریں سب چودھری صاحبوں کو
مصلحت دی گئی ہے کہ اپنی جمعیت کو کسی طرح متفرق ہونے نہ دیں چنانچہ چودھری صاحب بھی
اسی امر میں بہت سی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کی جمعیت متفرق نہ ہو اگرچہ تحقیق سنا گیا ہے
کہ نواب محمود خاں اور ان کے ہمراہیوں نے چند دیہات زمینداری چودھریاں ہلدور اور
رائے ہمت سنگھ رئیس ساہنپور کے جلا دیئے الا بایں ہمہ مناسب نہیں دیکھتے کہ چودھری
صاحبان نجیب آباد کے اوپر حملہ کریں کیونکہ اس میں خرابیاں خیال میں گذرتی ہیں اور یہ جو
تجویز تھی کہ سب لوگ بمقام کیرتپور ڈیرہ کریں یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا اب صلاح ہماری
یہ کہ سب رئیس بہ مقام سواہڑی مقیم رہیں اور کچھ جمعیت اپنی راہ منڈاور پر کچھ راہ نگینہ پر
ص۹۰ مقیم کریں تاکہ سب ناکہ نجیب آباد کے رک جاویں اور چند روز حملہ نجیب آباد کا ملتوی
رہے اور ہم کو یقین کامل ہے کہ جس وقت سرکاری فوج تھوڑی بہت اس طرف آئی سب
لوگ خوف کر کے مطیع ہو جاویں گے اور امید ہے کہ کسی طرح نوبت مقابلہ کی نہیں پہونچے
گی اگر یہ تجویز درست آئی اور سرکاری فوج بھی جلد آگئی تو صدہا آدمی قتل سے محفوظ رہیں گے
اور رعایا سرکار کی امن میں رہے گی آئندہ اس بات میں جو رائے اور مصلحت کہ حضور کے
نزدیک ہو وہ ارقام فرمائی جاوے کہ مطابق اس کے تعمیل ہو ہم نے بہ نظر مصلحت اب
تک اس ضلع میں تحصیل جاری نہیں کی کیونکہ اکثر زمیندار مالگذاری بجمعیت چودھریاں ان
جمعیت میں موجود رہیں جبکہ حضور اس ضلع میں تشریف لاویں گے اور سب زمیندار

اپنے اپنے دیہات میں ٹھہریں گے فی الفور روپیہ سرکاری وصول ہونا شروع ہو جاوے گا کل کی عرضی میں جو واسطے تحریر خطوط کے حضور میں عرض کیا تھا یقین ہے کہ حضور کی طرف سے وہ خطوط تحریر ہوتے ہوں گے لیکن بہت ضرور ہے کہ ایک پروانہ حضور کی جانب سے اسی مضمون کا بنام احمد اللہ خان جو حضور کے وقت میں تحصیلدار نجیب آباد تھا تحریر ہو کر بھیجا جاوے کیونکہ افواہاً سنا گیا ہے کہ احمد اللہ خان جمعیت کو متفرق ہونے نہیں دیتا ایسی صورت میں حضور کا پروانہ اس کے نام پہونچنا واسطے رفع فساد کے بہت مفید ہوگا اور جو کہ عشرہ محرم قریب آگیا ہے۔ اس واسطے ہم نے تدبیریں کی ہیں کہ کسی طرح ہندو اور مسلمانوں میں نزاع اور فساد ہونے نپاوے اور سب طرح سے امن رہے اور خدا سے یقین ہے کہ ہماری تدبیریں کارگر ہوں اور ضلع میں امن رہے۔ زیادہ حد ادب آفتاب دولت و اقبال تاباں باد۔

جواب رپورٹ کا پیشگاہ جناب پامر صاحب بہادر سے

نقل خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر درجواب عرضی مذکورہ بالا خاں صاحب مشفق مہربان محمد رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خان صدر امین سلمہ بعد اشتیاق ملاقات فرحت آیات واضح باد خط آپ کا مورخہ تاریخ امروزہ پہونچا اور مضمون معلوم ہوا حسب مراد آپ کی پروانہ سخت بنام احمد اللہ خان تحصیلدار سابق نجیب آباد کے تحریر کر کے اس مضمون
۸۶ کا کہ اگر نواب صاحب اراده مقابلہ کرنے چودھریان سے رکھتے اور تم انتظام اور مدد اس کی کرتے ہو۔ گنہگار سرکار ہوگے آپ کی معرفت روانہ کیا جاتا ہے آپ ازراہ مہربانی پروانہ مذکور احمد اللہ خاں کے پاس بہت جلد پہونچوا دیجیے آپ کو واضح ہو کہ کل خطوط مطلوبہ آپ کی معرفت روانہ کئے گئے یقین کہ آج پہونچے ہوں گے ہمارے نزدیک مصلحت آپ کی نسبت مقیم ہونے چودھریان بمقام سواہیڑی اور ناکہ گھیرنا راستہ نگینہ و نجیب آباد و منڈاور کا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مگر درحقیقت ہم کو اچھی طرح سے معلوم نہیں ہے کہ سواہیڑی کہاں ہے اور ہمارے پاس اس وقت نقشہ موجود نہیں ہے اس واسطے ہم صاف ہدایت نہیں دے سکتے الا اگر سواہیڑی مذکور بجنور سے بہت دور نہیں ہے اور ایسی جگہ کہ اس میں راستہ کی حفاظت

ابھی طرح صحت سے ہو سکتی ہے۔ تو بہت مناسب جگہ مقام ہونے ان کے ہوگا اور خیال کرنا چاہیے کہ براہ نگینہ اس جانب سے کچھ نقصان نہ ہونے پاوے یقین ہے۔ اس موسم میں بسبب بارش اور جاری ہونے ندیوں سے افضل گڑھ راستہ بالکل بند ہے۔ اور یقین ہے کہ مرادآباد کے راستہ پر نگرانی آمد رفت کی ہوتی ہے۔ یہ تدبیر احتیاطاً کی جاتی ہے۔ مگر چونکہ صاحب کمشنر بہادر اور مسٹر ولسن صاحب بہادر کی طرف سے خطوط مناسب پاس نواب یوسف علی خان والئے رامپور مرسل ہوئے اور ہماری طرف سے خط نواب محمود خان کو لکھا گیا اور پروانہ احمد اللہ خان کو ابھی جاری ہوتا ہے یقین ہے کہ کسی طرح سے ضلع میں نوبت سخت بازی کی نہیں پہونچے گی آج ہمارے پاس کوئی خط از طرف میرٹھ نہیں پہونچا کوئی خبر لائق لکھنے کے نہیں پہونچی ایک پرچہ انگریزی خبر کا لاہور کا آپ کے پاس روانہ کیا جاتا ہے۔ اس کے مضمون معرفت پنڈت راودھاکشن کے معلوم ہوگا فقط ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء۔

وہ خط موسومہ رئیسوں کے جن کا ذکر اس خط میں ہے ہم اوپر لکھ آئے ہیں یعنی ایک خط بنام میر جیون علی رئیس جیون اور ایک خط بنام رائے بہت سنگھ رئیس ساہنپور۔

پروانہ مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بنام احمد اللہ خان

نقل پروانہ جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر موسومہ احمد اللہ خان رفعت و صلہ
عوالی مرتبت عزیز القدر محمد احمد اللہ خان بعافیت باشند حسب وقت سرکار وقت کو معلوم ہوا کہ مابین ملازمان نواب محمد محمود خان اور رئیسان قوم ... ضلع بجنور کے مقابلہ بمقام شیر کوٹ اور بجنور کے تھا سرکار اس امر کے اوپر بہت ناراض ... تم کو واضح ہو کہ اس حالت میں صاحب کمشنر بہادر میرٹھ نے نسبت انتظام ضلع بجنور محمد رحمت خان ڈپٹی کلکٹر اور سید احمد خاں صدر امین کو ارشاد فرمایا تم اس بات پر مطلع رہو بعضے لوگوں کے بیان سے مشہور ہوتا ہے کہ نواب صاحب پھر واسطے کرنے مقابلہ چودھریان سے ارادہ رکھتے ہیں اور جمعیت مردان بمقام نجیب آباد فراہم کرتے ہیں یقین اور امید ہے کہ یہ خبر بالفعل غلط ہے تم پر طرح واضح ہو کہ ایسا مقابلہ بہت نامناسب اور سرکار کو نہایت ناپسندیدہ متصور

ہو گا اور اگر ایسے کام میں تم سے انتظام اور مدد نواب صاحب کو ظاہر ہو گی تو تم گنہگار سرکار ہو گے اور تمہارے واسطے اچھا نہیں ہو گا اس حکم سے بخوبی مطلع رہو اور واضح ہو کہ صاحبان ضلع معہ فوج انگریزی واسطے بندوبست علاقہ کے بہت جلد تشریف لاویں گے اور وقت تشریف آوری سب سرگزشت کی تحقیقات عمل میں آوے گی مرقوم ۲۰ اگست ۱۸۵۷ء۔

یہ پروانہ ہم نے فی الفور احمد اللہ خان پاس روانہ کیا اور رپورٹ روانگی کی اکیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو بحضور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کے بنام محمود خان لکھا تھا اس کے اور پروانہ کے پہونچنے

(احمد اللہ خان کا از سر نو کام تحصیلداری کرنا اور عرضیاں ڈپٹی صاحب اور صدر امین کے پاس بھیجنا۔)

کے بعد ظاہر میں ان لوگوں نے اطاعت کرنی چاہی احمد اللہ خان نے کام تحصیلداری نجیب آباد کا کرنا شروع کیا اور عرضیاں ہمارے پاس اپنی مہر اور دستخط سے بھیجیں ہم نے بہ نظر مصلحت ان کو منظور کیا اور نا محمود خان نے ایک خط متضمن اطاعت سرکار ہمارے

(نا محمود خان کا خط بنام ڈپٹی صاحب اور صدر امین متضمن اطاعت اور بے تعلقی ضلع سے)

پاس بھیجا ہم نے اس خط کو اور جو جواب ہم نے لکھا تھا اس کی نقل بحضور جناب جارج پامر صاحب بہادر روانہ کی چنانچہ نقلیں ان کی معہ ان خطوط کے جو جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر اور جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر کے پاس سے متضمن پسندیدگی ہمارے جواب کے آئی اس مقام پر لکھتے ہیں۔

۸۵

نقل خط محمود خان

نقل خط محمود خان

خان صاحب مشفق مہربان مجمع خوبہائے بیکران محمد رحمت خان صاحب ڈپٹی و سید احمد

صاحب صدر امین ضلع بجنور سلمہ اللہ تعالی بعد سلام شوق کے واضح ہو چونکہ نقول خطوط صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ و مسٹر پامر صاحب ڈپٹی کلکٹر و جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور پاس تمہارے پہنچی ہیں کہ ان کو بخوبی معائنہ کر کے چودھری صاحبوں کو بخوبی مضمون ان کے سے فہمائش کریں کہ یہ لوگ اپنے اپنے مکانوں پر رہیں اور اجتماع نہو اور شر و فساد نکریں اور ہم کو کسی سے کسی طرح کا فساد کرنا بموجب حکم خطوط منظور نہیں ہے اور وہ جو اشتہارات واسطہ منادی کے بھیجا تھا وہ بھی مخبر اس امر کا ہے کہ کوئی شر و فساد نکرے اور یہ جو لوگ بمقام بجرینی اور برگن پور اور سواہیڑی اور نانگل و بجنور خاص میں ہندو و مسلمان جمع ہوئے ہیں ان کو کہہ دینا چاہیئے کہ اپنے اپنے مکانوں پر جاویں اور اگر شر و فساد کریں گے تو مجرم سرکار انگریز بہادر کے ہوں گے اور چونکہ بموجب حکم صاحبان عالی شان انگریز بہادر کے اب ہم منتظم اس ضلع کے ہیں اگر کسی سے شر و فساد ہوگا تو جواب دہی اس کی ذمہ آنمہربان ہوگی اس صورت میں آپ کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں متوجہ ہو کر جس طرح رفع فساد کا مناسب سمجھیں ویسے کاربند ہوں اور گھاٹوں کا بھی انتظام ضرور ہے کہ اس پار سے اکثر مفسد بھی اترتے ہیں اور ہم بموجب احکام خطوط ہذا کے کاربند ہیں باقی خیر [illegible] ہے۔

محمد محمود خاں [مہر]

جواب خط محمود خاں کا ڈپٹی صاحب اور صدر امین کی طرف سے

نقل جواب کی جو ہماری طرف سے لکھا گیا۔

جناب نواب صاحب والا مناقب عالی مناصب عنایت فرمائے حال نیازمندان زاد عنایتکم بعد ادائے سلام مسنون التماس یہ ہے عنایت نامہ آپ کا جس کے لفافہ پر
مہ۲۹ تاریخ اکیسویں اگست لکھی تھی معہ نقل خط جناب صاحب کمشنر بہادر ضلع میرٹھ اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر ضلع بجنور جو کہ صاحبان ممدوح نے آپ کے نام پر لکھے تھے۔ آج بائیسویں اگست کو گیارہ بجے ہمارے پاس پہونچا آپ ارقام فرماتے ہیں کہ چودھری صاحبوں کو فہمائش کرو کہ یہ لوگ اپنے مکانوں پر رہیں اور اجتماع نہ ہو اور شر و فساد نہ

کریں اور ہم کو کسی سے کسی طرح کا شر و فساد کرنا منظور نہیں ہے اور جو لوگ بمقام پوریني اور
ہرگون پور اور سواہیڑی اور نانگل اور بجنور جمع ہیں وہ لوگ اپنے اپنے مکانوں پر چلے جاویں
چنانچہ ہم نے آپ کے ارشاد بموجب مضمون خطوط کا چودھری صاحبان کو سمجھا دیا وہ لوگ
بھی بیان کرتے ہیں کہ ہم کو کسی طرح کا شر و فساد کرنا نواب صاحب سے یا اور کسی سے منظور
نہیں ہے اور نہ ہم کسی سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ کسی سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور کسی طرح
کا کچھ دعویٰ رکھتے ہیں چنانچہ وہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ بعد واقعہ شیرکوٹ اور بجنور کے ہم
سب لوگ اپنے اپنے گھر کو چلے گئے اور جس قدر جمعیت کہ جمع ہوئی تھی وہ سب بعد اس
کے متفرق کر دی اور چودھری پرتاب سنگھ بھی اپنے گھر اور چودھریاں ہلدور اپنے گھر
چلے گئے اور چودھریاں بجنور بلا جمعیت اپنے اپنے مکانوں پر مقیم رہے مگر بعد اس کے
متواتر یہ خبر چودھری صاحبوں نے سنی کہ آپ کا ارادہ بجنور اور تاجپور اور ہلدور پر یورش
کا ہے۔ اور آپ فوج اور جمعیت جمع کرتے ہیں اور تیاری توپوں میں مصروف ہیں اور
دیہات قرب و جوار نجیب آباد یعنی موضع موسی پور اور شفیع آباد اور موہن پور اور ترائن پور
اور کاروالی وغیرہ آپ نے پھونک دیئے اور لوٹ لئے اس سبب سے ان لوگوں کو پھر
اندیشہ اس بات کا ہوا کہ اگر ہم لوگ جمعیت جمع نہ کریں گے تو انجام کو خرابی ہوگی ان وجوہات
سے ان لوگوں کا بیان ہے کہ ہم نے جابجا جمعیت واسطے روک نے نواب صاحب کی یورش
بجنور اور ہلدور اور تاجپور سے بنظر حفاظت اپنے کے جمع کی پوریني میں جمعیت جمع ہونے
کا یہ سبب بیان کرتے ہیں کہ ننھو خان اور مینڈھو خان ملازمان آپ کے نگینہ میں فساد
کرتے ہیں اور ایک توپ کلاں واسطے لے جانے نجیب آباد کے تیار کرواتے ہیں اور
تھانہ اور تحصیل کی ڈاک بجنور میں آنے نہیں دیتے اور جو احکام سرکاری جاری ہوتے
ان کو روکتے ہیں اور ان کی تعمیل نہیں ہونے دیتے اور ان کو خبر پہنچی ہے کہ نجیب آباد
میں آپ کے پاس ہفت ہشت ہزار آدمی کے جمع ہیں اس سبب سے وہ لوگ کہتے ہیں کہ
جب تک نواب صاحب اپنی جمعیت متفرق اور موقوف نہیں کر دیں گے اس وقت تک
ہم کو کسی طرح پر اطمینان نہیں ہوگی اور ان لوگوں نے ہم سے یہ بھی بیان کیا کہ بعد ان دونوں

لڑائیوں کے ہم نے ایک خط بنام سعد اللہ خان صاحب نجیب آباد بھیجا کہ کسی طرح ہم سے
اور نواب صاحب سے صفائی ہو جاوے اور طرفین کا طرفین پر سے ارادہ یورش کا موقوف
ہو جاوے اور پھر ہم نے دو خط بنام مفتی محمد اسحٰق رئیس کرتپور اس مضمون سے بھیجے
کہ جس طرح پر ہو نواب صاحب سے صفائی ہو جاوے اس طرح پر کہ نواب صاحب کی
یورش کا اندیشہ جاتا رہے اور پھر تیسرا خط مفتی صاحب کے نام ان کے بلانے کو بھیجا
تاکہ وہ ہماری طرف سے نجیب آباد کو جاویں اور آپ سے ہر طرح پر صفائی کر لیں پس اس
صورت میں بیان چودھری صاحبان کا یہ ہے کہ ہم کو کسی طرح شر و فساد کرنا اور مقابلہ کرنا
منظور نہیں ہے اگر نواب صاحب اپنی جمعیت اور فوج کو متفرق کر دیں اور توپوں کے
بنوانے میں مصروف نہ ہوں اور ارادہ لڑائی کا موقوف کر دیں تو ہم سب لوگ اپنے اپنے
گھروں کو چلے جاویں اور چونکہ ہم نیاز مند بھی بدل و جان اس بات میں مصروف اور ساعی
ہیں کہ کسی طرح شر و فساد نہ ہو اس واسطے آپ کی خدمت میں بخیر خواہی آپ کے التماس ہے کہ
آپ بھی جمع کرنا فوج کا اور تیاری توپوں کی موقوف فرماویں اور ناڑے اور مینڈھو خان
وغیرہ مفسدان کو فساد سے باز رکھ کر اپنے قبضہ میں رکھیں تو غالب ہے کہ چودھری صاحب
بھی سب اپنے اپنے گھر چلے جاویں گے اور سب طرح کا انتظام ضلع کا ہو جاوے گا اور
مخلوق خدا اور رعایا سرکار کی امن و امان میں رہے گی اور پھر اگر کوئی شخص فساد شروع
کرے گا تو اس کی اطلاع مفصل بحضور جناب صاحب کمشنر بہادر کے کر دی جاوے گی اور
اس کا نتیجہ بہت برا اس کے حق میں ہوگا اور یہ بھی آپ کو واضح ہووے کہ متواتر احکام حکام
والا مقام ہمارے نام پہونچے ہیں چنانچہ صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر خود گنگا کنارہ پر تشریف صـ۹۱
لائے تھے اور اب بہ انتظار آنے فوج سرکاری کے میران پور میں مقیم ہیں اور جناب صاحب
کلکٹر بہادر بھی کوہ منصوری سے اوتر کر میرٹھ میں تشریف لے آئے ہیں اور احکام جناب
کمانڈر انچیف صاحب بہادر جناب گورنر بہادر واسطے روانگی فوج کے بجنور صادر ہو چکے
ہیں کہ بہت جلد فوج معہ توپوں کے میرانپور کے مقام پر پہونچتی ہے اور بعد اس کے
جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر اور جناب کمشنر

بہادر ہور جناب مسٹر ولسن صاحب بہادر بجنور میں تشریف لاتے ہیں ہماری کمال آرزو ہے کہ تا تشریف آوری حکام والا مقام سب لوگ اپنے مکانوں پر بہ آسائش رہیں بعد تشریف لانے حکام کے خود صاحبان ممدوح جس طرح پر مناسب جانیں گے بندوبست ضلع کا فرماوینگے والسلام :-

(خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر در باب پسند کرنے اُس جواب کے جو نامحمود خاں کو لکھا گیا)

نقل خط جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر

خان صاحب مشفق مہربان محمد رحمت خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صاحب صدر امین ضلع بجنور سلمہ بعد اشتیاق ملاقات بہجت آیات واضح باد خط آپ کا مورخہ تاریخ آج کے معہ خط نواب صاحب اور نقل جواب اس کے ہمارے پاس پہونچا ہماری دانست میں آپ کا جواب ہر طرح مناسب چنانچہ حسب مراد آپ کے خطوط مذکورہ بخدمت صاحب کمشنر بہادر میرٹھ روانہ کئے گئے اور احتیاطاً آپ کو واضح ہووے کہ خط صاحب کمشنر بہادر کا جس کا نواب صاحب ذکر لکھتے ہیں عرصہ دو ہفتہ سے یعنی شیرکوٹ کے معاملہ کی خبر دینے سے پیشتر تحریر ہوا مگر بسبب بند ہونے ڈاک کے دو دفعہ واپس ہو کر تیسری دفعہ معہ خط نواب صاحب کے پاس روانہ کیا گیا ہماری امید ہے کہ ابن چودھریوں اور نواب صاحب کے مقابلہ نہیں ہوگا اور ظاہر ہے کہ آپ بھی اس تدبیر میں مصروف ہیں یقین ہے کہ آپ ہی کی ہوشیاری سے جو فساد نگینہ میں ہوا اس کی صلح ممکن ہے اور فساد رفع ہو جاوے گا اور ص ۹۲ اس مراد سے حسب درخواست چودھریان کے چند پروانجات تحریر کئے جاتے ہیں اگر مناسب ہو تو آپ بعد ملاحظہ روانہ کیجئے ہمیشہ وہاں کے حالات سے مطلع فرماتے رہیں تحریر تباریخ ۲۲ اگست ۱۸۵۷ء وقت شب -

پروانہ مسٹر جارج پامر صاحب بہادر بنام رئیسان نگینہ وغیرہ

نقل پروانہ از جانب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر موسومہ کریم بخش و شیخ نجف علی و محمد علی رئیس نگینہ و سید امتیاز علی و سید شجاع علی و سید نبی علی رئیس نٹھور چوکہ معلوم ہوتا ہے

کہ مابین قوم مسلمانان اور قوم ہندو شہر تمہارے کے اندیشہ فساد ہونے کا ہے اور سرکار کی مراد ہے کہ کسی طرح سے ایسا فساد نہ ہووے تم کو چاہیئے کہ ہر طرح تدبیر کرو کہ فساد برپا ہونے پاوے اگر اچھی طرح سے کوشش کروگے تو بہت بہتر ہوگا۔ ورنہ درصورت ہونے فساد گنہگار ہوگے اور واضح ہو کہ صاحب کلکٹر بہادر اور حضور معہ فوج کامل بہت جلد واسطہ انتظام ضلع کے ارادہ تشریف لانے کا رکھتے ہیں تاکید جانو المرقوم بائیسویں اگست ۱۸۵۷ء

(خط جناب مسٹر الکزنڈر شکسپیر صاحب بہادر کا درباب پسند کرنے اس جواب سے جو نواب محمود خاں کو لکھا گیا تھا)

نقل خط مسٹر الکزنڈر شکسپیر صاحب بہادر

خان صاحب مشفق مہربان محمد رحمت خان صاحب ڈپٹی کلکٹر و سید احمد خاں صاحب صدر امین ضلع بجنور سلمہ بعد ماوجب کے واضح ہو خط آپ کا معہ خط مرسلہ نواب محمود خاں اور نقل جواب خط مذکور جو تم نے ان کے نام بھیجا ہے آج پہونچکر کاشف حال کا ہوا جواب خط نواب محمود خاں کا جو آپ نے بھیجا ہے وہ بہت مناسب ہے اب آپ کو لکھا جاتا ہے کہ پھر نواب صاحب کو فہمائش کردو کہ وہ بہ تبعیت حکم خط محررہ اکیسویں اگست سنہ حال آپ معہ شفیع اللہ خان و احمد اللہ خان اپنے رشتہ داروں کے نجیب آباد میں مقیم رہیں کسی طرح کی دست اندازی ضلع سے نہ کریں اور فساد اور شور ناحق سے ہاتھ اوٹھا دیں اگر وہ ایسا نہ کریں گے اور اسی طرح پر مرتکب حرکات بیجا کے رہیں گے تو اون کے حق میں اچھا نہ ہوگا بلکہ بزمرہ باغیان کے تصور ہو کر دشمن سرکار دولت مدار کے سمجھے جاویں گے اور وہ کہ آپ نے درباب جلد تشریف لانے ہمارے کے بمقام بجنور لکھا ہے سو حال اس کا یہ ہے کہ اب فوج سرکار تادیب و تخریب باغیان و مفسدان کو تہ اندیش کرتی ہوئی جلد آتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم بھی پہونچتے ہیں بہرکیف خاطر جمع رکھنا چاہیئے اور مفسدان ناحق شناس کو جلد گوشمالی واجبی دیا جاوے گا فقط اور ایک قطعہ عرضی چودھری نین سنگھ و جودھ سنگھ رئیسان بجنور کی بدرخواست صدور حکم درباب دیئے تنخواہ ملازمان جو واسطے انتظام کے مقرر کئے گئے ہیں پہونچی ہے اس کی نسبت ہماری دانست میں یہ بات مناسب

چاہیے کہ کچھ روپیہ مہاجنان اس ضلع سے لے کر تنخواہ بھی ملازمان کی بانٹ دی جاوے اور کام ضروری میں جو واسطے انتظام کے مطلوب ہو آپ کے حکم سے خرچ کیا جاوے اور جن لوگوں سے کہ روپیہ لیا جاوے ان کو رسید دستخطی دیدی جاوے کہ وقت رونق افروزی وہاں کے روپیہ مذکور ان کو دیدیا جاوے گا اس واسطے آپ کو چاہیے کہ مطابق اس کے کاربند ہوں اور جہاں تک ہو سکے بہ صلاح یکدیگر کوئی دقیقہ انتظام اور خیر خواہی کا فروگذاشت نہ ہو اور روز آئندہ بلا توقف وہاں کے حال سے ہم کو مطلع فرماتے رہو - باقی خیریت ہے۔

مرقوم چوبیسویں ماہ اگست سنہ ۱۸۵۷ء از مقام میرٹھ۔

چودھری پرتاب سنگھ کا واسطے روانہ کرنے روپیہ کے نینی تال کو بجنور سے تاجپور جانا۔

اسی اثنا میں جناب مسٹر جان کری ولسن صاحب بہادر نے چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور کو لکھا تھا کہ دس ہزار روپیہ کی تدبیر تم رئیس کر کے روانہ نینی تال کرو وجہ کہ ظاہر میں سردست کوئی صورت فساد کی پیدا ہونے والی نہ تھی اور نگینہ کا فساد ظاہر میں رفع ہو گیا تھا اس لئے چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور واسطے تدبیر کرنے روانگی روپیہ کے اکیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو روانہ تاجپور ہوئے اور جس قدر جمعیت ان کے ساتھ تھی معہ ایک ضرب جرائل کے جو بجنور میں تھی بدستور بجنور میں چھوڑ گئے۔

نگینہ میں از سر نو فساد کا قائم ہونا

مگر افسوس ہے کہ فساد نگینہ کا پھر تازہ ہو گیا اور جو آگ کہ بجھ گئی تھی پھر بھڑک اٹھی اور سبب اس کا یہ ہوا کہ جب مینڈھو خاں نجیب آباد سے سپاہی لے کر نگینہ آیا تھا تو رام دیال سنگھ نے بھی پوربنی میں اور زیادہ آدمی جمع کرنے شروع کئے تھے اور دیہات سے آدمی بلائے تھے اور اس عرصہ میں نگینہ کے رئیسوں نے سپاہیان آمد نجیب آباد کو بہ فہمائش روانہ نجیب آباد کر دیا تھا - مگر جو پوربنی میں جمعیت بلائی گئی تھی وہ دم بدم زیادہ

ہوتی جاتی اور بشنویان نگینہ جو بدمعاش اور واقعہ طلب تھے سوائے پران سنگھ اور دلدار اور فیضو کے کہ یہ لوگ بہت نیک نیت اس فساد میں رہے آمادہ فساد ہوئے اور نگینہ والوں سے یہ بات کہی کہ رام دیال سنگھ نگینہ پر چڑھا آتا ہے اور رامدیال سنگھ سے کہا کہ نگینہ والے پوری پر چڑھے آتے ہیں چنانچہ رامدیال سنگھ نے پوری سے جانب نگینہ قدم بڑھایا ادھر سے مینڈھو خاں کچھ لوگ جمع کر کے نگینہ کے باہر نکلا اکیسویں تاریخ۔

بدری والے باغ کی لڑائی

۱۸۵۷ء بروز جمعہ کو قریب بدری والے باغ کے مقابلہ ہوا طرفین سے کچھ آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور مینڈھو خان کی شکست ہوئی نگینہ والے بھاگ کر آبادی میں گھس آئے ان کے پیچھے رامدیال سنگھ شہر میں گھس پڑا اور نتھو خاں کا گھر جلا دیا اور لوٹ لیا اور شیخ کی سرائے کو بھی لوٹا اور جلا دیا اس وقت پھر مسلمانان نگینہ سامنے آئے اور طرفین میں خوب تلوار و بندوق چلی اور طرفین کے آدمی مارے گئے رامدیال سنگھ شیخ کی سرائے میں چلا گیا شام کے وقت لڑائی تھم گئی۔

(مسلمانان نگینہ کا رامدیال سنگھ کی اطاعت کرنا اور رامدیال سنگھ کا تحصیل میں آبیٹھنا۔)

رات کے وقت رامدیال سنگھ نے مولوی محمد علی پاس پیغام بھیجا کہ جو کچھ ہوا سو ہوا اب امن و امان رہے گا اور ہم قلعہ تحصیل میں آکر بیٹھیں گے کوئی فساد نہ کرے اور سب مسلمان اپنے گھروں میں چھپ جاویں اور سامنے نہ آویں چنانچہ مولوی محمد علی اور اشرف ولد امیر علی نے بہت سعی اور کوشش سے سب مسلمانوں کو فہمائش کی اور سب راضی ہو گئے اور اپنے اپنے گھروں میں چھپ بیٹھے بائیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو صبح کے وقت رامدیال سنگھ کے حکم سے امن و امان کی منادی شہر میں ہوئی اور رامدیال سنگھ مع اپنی جمعیت کے قلعہ تحصیل میں چلے آئے اور کوئی مسلمان اپنے گھر سے نہیں نکلا۔

(رامدیال سنگھ کے ساتھیوں کا بدعہدی کر کے مسلمانوں کا قتل کرنا) جس قدر گنوار اور بنجارہ رامدیال سنگھ کے ساتھ صرف لوٹ کے لالچ سے جمع ہوتے تھے انہوں نے اس

امر کو جو واقع ہوا اپنے اصلی مطلب کے برخلاف دیکھا اور بدمعاش بشنوئیوں نے ان کو زیادہ
ص۹۵ اشتعالک دی اور ان سب نے نگینہ کے لوٹنے کا ارادہ کیا سید حمل فوطہ دار تحصیل نگینہ اس
وقت وہاں موجود تھا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنے کان سے سنا کہ رامدیال سنگھ
ہر ایک شخص کو منع کرتا تھا مگر وہ نہ مانتے تھے آخر کار ان بدمعاشوں نے قلعہ تحصیل میں جزائلیں
فیر کرنی شروع کیں اور کچھ لوٹیرے بھٹیاری سرا میں گھس گئے اور سرائے کو جلا دیا اور بازار کی
دکانیں لوٹ لیں اور امام الدین زمیندار کے مکان پر جزائلیں لگا دیں اور دروازہ جلا دیا اور
مکان لوٹ لیا اور جہاں ان کو قابو ملا لوٹ اور قتل عام شروع کر دیا اور بدمعاش بشنوئی بھی
ان کے ساتھ شریک تھے پچاس ساٹھ آدمی مسلمان مارے گئے اس وقت مسلمانان نگینہ بھی اپنے
اپنے گھروں میں سے ہتھیار لے کر نکل پڑے اور مارنا شروع کیا اور خوب لڑائی ہوئی اور دو سو
ڈیڑھ سو آدمی ہندو جو لوٹ میں مشغول تھے مارے گئے اور پھر مسلمان قلعہ تحصیل میں گھس
گئے وہاں سے رامدیال سنگھ بھاگ کر بشنوئی سرائے میں جا چھپا سب گنواروں نے مل کر
مولوی محمد علی کے مکان پر جو مالدار مشہور تھے اور جس میں میر تراب علی تحصیلدار بھی تھے
حملہ کیا اور جزائلیں لگا دیں اور دروازہ پر کوڑا جمع کر کے دروازہ جلانا چاہا اور حکیم امام
علی ماموں مولوی محمد علی کو قتل کر دیا اس وقت مولوی محمد علی کے مکان پر سے بھی بندوقیں
چلنی شروع ہوئیں اور جو لوگ کہ تحصیل میں گئے تھے وہ بھی پھر کر وہاں آئے تب گنوار وہاں
سے بھاگ نکلے اور رامدیال سنگھ نے شکست کھائی اور اس لڑائی میں گنواروں کی ہمت
اور جرات ٹوٹ گئی۔

(مسلمانوں کے قتل سے نجیب آباد میں جمعیت کا اکٹھا ہونا اور محمدی جھنڈے کا نکلنا)

یہ سب خبریں متواتر نجیب آباد میں پہونچیں اور جس وقت کہ ہندوؤں نے مسلمانوں
کو قتل کیا تھا اس وقت کچھ آدمی غل مچاتے ہوئے کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو مار ڈالا اور
جورو بیٹی کی بے عزتی کی نجیب آباد چلے گئے تھے نواب کو بہت اچھا حیلہ جمعیت جمع کرنے کا
ہاتھ لگا اور اس نے لوگوں سے کہا کہ دیکھا ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا اب

سب مسلمانوں کو جمع ہو کر ہندوؤں کو مارنا چاہیئے یہ کہہ کر احمد اللہ خان نے بائیسویں اگست
صہ ۹۶ ۱۸۵۷ء مطابق یکم محرم ۱۲۷۴ھ نجیب آباد کے باہر جلال آباد کے قریب توپ نکالی اور
فوج بھیجی اور محمدی جھنڈا کھڑا کیا اور جمعیت کثیر جمع کرنے کے درپے ہوا اور بہت سے
مسلمان مذہبی لڑائی کے ارادہ سے واسطے مقابلہ اور قتل ہندو کے جمع ہوئے۔

چودھری بدھ سنگھ کا نگینہ کو جانا

اسی تاریخ بجنور میں خبر پہونچی کہ رامدیال سنگھ کی نگینہ میں شکست ہوئی بمجرد اس خبر کے چودھری بدھ سنگھ رئیس ہلدور معہ اپنی جمعیت اور چودھری پرتاب سنگھ کی جمعیت کے اور توپ اور جزائل کے جو بجنور میں موجود تھی روانہ نگینہ ہوئے اور شام کے قریب نگینہ میں پہونچے اور نگینہ میں مشہور ہوا کہ چودھری بدھ سنگھ ہزاروں آدمی اور توپ لے کر نگینہ پر چڑھ آئے اس وقت رات میں مسلمانان نگینہ نے بھاگنا چاہا۔

رئیسان نگینہ کی عورتوں اور بچوں کا زخمی ہونا اور بے عزت ہونا

اور پیادہ پا عورتوں اور بچوں کو لے کر چلے اور راستے میں لٹے اور عورتیں زخمی ہوئیں اچھے اچھے اشرافوں کی بڑی بے عزتی ہوئی اور بشنوئی ان سب خرابیوں کے جو مسلمانوں پر اور عورتوں پر منشار اور سرغنہ اور باعث تھے۔ سید تراب علی تحصیلدار ہم سے کہتے تھے کہ اس وقت جو مصیبت ان کے اور مولوی محمد علی اور اور بھلے مانس مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں پر گذری تھی اور جو جو بے عزتیاں بھلے مانسوں کی ہوئی ہیں کہنے کے لائق نہیں ہیں۔

بشنوئیوں کا دوبارہ نگینہ میں یورش کرنا اور چودھری بدھ سنگھ کا مانع آنا

تئیسویں اگست ۱۸۵۷ء صبح کے وقت چودھری بدھ سنگھ رئیس ہلدور تو نگینہ میں صفائی اور صلح کی تدبیریں تھے اور پدھان کنور سین اور رگھوبیر سنگھ

اور شیخ نجف علی بیچ میں پڑے ہوئے تھے کہ دفعتاً گنوار مولوی محمد علی کا گھر لوٹنے چڑھ آئے اور پھر گولیاں چلنے لگیں جب چودھری بدھ سنگھ کو خبر ہوئی تو انہوں نے بہت کوشش سے سب کو روکا اور بشنوئیوں کو بہت برا بھلا کہا اس وقت چودھری بدھ سنگھ نے نگینہ والوں سے

نگینہ والوں سے صفائی ہونا اور توپ کا سانچا لیکر بدھ سنگھ کا روانہ ہونا

توپ کا سانچا مانگا جو بشنوئیوں کے محلہ میں تھا نگینہ والوں نے کہا کہ تم توپ کا سانچا لیجاؤ ہم کو اس سے کچھ مطلب نہیں اور گویا یہ بات صلح کی ٹھیری ایک بجے رامدیال سنگھ اور موتی سنگھ مولوی محمد علی کے مکان پر آئے اور بشنوئیوں کی زیادتی اور اپنی مجبوری کا عذر کیا اس عرصہ میں چودھری بدھ سنگھ نے سید تراب علی تحصیلدار اور مولوی محمد علی کو اپنے پاس بلایا کہ بغیر ہتھیاروں کے ہمارے پاس آؤ چنانچہ یہ دونوں صاحب معہ رامدیال سنگھ ان کے پاس گئے انہوں نے خاطرداری کی اور کہا کہ اب سب آپس میں اتفاق رکھو سید تراب علی اور مولوی محمد علی نے سب مسلمانوں کو فہمائش کی اور سب رضامند ہوگئے اور نگینہ میں ایک صورت امن و امان کی پیدا ہوئی اور چودھری بدھ سنگھ اور لیدیال سنگھ سانچہ توپ کا لیکر ہلدور کو روانہ ہوئے۔

سواہیڑی پر احمد اللہ خان کا چڑھ آنا اور پھونک دینا

تئیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو نگینہ میں تو یہ معاملہ ہو رہا تھا اور نجیب آباد سب سپاہی اور سوار ملازم نوابیات کے جمع ہو گئے تھے اور جس قدر مسلمانوں اور باشندوں اور سواہیڑی کے لباطیوں وغیرہ نے جو ہندوؤں کے ہاتھ سے تکلیفیں پائیں تھیں وہ سب اور اور بہت لوگ مسلمان جلال آباد کے قریب محمدی جھنڈے میں شامل ہوئے اور احمد اللہ خان کے پاس ایک جمعیت کثیر پیدا ہو گئی تھی اور اسی کے ساتھ خبر شکست رامدیال سنگھ کی نگینہ میں نجیب آباد پہونچی تھی احمد اللہ خان نے ایسے وقت کو غنیمت سمجھ کر یورش کی اور سواہیڑی

کو آمارا سواہیڑی میں جو جمعیت بھیجی گئی تھی وہ بہت کم تھی وہ بہت سے آدمی اس میں کے نگینہ کی اطلاع اور لوٹ میں چلے گئے تھے اور کچھ لوگ رامدیال سنگھ کی شکست سن کر بھاگ گئے تھے کچھ تھوڑے سے آدمی اور دو جزائل وہاں موجود تھیں جب احمد اللہ خان اور شفیع اللہ خان اور مارے نے سواہیڑی کو گھیرا تو بہت خفیف مقابلہ ہوا اور گنوار سب بھاگ نکلے اور جزائلیں ان کی چھن گئیں۔ اور سواہیڑی کو دشمنوں نے پھونک دیا اور جلا دیا اور بجنور میں متواتر خبریں آنے لگیں کہ اب نواب بجنور کو آمارتا ہے۔ بلکہ دو تین کوس تک نواب کے آدمی بجنور کی جانب بڑھ آئے تھے۔

سواہیڑی چھٹنے کے وقت بجنور میں کیا حال تھا

یہاں بجنور میں کچھ جمعیت نہ تھی۔ صرف چودھری رندھیر سنگھ مع ایک ضرب توپ اور پچاس ساٹھ آدمی کے سواہیڑی کی سڑک پر مورچہ لگائے موجود تھے اور چودھری بدھ سنگھ اور چودھری نین سنگھ بھی وہاں تھے۔ اور ہر چند واسطے جمع ہونے آدمیوں کے تدبیر کرتے تھے مگر ایک آدمی بھی جمع نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ بجنور میں سب کے پاؤں اوکھڑ گئے چودھری
ص۹۸ چودھ سنگھ عین مورچوں میں سے گھوڑا بھگا واسطے تدبیر نکال لے جانے اپنے اہل و عیال
کے اپنے گھر پر پہونچے اور چودھری نین سنگھ نے بھی اپنے معتمد دولت خانہ پر بھیج دیئے کہ ضرورت کی سب چیزیں تیار ہیں اور چودھری رندھیر سنگھ صاحب نے بھی روانگی ہلدور کا قصد کیا بلکہ توپ ادھر کو روانہ بھی کی کہ مجھ صدر امین اور ڈپٹی صاحب مکان تحصیل کو بند کرکے اور پانچ سات آدمی جو ہمارے ساتھ تھے ان کو لے کر اور ہتھیار بندوق سے آراستہ ہو کر اس دھیان میں ہو بیٹھے کہ اب احمد اللہ خان بجنور میں آتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا ہم اس سے لڑیں گے آخر کار مارے جائیں گے اور جس قدر خطوط اور کاغذات از طرف حکام انگریزی درباب انتظام ضلع ہمارے پاس آئے تھے اور جتنی رپورٹیں کہ ہم نے یہاں سے روانہ کی تھیں اور ان کی نقلیں ہمارے پاس موجود تھیں ان سب کو ہم نے بنظر دور اندیشی جلا دیا تمام شہر بجنور میں بھگی پڑگئی بہت سے آدمی گنگا کے کنارے اور دو گنگ میں جا بیٹھے اور ایک تلاطم عظیم بجنور میں برپا ہوگیا اس عرصہ میں مسلمانان بجنور جمع ہو کر چودھری

رندھیر سنگھ پاس گئے اور کہا کہ اگر تم چلے جاؤ گے تو قصبہ لٹ جاوے گا تم بدستور مورچہ پر چلو اور ہم سب تمہارے ساتھ ہیں چودھری رندھیر سنگھ نے اس بات کو قبول کیا اور مورچہ پر آئے اور توپ بھی پھیر لائے چودھری جودھ سنگھ وہاں آ گئے اور تینوں چودھری مع مسلمانان بجنور اور جس قدر آدمی چودھریوں کے ساتھ تھے شام تک مورچہ پر موجود رہے مگر احمد اللہ خان اس روز بجنور نہ آیا۔

ڈپٹی صاحب اور صدر امین کا بجنور سے ہلدور جانا

اور بمقام بسی کوٹلہ اس نے مقام کیا اور رات کے وقت چودھری رندھیر سنگھ نے ہم سے کہا کہ میرا ارادہ یہاں کے قیام کا نہیں چودھریاں بجنور بھی جانے والے ہیں تمہارا رہنا یہاں مناسب نہیں بہتر ہے کہ تم بھی آج ہی رات کو ہلدور چلے جاؤ چنانچہ ڈپٹی صاحب اور میں صدر امین آخیر رات کو بجنور سے روانہ ہوئے اور صبح ہوتے چوبیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو ہلدور پہونچے ہم سے تھوڑی دیر پہلے چودھری بدھ سنگھ نگینہ سے ہلدور آ چکے تھے وہاں ہماری اور ان کی ملاقات ہوئی۔

چودھری پرتاب سنگھ کا پانچ ہزار روپیہ نینی تال کو بھیجنا

چودھری پرتاب سنگھ صاحب نے تاج پور سے منجملہ مبلغان مطلوبہ جناب صاحب کمشنر
بہادر پانچ ہزار روپیہ حسب تفصیل ذیل آپس میں جمع کر کر معرفت راجہ صاحب کاشی پور روانہ صہ ۹۹
نینی تال گئے۔

چودھری رندھیر سنگھ صاحب	۱۵۰۰
چودھری پرتاب سنگھ صاحب	۱۵۰۰
چودھری امراؤ سنگھ	۱۰۰۰
چودھری ٹیکبراج سنگھ نہٹور والہ	۱۰۰۰
	۵۰۰۰

(چودھری بدھ سنگھ کا واسطے لانے چودھری رندھیر سنگھ کے بجنور کو جانا)

علی الصباح ۲۴ اگست ۱۸۵۷ء کو چودھری بدھ سنگھ معہ تھوڑے جمعیت کے بلدور سے روانہ بجنور ہوئے تاکہ چودھری رندھیر سنگھ کو بلدور لے آویں اور ادھر احمد اللہ خان کو نگینہ کے خالی ہونے کی اطلاع ملی۔

احمد اللہ خاں کا نگینہ کو جانا اور بشنوئیوں کو مارنا اور بشنوئی سرائے کو ویران کرنا

اور سب مسلمانوں نے جو کہ اس کے ساتھ تھے یہ بات چاہی کہ اول بشنوئیان نگینہ سے بدلا لیا جاوے جنہوں نے رامدیال سنگھ کے وقت میں مسلمانوں پر اور ان کے ننگ و ناموس پر زیادتی کی ہے اور جس فساد کے سبب سب لوگ محمدی جھنڈے میں جمع ہو گئے تھے اس لئے احمد اللہ خان نے نگینہ کا جانا مقدم سمجھا اور قصد بجنور کو ملتوی کر کے جانب نگینہ معہ فوج کے روانہ ہوا دو بجے وہاں جا پہنچا اور بشنوئی سرا کے غارت کا ارادہ کیا شیخ نجف علی رئیس نگینہ نے احمد اللہ خان کو اس بات سے منع کیا میندھو خان پسر نتھو خان نے شیخ نجف علی کو گالی دی اور بندوق مارنے کو اٹھائی مگر لوگ درمیان میں آ گئے اتنے میں خبر آئی کہ بشنوئی سرا میں بشنوئیوں نے ایک سوار اور دو پیادوں کو مار ڈالا اس خبر پر بشنوئی سرا پر توپ لگا دی اور گولہ مارنے شروع کئے تمام بشنوئی معہ زن و بچہ بھاگ نکلے پانچ چھ آدمی مارے بھی گئے اور بشنوئی سرائے دو دن تک خاطر خواہ لٹی اور تمام گھر اور پکے پکے مکانات بشنوئیوں کے سب پھونک دیئے ایک گھر بھی جلنے سے باقی نہیں رہا مشہور ہے کہ کل لڑائیوں اور فسادوں میں باون بشنوئی مارے گئے۔

احمد اللہ خان کا میر تراب علی کے قتل کو حکم دینا اور پھر جان بخشی کرنی

اس کے بعد احمد اللہ خان نے سید تراب علی تحصیلدار کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کی تلاش کو آدمی دوڑے مگر مولوی محمد علی رئیس نگینہ نے ان کو چھپا لیا اور میر

اشرف علی اور مولوی محمد علی خود احمد اللہ خان پاس گئے اور سید تراب علی کو غریب پردیسی سید کہہ کر اور طرح بطرح کی خوشامدیں کر کر ان کی جان بخشی چاہی چونکہ احمد اللہ خاں وغیرہ سب پٹھان تھے اور سید کا قتل کرنا یہ لوگ برا سمجھتے ہیں اس لئے سید تراب علی کی جان بخشی کی مگر مولوی محمد علی سے حاضر ضامن لکھوالی اور دروان مکان پر پہرہ جلت بجہت نگہبانی تعینات کئے پچیسویں تک احمد اللہ خان کا معہ تمام لشکر اور ہمراہیوں کے نگینہ میں مقام رہا۔

احمد اللہ خان وغیرہ کا نٹھور کو جانا

چھبیسویں اگست کو ماڑے اور شفیع اللہ خاں اور احمد اللہ خان نے یہ ارادہ چڑھائی ہلدور کے نگینہ سے جانب نٹھور کوچ کیا اور چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ معہ اپنی جمعیت ہمراہی اور ضرب ہائے توپ کے بجنور سے ہلدور میں پہونچے علی الصباح۔

ہلدور کی پہلی لڑائی چودھریوں کی شکست اور ہلدور کا جلنا

ستائیسویں تاریخ روز پنجشنبہ کو چودھری رندھیر سنگھ اور چودھری بدھ سنگھ اپنی تمام سپاہ کو ساتھ لے کر نقارہ بجاتے اور نشان اڑاتے معہ دو ضرب توپ اور چند جزائل کے بہت بڑی شان شوکت سے واسطے مقابلہ کے روانہ ہوئے اور نٹھور سے احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خان اور ماڑے معہ اپنے لشکر کے ہلدور پر چڑھے موضع جھروٹی اور سیگراج پور کے درمیان بان ندی پر طرفین کا مقابلہ ہوا دو توپیں چودھری صاحبوں کی طرف سے چھوٹیں لتاب کے سواروں نے حملہ کیا اور گنوار جو غول چودھری صاحب کی طرف جمع تھے بھاگے اور لڑائی شکست ہوگئی چودھری صاحب بھی پسپا ہوئے اور دونو توپوں کو لے کر ہلدور آداخل ہوئے ہلدور کے چاروں طرف پہلے سے خندق کھدی ہوئی تھی اور دمدمہ بنا ہوا تھا۔ اور چاروں طرف ناکہ بندی ہو رہی تھی اور مورچہ لگے ہوئے تھے جب چودھری صاحب اور ان کا تمام لشکر جو ساتھ بھاگا آتا تھا ناکہ ہلدور میں داخل ہوگیا تب چودھری صاحب پھر کے اور توپوں کو مورچوں پر لگا کر اور دمدمہ کی آڑ

ہیں کھڑے ہو کر باڑیں مارنی شروع کیں سرکاری رجمنٹ کے چند سواروں نے جو نواب
کی فوج میں سے تھے۔ مع اپنے ہمراہیوں کے جن کو انہوں نے منتخب کر لیا تھا مورچہ پر حملہ کیا
اور باوصف تنگی اور قلب ہونے ناکہ کے ناکے کے اندر گھس گئے اور پچاس ساٹھ آدمی
چودھری صاحبوں کے مارے گئے گوبند سنگھ کارندہ کل چودھری پرتاب سنگھ کا اسی ناکہ صنہ
پر بہت دلاوری سے مارا گیا اس وقت چودھری صاحبوں نے قیام اپنا ناکہ مورچہ پر بھی
مناسب نہ جانا اپنی تینوں توپوں کو ناکہ مورچالہ پر سے لے حویلی کو روانہ ہوئے تو ان سواروں
نے تعاقب کیا چودھری صاحبان تو حویلی میں بخیریت آن پہونچے مگر ان کی دو توپیں جو بہت
عمدہ سرکاری سکھ زین کی تھیں اور لارڈ لیک صاحب بہادر سپہ سالار انگلشیہ نے
نواب احمد بخش خان بہادر والئی فیروزپور کو عنایت کی تھیں اور نیلام اسباب شمس الدین
خان کے وقت چودھری صاحب ہلدور نے خرید کی تھیں چھین لیں اور ناکہ کے باہر
لے گئے اور ایک قدیمی لوہے کی توپ موروثی چودھری صاحبوں کی جو ناکہ پر تھی اور کڑہ خان
اس کا نام تھا اس کو چند گنواروں نے پھڑ پر سے اوکھاڑا اور کندھوں پر رکھ نغل میں
داب حویلی میں لا داخل کی حویلی کے دروازہ بند ہو گئے اور ہر ایک شخص اس کے منتظر
رہا کہ کب نواب آوے اور جو حویلی میں محصور ہیں ان کو مارے اس عرصہ میں گولہ اندازان
نواب نے ایک توپ جانب شرق اس مکان کے مقابل جس میں میں اور ڈپٹی صاحب مقیم
تھے آ لگائی اور گولہ مارنے شروع کئے باوجودیکہ بہت بڑا مکان نشانہ پر تھا مگر وہ گولہ
انداز ایسے کامل اور استاد اپنے فن کے تھے کہ ایک گولہ بھی اس مکان پر نہ لگا جس قدر
سوار نواب کے کنارہ شہر سے ناکہ کے اندر گھس آئے تھے وہ سب دونوں توپیں لے کر
ناکہ کے باہر چلے گئے اور صفیں آراستہ کئے ہوئے دمدمہ اور خندق ہلدور کے باہر
کھڑے رہے یقینی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی آدمی بھی سپاہ نواب کا شہر میں نہیں رہا۔ مگر دفعتاً
ہلدور کے مکانات میں آگ لگنی شروع ہوئی بلاشبہ جھیمی اور حلوائیاں ساکنان ہلدور
نے جو مسلمان ہیں ہندوؤں کے مکانات میں آگ لگائی کیونکہ ان سے اور چودھریان
ہلدور سے دریاب خانہ کرایہ اور تعمیر مسجد اور دیگر امور کے قدیمی عداوت چلی آتی تھی

یہاں تک کہ تمام مکانات ہندوؤں کے جلنے شروع ہو گئے اور دس بارہ آدمی قوم ہنود ملکے بھی گئے اور ہلدور کے چاروں کونوں میں اس قدر آگ روشن ہوئی کہ رستہ آمد رفت کوچوں کا بند ہو گیا اور نواب کی فوج جو باہر کھڑی تھی اس کو بھی قابو ہلدور کے اندر گھسنے کا نملا بہت دیر تک وہ فوج آراستہ کھڑی رہی جب یہ جانا کہ آگ ایسی بھڑک گئی ہے کہ کئی دن تک نہ بجھے گی تب چار بجے بعد احمد اللہ خان معہ اپنے تمام لشکر کے بہ ارادہ قیام جھالو روانہ ہوا رستہ میں موضع بھڑیاپور کو پھونک دیا اس عرصہ میں اس کو خبر پہونچی کہ بجنور بالکل خالی ہے اس نے بجنور کے قیام کا ارادہ کیا

احمد اللہ خان کا بجنور آنا

اور کچھ سوار اور پیدل لے کر تخمیناً ڈھائی تین ہزار آدمی کی جمعیت سے گیارہ بجے رات کے بجنور میں آداخل ہوا۔

چودھریان بجنور کا گنگا پار جانا

جس وقت کہ ہلدور پر لڑائی ہو رہی تھی تو چودھری جودھ سنگھ صاحب بھی دو تین کوس کے فاصلہ سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے جب ان کو یقین ہو گیا کہ ہلدور کی شکست ہو گئی اور ساری ہلدور جل گئی وہ پھر کر بجنور میں آئے اور یہ سب حال چودھری نین سنگھ صاحب سے کہا اور دونوں چودھری صاحب معہ اپنے رشتہ مندوں کے بجنور سے چلدیئے اور کشتیوں پر بیٹھ کر گنگا پار ہوئے احمد اللہ خان نے بجنور پہونچکر ہر چند تلاش کیا مگر پتہ نہ لگا۔

چودھری پرتاب سنگھ کا کانٹ کو جانا

احمد اللہ خان اور ماڑے کا ارادہ تھا کہ ہلدور فتح کر کے تاج پور پر چڑھائی ہوگی اور نٹھور میں منادی ہوئی تھی کہ ہلدور اور تاجپور کی لوٹ معاف ہے۔ جب خبر شکست ہلدور اور مارے جانے گوبند سنگھ اپنے کارندہ کی چودھری پرتاب سنگھ کو پہونچی وہ بھی گھبرائے اور جانا کہ کل یہی دن میرے لئے ہے اسی وقت چودھری پرتاب سنگھ تاجپور سے کانٹ کو چلے گئے تاج پور بھی خالی ہو گیا تھا اگر کچھ فوج احمد اللہ خان تاجپور بھیجدیتا تو اس

وقت اس پر قابض ہو جاتا۔

ہلدور میں مسلمانوں کا قتل عام ہونا اور جو گھر باقی رہے تھے ان سب کا جلنا

ہلدور سے احمد اللہ خان کے چلے جانے کی بڑی خوشی ہوئی اور سب کی جان میں جان آئی۔ اور خدا خدا کر کے شام کی اور جوں توں کر کے رات بسر کی رات کے وقت جو آدمی چودھری صاحبوں کے بھاگ گئے تھے وہ بھی آ گئے اور ایک غول پہیہ والوں کا بھی آ گیا اور قریب تین ہزار آدمی کی جمعیت پھر ہلدور میں جمع ہو گئی اٹھائیسویں اگست ۱۸۵۷ء کو روز جمعہ مطابق
ساڈیں محرم ۱۲۷۴ھ کے قبل طلوع آفتاب چودھری صاحبوں نے تمام رستہ ہلدور کے گھیر ص ۱۴
لیئے اور جس قدر مسلمان حلوائی اور چھیپی اور کہار وغیرہ ہلدور میں دستیاب ہوئے سب کو برابر قتل کر دیا اور بہت سی عورتیں گرفتار ہو کر کوٹھے میں قید کی گئیں اور کچھ عورتیں بھی اتفاقیہ ماری گئیں اور کچھ مرد اور کچھ عورتیں اور بچے زخمی بھاگ بھاگ کر چاندپور پہونچے جو حلوائی چھیپی مفسد اور حرامزادہ تھے اور غالباً انہوں نے بھی اس روز ہلدور میں فساد کیا تھا اور آگ لگائی تھی اسی روز معہ اپنے اہل و عیال کے احمد اللہ خان کے ساتھ چلے گئے تھے یہ وہ لوگ تھے جو اپنے تئیں بے قصور سمجھ کر ہلدور میں رہ گئے تھے غرضکہ شام تک ان لوگوں کا برابر قتل رہا۔ اور جس قدر گھر مسلمانوں کے وہاں تھے وہ سب جلا دیئے گئے اور ان کے ساتھ ہندوؤں کے بھی بہت سے گھر جو بیچ میں آ گئے جل گئے اور ہلدور کا یہ حال ہو گیا کہ بجز دو پکی حویلیوں کے کوئی گھر جلنے اور خراب ہونے اور لٹنے سے باقی نہیں رہا۔ پھونس کا نام ہلدور میں سے جاتا رہا یہاں تک کہ اگر کوئی چڑیا ایک پھونس کا تنکا اپنا گھونسلہ بنانے کو قرض مانگتی تو بھی نہ ملتا۔

ہندوؤں کو مسلمانوں سے اس قدر عداوت ہو گئی کہ چند آدمی جو اتفاقیہ ہلدور میں وارد تھے وہ بھی مارے گئے گنوار بخوبی پکار پکار کر ہم لوگوں اور ڈپٹی صاحب کی نسبت صاف صاف کہتے تھے کہ گویہ لوگ چودھریوں سے ملے ہوئے ہیں مگر مسلمان ہیں ان کو بھی مار ڈالنا چاہیئے مگر

چودھری رندھیر سنگھ نے ہماری بہت حفاظت کی اور کہلا بھیجا کہ دروازہ مضبوط بند کرکے اندر بیٹھے رہو اور کسی اپنے نوکر کو بھی باہر نہ نکلنے دو ایسا نہو کوئی مار ڈالے اس سبب سے تین روز تک ہم کو ہلدور میں پانی اور کھانے کی بہت تکلیف رہی -

ڈپٹی صاحب اور صدر امین کا ہلدور سے روانہ ہونا

جب یہ حال ہوا تو پھر ہم نے اپنا قیام ہلدور میں بھی مناسب نہ جانا اور تمام ضلع میں کوئی اور ایسی جگہ بھی نہ تھی جہاں ہم رہ سکتے اس مجبوری سے ضلع کا چھوڑنا ضرور پڑا انتیسویں تاریخ کا دن جس طرح ہو سکا ہم نے ہلدور میں بسر کیا گیارہ بجے رات کے ہم پیادہ پا وہاں سے نکلے اور نہایت مشکل اور تباہی سے راستہ کاٹا صبح ہوتے ہم لوگ معہ ڈپٹی صاحب اور پتھر داس اور نانکے رائے خزانچی کے قریب موضع بچنیان کے پہونچے وہاں معلوم ہوا کہ بچنیان میں بہت لوگ ہمارے لوٹنے اور مارنے کو جمع ہیں اس لئے اس راہ کا چھوڑنا ضرور پڑا اور پلانہ کا راستہ اختیار کیا - ١٨٥

(موضع پلانہ میں ڈپٹی صاحب اور صدر امین پر یورش ہونا)

پلانہ کی سرحد میں پہونچے دفعتاً دو ہزار گنوار مسلح ہم پر دوڑے اور ہمارے لوٹنے اور قتل کا ارادہ کیا مسمی بخشی سنگھ پردھان موضع پلانہ نے مجھ کو اور ڈپٹی صاحب کو پہچانا اور ان گنواروں کو روکا اور خود ساتھ ہو کر بحفاظت تمام اپنے گانوں کی سرحد سے نکال دیا جبکہ ہم موضع گھیر کی میں پہونچے تو وہاں کے زمینداروں نے ہماری بہت خاطر کی اور ہم کو پانی اور دودھ پلایا اور ہر طرح سے ہماری اطاعت کی اور چند آدمی ساتھ ہوئے تاکہ چاندپور تک پہونچا دیں۔

چاندپور میں ڈپٹی صاحب اور صدر امین پر یورش

چاندپور میں اس سے زیادہ مصیبت ہماری قسمت میں لکھی تھی کہ جب ہم قریب دروازہ چاندپور پہونچے اور بدمعاشان مسلمانان چاندپور کو ہمارے آنے کی خبر ہوئی دفعتاً محلہ تتیا پارہ میں ڈھول ہوا اور صدہا آدمی تلوار اور گنڈاسہ اور طمنچہ اور بندوق لے کر ہم پر چڑھ آئے ہمارے مارے جانے

میں کچھ شبہ باقی نہ تھا مگر فی الفور میر صادق علی رئیس چاند پور ہماری مدد کو پہونچے اور اپنے رشتہ داروں اور ملازمان کو ساتھ لے کر ان مفسدوں کو روکا اس عرصہ میں بہت سے آدمی شہر کے ہماری اعانت کو آئے اور ان بدذاتوں کے ہاتھ سے ہم کو بچایا اور میر صادق علی ہم کو اپنے مکان پر لے گئے اور امن دیا دوسرے روز خود ساتھ ہو کر موضع چھچھلہ تک پہونچا دیا وہاں سے ہم بچھراؤں گئے اور وہاں سے عرضی مفصل سرگذشت کی بحضور حکام لکھی اور چند روز بسبب بیماری کے مقام کر کے ڈپٹی صاحب براہ خورجہ بعد پہونچانے اپنے اہل و عیال کے اور میں صدر امین سید تھا بمقام میرٹھ بحضور حکام عالی مقام حاضر ہوئے۔

رائے اسباب میں کہ ضلع میں اس تازہ فساد ہونے کا کیا سبب ہوا۔

جب یہ فساد ہوا تو انتظام ضلع کا ہمارے ہاتھ میں تھا اس سبب سے میں نہایت نامناسب سمجھتا ہوں اگر اس قدر جلد ضلع میں فساد ہونے کا سبب نہ بیان کروں میری رائے
میں کچھ شک نہیں ہے اگر سرکاری فوج ضلع میں نہ آتی تو اسی طرح کا فساد ضرور ضلع میں ہوتا ص ۱۰۵
مگر جیسے اس قدر جلد کہ اب ہوا اس کا باعث صرف فساد نگینہ ہے حکام انگریزی کے احکام آنے اور رئیسوں کے نام خطوط اور پروانجات جاری ہونے سے جن کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے کچھ شک نہیں ہے کہ سب کے دلوں پر سرکار کا خوف ہو گیا تھا اور ہم نے جو اشتہارات اور منادی سرکار کے نام سے تمام ضلع میں کی یہاں تک کہ خاص نجیب آباد میں بھی سرکار کے نام سے منادی ہوئی اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر دھرم پورہ تک تشریف لائے سب کو یقین ہو گیا تھا کہ اب سرکاری فوج اور حکام جلد ضلع میں تشریف لاویں گے جب ہم نے ضلع کا اہتمام اٹھایا تو مسلمانوں نے اس بات کا یقین کیا کہ جو زیادتیاں ہندوؤں نے بر وقت فتح شیرکوٹ و بجنور مسلمانوں پر کیں وہ اب نہیں ہونے کیں اور نہ مسلمان ہندوؤں پر زیادتی کر سکیں گے بلکہ جیسا قاعدہ سرکاری عدالت کا تھا اسی طرح پر انتظام اور کام ہو گا۔ اور ہمارا دل بھی یوں ہی چاہتا تھا کہ اسی طرح پر ہو مگر ہم محض بے قابو تھے اور در حقیقت ہمارا کچھ اختیار نہ تھا۔ جو لوگ کہ ہماری مدد کو تھے وہ ہمارے تابع نہ تھے بلکہ خود آرائی

سے کام کرتے تھے۔ ہماری بات اگر مانتے تھے تو وہی بات مانتے تھے جو کہ پہلے سے ان کے دل میں کرنی ہوتی تھی۔ ہمارے مددگاروں کے جو لوگ تابع اور مددگار تھے وہ خود ان کی نہ مانتے تھے جن کے تابع تھے۔ ہم تو درکنار رہے۔ جو بات کہ ہماری خلاف مرضی اور برعکس ہماری رائے کے ضلع میں ہونے کو ہوتی تھی ہم اس کے روکنے کا اور بند کرنے کا کچھ قابو نہیں رکھتے تھے۔ ہم خوب سمجھتے تھے کہ نگینہ میں توپ کے سانچہ پر فساد ہوگا اول تو ہماری ہرگز رائے نہ تھی کہ بالفعل اس سے کسی طرح کا مواخذہ کیا جاوے اس لئے کہ سردست وہ کسی کام کا اور کسی طرح مضرت رساں نہ تھا اس سے آیندہ امید مضرت رسانی کی تھی اور اگر بالفرض آدمی نگینہ پر چلے بھی گئے تھے تو جس وقت رئیسان نگینہ نے مردمان اور سپاہیان نجیب آباد کو نگینہ سے رخصت کر دیا اور سب لوگ نجیب آباد چلے گئے تھے اس وقت رامدیال سنگھ کا رہنا پورینی میں نہایت نامناسب اور بنیاد فساد کی تھا۔ فی الفور رامدیال سنگھ کو واپس آنا چاہیئے تھا۔ ہم نے تھانہ دار نگینہ میں بھیجا تھا اور مولوی قادر علی تحصیلدار کو واسطے بھیجنے نگینہ کے بلایا تھا۔ ہم صرف رئیسوں کی معرفت وہاں کا ص ۱۰۶
انتظام کر لیتے۔ مگر ہر چند ہم نے کہا کہ رامدیال سنگھ کو واپس بلانا چاہیئے مگر افسوس ہے کہ ہماری بات وہ تھی جس کا ہمارے مددگاروں کے دل میں پہلے سے اس کا کرنا نہ تھا۔ بشنوئیان نگینہ جو قدیمی مفسد اور شورہ پشت ہیں زیادہ تر مفسدہ کے باعث ہو گئے اور نگینہ میں فساد کروا دیا مسلمانوں نے دیکھا کہ بدستور ہندو مالک اور حاکم ہیں اور ہندو جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مارتے ہیں جیسا کہ نگینہ میں پیش آیا اکثر آدمی نجیب آباد چلے گئے نواب نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر محمدی جھنڈا کھڑا کر دیا اور دفعتاً ضلع میں فساد برپا ہو گیا۔ اور مذہبی لڑائی قایم ہو گئی۔

چاندپور میں ڈپٹی صاحب اور صدر امین پر بلوہ ہونیکا سبب

چاندپور میں جو ہم پر آفت پڑی تو اصلی منشاء اس کا یہی تھا کہ ہم سرکار کے خیر خواہ اور طرفدار تھے اور علانیہ سرکار کی طرفداری کر کر انتظام ضلع کا اٹھا لیا تھا۔ لیکن اس قدر عام بلوے کے ہمارے پر ہونے کا یہ سبب تھا اور سب بلوائی پکار پکار کر کہتے تھے کہ چودھریوں سے سازش کر کے نگینہ میں مسلمانوں کو مروا دیا اور لوگوں کی جورو بیٹی کی بے عزتی کروائی اور ہلدور میں اپنے

سامنے مسلمانوں کو ذبح کر دایا اب ہم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ یہ سب باتیں ہم اپنے کان سے سنتے تھے اور ہلدور سے حلوائیان اور چھیپیوں کے زخمی مرد اور عورت اور بچے جو بچکر بھاگے تھے وہ تھوڑی دیر پہلے ہم سے چاندپور میں پہونچ چکے تھے ان کا حال دیکھکر زیادہ تر لوگ نادم اس ہور ہے تھے کہ ہم بے گناہ دفعتاً وہاں جا پہونچے فہمیدہ آدمی تو سمجھ گئے کہ یہ کام انھوں نے نہیں کیا مگر جاہل لوگوں نے نہ مانا۔ غرضیکہ ہماری رائے میں یہ ہے کہ جس طرح ہم چاہتے تھے اگر سب لوگ ہماری رائے پر کام کرتے تو بلاشبہ اتنے عرصہ تک ضلع مختار رہتا کہ یا سرکاری فوج ضلع میں آجاتی یا لوگوں کو سرکاری فوج آنے سے بالکل توقع جاتی رہتی۔

ہلدور کی دوسری لڑائی اور چودھریوں کی شکست

ہمارے جانے کے بعد چودھری صاحبان ہلدور پھر جمعیت اکٹھا کرنے کی فکر میں پڑے اور اپنی حویلی کی حفاظت میں مصروف ہوئے چنانچہ بہت سے آدمی ہلدور میں جمع ہوگئے اور احمد اللہ خاں اور ماڑے بمقام بجنور مقیم رہے تیسویں اگست ۱۸۵۷ء روز یکشنبہ صد۱۰
مطابق نویں محرم ۱۲۷۴ھ کو احمد اللہ خاں اور ماڑے نے پھر ہلدور پر چڑھائی کی اور سوتی جمعیت سنگھ رئیس بجنور اور لالہ خوب چند وکیل صدر امینی بجنور کو جو زمانہ سابق میں کارندہ چودھریان ہلدور تھا ساتھ لیا کہ اول جا کر صلح و صفائی کرادیں۔ ادھر سے لشکر احمد اللہ خاں کا ہلدور پر روانہ ہوا اور جب چودھری پرتاب سنگھ تاجپور سے کانٹھ چلے گئے تھے تو کانٹھ والوں نے کچھ اپنی جمعیت اور ضرب توپ تاجپور میں واسطے حفاظت مکانات چودھری پرتاب سنگھ بھیجدی تھی اور وہ تاجپور میں موجود تھی۔ چنانچہ تاجپور سے ایک گروہ مع اس توپ کے واسطے کمک چودھریان ہلدور کے مع نرائن سہائے روانہ ہوا تھا وہ متصل ہلدور پہونچ گیا تھا اور ایک باغ میں متصل ہلدور مورچہ لگایا تھا۔ جب احمد اللہ خاں کا لشکر ہلدور کے قریب پہونچا تو بلدیر کی بھوڑ پر لشکر ٹھہرا اور وہ دونوں آدمی ہلدور میں چودھری صاحبان کے پاس گئے مگر کوئی صورت صفائی کی نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب ان دونوں آدمیوں کے واپس آنے میں دیر ہوئی تب احمد اللہ خان نے ہلدور کو گھیر لیا اور تاجپور والے غول سے مقابلہ

کرکے اس کو بھگا دیا۔ اور کانٹھ والی توپ چھین لی سوتی جیت سنگھ اور لالہ خوب چند ہلدور میں سے نکل کر چلے گئے اور ہلدور پر لڑائی شروع ہوئی۔ جس قدر آدمی کہ چودھری صاحبان کے پاس تھے وہ حویلی میں محصور ہو گئے اور اندر سے بندوقیں مارنی شروع کیں احمد اللہ خاں کے گولہ اندازوں نے ہر چند کئی طرف سے مورچہ لگائے مگر کوئی موقعہ ایسا ان کے ہاتھ نہ آیا کہ حویلی کی دیوار گولے سے ٹوٹ سکے اور بندوق تلوار کچھ کام نہ کرتی تھی اس لئے بہت دیر تک گولے چلتے رہے اور احمد اللہ خان کے لشکر کے چند آدمی جو حویلی کے دروازوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے مارے گئے۔ جب حویلی ٹوٹ نہ سکی تو احمد اللہ خان نے وہاں سے کوچ کر کر نہٹور میں مقام کیا اور دوسرے روز اکتیسویں اگست ۱۸۵۷ء مطابق دسویں محرم ۱۲۷۴ھ کو بھی وہیں مقام رہا۔ یکم ستمبر کو نہٹور سے جانب بجنور کوچ کیا اور رستہ میں موضع نانگل کو جہاں مقابلہ شیر کوٹ میں کئی سپاہی نواب کے مارے گئے تھے لوٹ لیا اور جلا دیا اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔

چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ کا معہ اہل وعیال ہلدور سے جانا

چودھری بدھ سنگھ اور چودھری مہاراج سنگھ نے اب رکھنا اپنے اہل وعیال کا ہلدور میں مناسب نہ جان کر دونوں چودھریوں صاحب معہ اپنے تمام اہل وعیال کے ہلدور سے پھینہ چلے گئے اور صرف چودھری رندھیر سنگھ ہلدور میں مقیم رہے۔ اور بعد پہونچانے اپنے اہل وعیال کے پھینہ میں چودھری بدھ سنگھ پھر ہلدور کو واپس آئے اور چودھری مہاراج سنگھ تاجپور گئے اور کانٹھ سے چودھری پرتاب سنگھ صاحب کو بلایا اور وہ دونوں مل کر ہلدور میں آئے اور بعد مشورہ اور گفتگو کے دوسرے دن چودھری پرتاب سنگھ تاجپور کو چلے آئے۔

جلال الدین خاں کی مختاری کی تجویز ہونی اور چودھریوں سے صفائی کی گفتگو

اس معرکہ کے بعد تمام ضلع میں نواب کی بے کھٹکے حکومت ہو گئی اور جملہ مشیران نواب انتظام ضلع کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے قرار پائی کہ جملہ چودھریوں سے صفائی کی جاوے

اور جلال الدین خاں نائب نواب اور مختار کل مقرر ہو۔ جلال الدین خاں کو اس عہدے پر مقرر کرنے کا سبب یہ تھا کہ احمد اللہ خاں سے سب چودھری بہت ناراض تھے اور اگر وہی کارکن رہتا تو چودھریوں سے صفائی ہونے میں وقت پڑتی دوسرا یہ سبب تھا کہ ان دنوں میں ضرورت روپیہ کی بہت تھی اور احمد اللہ خاں کو روپیہ ملنا بہت دشوار تھا اور جلال الدین خاں کو لوگ معتبر آدمی سمجھتے تھے۔ اس کی معرفت سبیل روپیہ کی بھی بآسانی متصور تھی۔ چنانچہ مسودہ اقرار نامہ مختاری کل تحریر ہوا اور جملہ چودھریوں سے گفتگو اور پیام سلام صفائی کے ہونے لگے اور سعد اللہ خاں منصف امروہہ نے چودھریوں کے نام خطوط واسطے صفائی کے لکھے۔ اور اس میں وعدہ لکھا کہ بعد تحریر ہو جانے اقراری نامہ مختاری کل کے میری معرفت سب کی صفائی ہو جاوے گی۔ سعد اللہ خان نے جو خط اس باب میں چودھریوں کے نام لکھے اس کی نقل بجنسہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔

نقل خط سعد اللہ خاں بنام چودھریان درباب صفائی

نقل خط سعد اللہ خاں موسومہ چودھری رندھیر سنگھ و بدھ سنگھ و مہاراج سنگھ بلا اندراج تاریخ۔

چودھری صاحبان مشفق مہربانان دوستان سلمہ اللہ تعالیٰ۔

حاشیا شوق ملاقات مسرت سمات کہ مزیدی بر آں متصور نیست مشہود ضمیر محبت تنویر گردانیدہ می آید الحمد للہ والمنت کہ خیریت جانبین حاصل نامہ محبت شمامہ بمدست حکیم شجاع علی صاحب و سید امتیاز علی صاحب وصول آوردہ کاشف ما فیہا گردید حال اینست کہ مختار نامہ کل معاملات از جانب نواب صاحب بہادر بنام محمد جلال الدین خاں صاحب بہادر قرار یافتہ است و مسودہ ہم تسطیر شدہ مگر تا ایں وقت صاف نگردیدہ مہر بر آں نشدہ است تا وقتیکہ ایں معاملہ بظہور نرسد از یں باعث در رسیدن ایں جانب نزد آں صاحبان تامل است لہٰذا بقید قلم می آید کہ اگر ایں معاملہ تا دوپہر یا نجام رسید ضرور سوار شدہ در کیرت پور شب باش خواہم شد و اطلاع بآں صاحبان خواہم رسانید زیادہ خیریت است و حکیم صاحب و سید امتیاز علی صاحب را نزد خود مقیم داشتہ ام و اگر امروز تصفیہ نشدہ دو سہ روز انتظار نمودن

تصفیہ ضرور است۔

جلال الدین خاں کی مختاری کا التوا اور کونسل کا تقرر

مگر یہ انتظام موقوف رہا اس سبب سے کہ احمد اللہ خاں اس بندوبست سے بہت ناراض تھا۔ اس نے تمام افسران کو اپنے ساتھ بلا لیا۔ تمام افسران فوج نے احمد اللہ خاں سے عہد کیا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اگر محمود خاں تم کو بیدخل کرے گا تو ہم سب تمہارا ساتھ دینگے لاچار یہ بندوبست ملتوی رہا اور آپس کی صلاح سے ایک کونسل مقرر ہوئی کہ جو انتظام ضلع کا ہو کونسل سے ہوا کرے چنانچہ جو جو روبکاری نا محمود خاں نے اس معاملہ میں لکھی اس کی نقل بجنسہٖ اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔

روبکاری تقرر کونسل

روبکاری محکمہ بہ اجلاس امیر الدولہ ضیاء الملک ذوی القدر نواب محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ واقع ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ء چونکہ ایں جانب نے بہ سبب بدانتظامی ضلع بجنور کے محمد احمد اللہ خاں بہادر و محمد احمد یار خاں و محمد شفیع اللہ خان و اخوندزادہ عبدالرحمن خاں و سید احمد شاہ کو بنظر رفاہ خلایق اور واسطے انتظام مالی و ملکی ضلع بجنور کے اپنی طرف سے مختار کار عام مقرر کیا اور کل انتظام ضلع کا سپرد صاحبان مرقومہ بالا کے کیا تو ضرور ہے کہ جو معاملات بیچ انتظام ملک خواہ پروانجات و چٹھیات و رقعجات یا اور کوئی امر متعلقہ نظامت و فوجداری اجرا پاوے تو ص۱۱
بصلاح مشورہ صاحبان مرقومہ بالا کے تجویز ہو کر روبروئے ایں جانب پیش ہووے اور ایک عرضی بھی سب صاحبان کی طرف سے مشعر باطلاع اتفاق رائے کہ گذرنی چاہئیے تو اس وقت ہونا حکم منظوری تجویز یا دستخط ایں جانب بہت مناسب ہوگا۔

حکم ہوا کہ

جو امر تجویز صاحبان مرقومہ بالا سے اجرا پاوے تو بالاتفاق سب صاحبوں کے تجویز ہو کر معہ قطعہ عرضی کے ہمارے روبروپیش ہو تو جب دستخط اور حکم ہمارا ہوگا در صورت خلاف رائے صاحبوں کے کوئی امر تجویز کیا ہوا قابل پذیرائی کے نہ ہوگا۔ اطلاعاً نقل روبکار ہذا کی پاس ان پانچوں صاحبوں کے بھیجی جاوے اصل روبکار سررشتہ میں رہے۔

کچہری کے لئے مہروں کا بننا

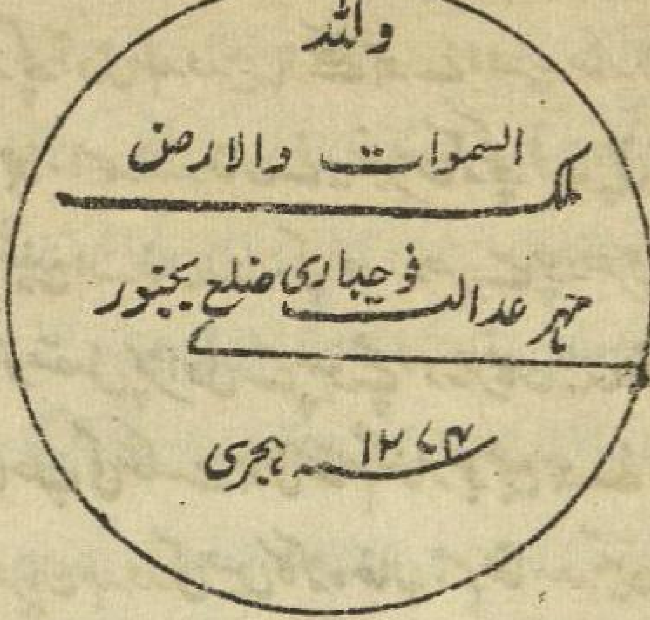
اسی زمانہ میں نئی مہریں فوجداری اور کلکٹری کی نام محمود خاں اور احمد اللہ خاں نے بنوائیں۔ ان مہروں پر الفاظ واللہ ملک السموات والارض بڑھایا گیا اور بجائے سنہ عیسوی کے سنہ ہجری لکھا گیا۔ پہلی دفعہ جو مہریں بنیں ان میں تو لفظ ضلع بجنور موقوف کر کے لفظ تحت حکومت نجیب آباد کھودا گیا چنانچہ ان مہروں کے نقش اسی مقام پر ثبت ہیں۔

سعد اللہ خاں کا صفائی چودھریوں میں دخیل رہنا

اگرچہ کونسل مقرر ہونے سے جلال الدین خان کی مختاری کل ملتوی ہوگئی اور سعد اللہ خاں کا بخوبی اختیار نہ ہوا۔ کیونکہ سعد اللہ خاں کا اختیار جلال الدین خاں کی مختاری پر منحصر تھا مگر پھر بھی سعد اللہ خاں بدستور چودھری صاحبوں کی صفائی کے معاملہ میں دخیل رہا۔ اور واسطے درستی اس معاملہ کے اور بلانے چودھریوں کے سعد اللہ خاں بمقام نہٹور گیا اور سب چودھریوں کو بلایا اور پیغام بھیجا مگر کوئی ان میں سے نہ گیا۔ لاچار سعد اللہ خاں بلا حصول مطلب سولہویں ستمبر ۱۸۵۷ء کو نگینہ میں واپس آیا۔

پمڑاولی کی لڑائی اور چودھریان ہلدور کی شکست

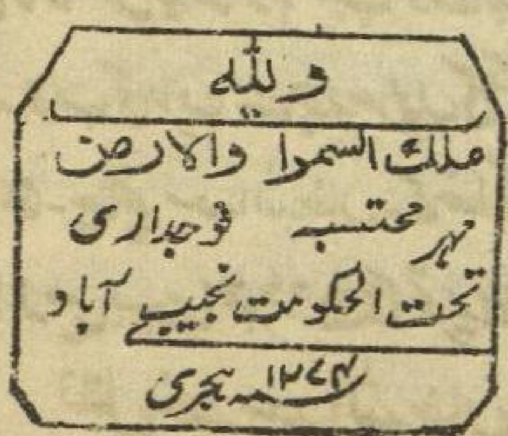
چودھری بدھ سنگھ، چودھری مہاراج سنگھ نے ارادہ کیا کہ پھر ایک دفعہ نواب سے مقابلہ کیا جائے۔ اور اپنی برادری کو خطوط لکھے اور چودھری پرتاب سنگھ سے بھی کمک چاہی چنانچہ پھیپنہ میں لام جمع ہوا۔ چودھریان کانٹ اور نرائن سہائے معہ جزائیل چودھری پرتاب سنگھ کی طرف سے اور گلاب سنگھ جکا رسی والا

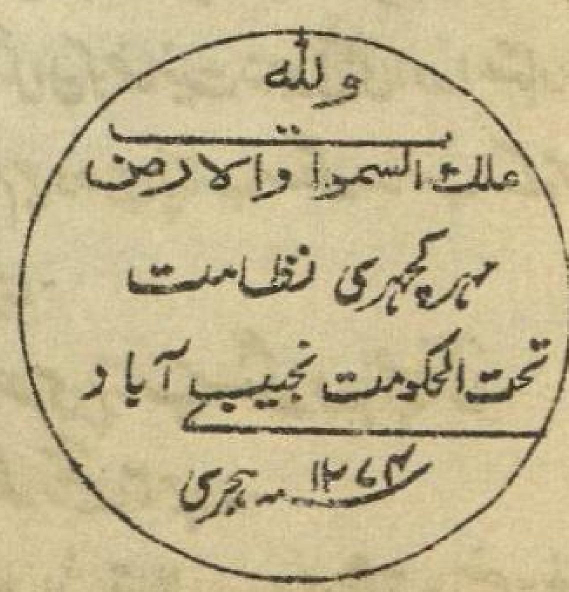


و للہ ملک السموات والارض۔ مہر عدالت فوجداری ضلع بجنور ۱۲۷۴ سنہ



و للہ ملک السموات والارض مہر کلکٹری ضلع بجنور ۱۲۷۴ سنہ ہجری





ص۱۳۱ اور کچھ زمیندار پھینہ کے اور اور زمیندار دیہات کے ملکی چودھری بدھ سنگھ صاحب کے پھینہ میں جمع ہوئے اور کچھ آدمی ہلدور میں اکٹھے ہوئے اور یہ سارا لام جمع ہو کر بہ ارادہ چڑھائی نجیب آباد روانہ ہوا۔ احمد اللہ خاں نے یہ خبر سن کر کچھ فوج اپنی بمقام نگینہ اور کچھ فوج بمقام کیرت پور بافسری شفیع اللہ خاں روانہ کی اور ادھر سے چودھری صاحب اپنا لام لے کر اٹھارھویں ستمبر ۱۸۵۷ء کو متصل پھڑا دلی کے پہونچے اور طرفین میں مقابلہ شروع ہوا۔ تھوڑی لڑائی کے بعد چودھری صاحب کی شکست ہوئی تمام گنوار جو جمع ہوئے تھے بھاگ نکلے اور ایک موروثی توپ چودھریان ہلدور کی جس کا کڑہ خاں نام تھا معہ تین جزائیل اور دو گردول کے نواب کی فوج نے چھین لئے اور چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ ہلدور ہوتے ہوئے پھر پھینہ میں پہونچے۔ اس فتح میں شفیع اللہ خاں کا بہت بڑا نام ہوا اور لقب بہادری اس کو دیا گیا اور جنرل جرار بھی کہلانے لگا۔ چنانچہ اکثر کاغذات میں اس کا یہ لقب دیکھا گیا۔

چودھریوں سے پھر صلح کا پیام

اس لڑائی کے بعد احمد اللہ خاں اور نواب کے مشیروں نے چاہا کہ یا جملہ چودھریان کی بیخ کنی کر دی جاوے ورنہ وہ لوگ مقابلہ سے باز نہ آویں گے اور اس کی طرف کا کھٹکا رفع نہ ہوگا یا ان سے بخوبی صلح صفائی ہو جاوے۔ چودھری صاحبان بھی درصورت طمانیت رفع فساد چاہتے تھے۔ چنانچہ ادھر سے چودھریوں نے بھی پیغام صلح بھیجے اور خطوط بھی لکھے جن کا حاصل یہ تھا کہ بسبب خوف بدسلوکی اور اندیشہ جان و آبرو کے حاضر نہیں ہو سکتے ہر چند نواب کی طرف سے چودھریوں کی تشفی ہوتی تھی مگر ان کو طمانیت نہ ہوتی تھی اور اعتبار نہ آتا تھا۔ چنانچہ سعد اللہ خاں کے خط کی نقل جو بنام چودھری پرتاب سنگھ صاحب کے اس معاملہ میں بیسویں ستمبر ۱۸۵۷ء کو تحریر ہوا بجنسہ لکھتے ہیں۔

نقل خط سعد اللہ خاں بنام چودھری پرتاب سنگھ درباب صفائی

نقل خط سعد اللہ خاں بنام چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور۔

چودھری صاحب مشفق مہربان دوستان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام شوق واضح ہو خط

تمہارا پہونچا حال دریافت ہوا۔ ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے ایام کچھ برے آگئے ہیں۔ صہ۱۱۷
ورنہ ہرگز تم سے ایسی بات ظہور میں نہ آتی کہ تم مجھ سے اندیشہ کرتے ہو اور میں تم کو اپنے فرزند
سے کمتر نہیں جانتا جبکہ تم کہنے میرے سے باہر ہو تو پھر کیا علاج کروں۔ چاہیئے کہ بلا اندیشہ تم
نگینہ میرے پاس چلے آؤ۔ اور کچھ اندیشہ کسی طرح کا مت کرو اگر میرے پاس نہ آؤ گے تو اور
جو کچھ تدبیر تمہارے نزدیک بہتر ہو وہ کرو اور اگر ایسی ہی لیت ولعل میں رہو گے خراب اور
برباد ہو جاؤ گے۔ تاکید جانو اور بلا اندیشہ چلے آؤ اور جب تم مجھ کو مربی جانتے ہو تو پھر کیا
خوف ہے ہرگز ہرگز کچھ خوف نہ کرو۔ زیادہ خیریت ہے اور اسی شب میں روانہ ہو کر میرے پاس
آؤ۔ اور مجھ کو تمہاری حیرانی کا بڑا تردد ہے واللہ باللہ اگر میں تم کو محمد اسمٰعیل خاں سے کمتر جانتا
ہوں تو خدا اس کا آگاہ ہے اور تم کو بھی یہ معلوم ہے۔ فقط پہلی صفر ۱۲۷۵ھ۔

غضنفر علی خاں کا نہٹور میں جانا اور چودھری رندھیر سنگھ کی ملاقات

غرضکہ سعد اللہ خاں کی معرفت پیغام صفائی اور حاضر ہو جانے کے چودھری پرتاب سنگھ
صاحب سے ہوئے اور ننھے خان نے چودھری امراؤ سنگھ صاحب رئیس شیرکوٹ سے
گفتگو صفائی کی کی اور غضنفر علی خاں نیرا بیٹا نامحمود خاں کا معہ ماڑے اور لشکر مناسب کے
نہٹور روانہ ہوا کہ اگر چودھریان ہلدور حاضر ہو جاویں تو بہتر ورنہ پھر ہلدور کو تباہ کیا جاویگا
اور جیراج سنگھ پورینی والہ اور لیکھراج سنگھ نہٹور والہ کی معرفت چودھری رندھیر سنگھ کو
پیغام بھیجے گئے بعد گفتگو اور طمانیت کے چودھری رندھیر سنگھ نہٹور میں آنے پر راضی ہوئے
اور پچیسویں ستمبر ۱۸۵۷ء کو چودھری صاحب نہٹور میں آئے اور غضنفر علی خاں سے ملاقات
کی چودھری صاحب نے ایک پیش قبض اور پچاس روپیہ ان کی نذر کیا اور غضنفر علی خاں نے
ایک دوشالہ بطور خلعت ان کو دیا اور یہ بات کہی کہ چودھری بدھ سنگھ اور چودھری مہاراج
سنگھ کو بھی حاضر کرو۔ انہوں نے اقرار کیا کہ بلا دوں گا۔ بعد ملاقات کے چودھری رندھیر سنگھ
صاحب ہلدور کو رخصت ہوئے یعقوب علی خاں رامپوری مصاحب غضنفر علی خاں اور
مان سنگھ بھائی لیکھراج سنگھ کا واسطے لانے چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ کے ص۱۱۵

ان کے ساتھ ہلدور میں گئے اور وہاں سے موضع پھینہ میں چودھری صاحبوں کے پاس پہنچے مگر چودھری بدھ سنگھ اور مہاراج سنگھ نہ آئے اور بطائف الحیل آنے سے انکار کر دیا اور کئی دن بعد گنگا پار بجنور حکام چلے گئے (چودھری پرتاب سنگھ اور امراؤ سنگھ کا نگینہ میں آکر نجیب آباد جانا اور نامحمود خاں سے ملاقات) آخر کار بعد نامہ و پیام یہ بات ٹھہری کہ چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور موضع پورینی میں آویں اور سعد اللہ خاں سے زبانی گفتگو کر کے تاجپور واپس چلے جاویں چنانچہ پرتاب سنگھ پورینی میں آئے اور سعد اللہ خاں نگینہ سے پورینی میں گیا اور چودھری پرتاب سنگھ کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھی پر بٹھالیا اور نگینہ لے آیا اس کے بعد چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیرکوٹ نگینہ میں آئے اور سعد اللہ خاں سے ملاقات ہوئی جب محمود خاں کو خبر پہنچی کہ دونوں چودھری نگینہ میں آگئے ہیں اس نے سعد اللہ خاں کو خط لکھا کہ دونوں چودھریوں کو نجیب آباد میں لے آؤ سعد اللہ خان ان کو نجیب آباد لے گیا اور چھبیسویں ستمبر کو چودھری صاحبان کی ملاقات نامحمود خاں سے ہوئی۔ دونوں چودھری صاحبوں نے کچھ اشرفیاں نذر دیں اور نامحمود خان نے ایک دوشالہ ان کو بطور خلعت دیا اور دوسرے دن ان کو رخصت کر دیا۔

شیرکوٹ میں ہندوؤں کا قتل عام

جب کہ چودھری امراؤ سنگھ شیرکوٹ سے نگینہ کو روانہ ہوئے تو غضنفر علی خاں اور بائے بدنصیب بے رحم شیرکوٹ میں گیا ۱۷ ستمبر کو اس ارادے سے کہ وہاں کے ہندو کو قتل کرے۔ شیرکوٹ میں ہندوؤں نے وہاں سے بھاگنا چاہا برہان الدین قاضی شیرکوٹ نے پٹواریوں کو جو قوم کے بنیہ تھے اپنے گھر میں بلا کر اکٹھا کر لیا اس عرصہ میں بہت سے لوگ در دوانہ قاضی جمع ہوئے اور شور وغل برپا ہوا۔ قاضی نے ان سب لوگوں کو جو بتوقع پناہ اس کے گھر میں رہے تھے گھر کے باہر نکال دیا اور اس کے دروازے کے آگے وہ لوگ مارے گئے۔ غرضکہ انتیس آدمی پٹواری اور برہمن اور بھاٹ نہایت ظلم اور قساوت قلبی سے ذبح کئے گئے دو آدمی تو زخمی ہو کر بچ گئے اور انتیس آدمی مارے گئے۔ اس وقت سے مارے حرامزادہ کی بڑی دہشت لوگوں سے علی الخصوص ہندوؤں کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ جدھر

ماڑے کا لشکر جاتا تھا لوگ تھرا جاتے تھے اور کانپ اٹھتے تھے۔

آپس میں باغیوں کے ملک کا تقسیم ہونا

صدا ۱۱۶

ان واقعوں کے بعد ماڑے کو بہت زور ہو گیا اور نا محمود خاں کے خاندان میں در باب تقسیم ملک نزاع ہوا۔ ماڑے نے غضنفر علی خاں کو اپنے ساتھ کر لیا اور اس نے چاہا کہ احمد اللہ خاں کو بالکل بیدخل کیا جاوے کئی دن تک آپس میں رنجش رہی پھر باہم صفائی ہوئی اور تقسیم ملک کی اس طرح قرار پائی کہ نا محمود خاں کو بارہ ہزار روپے مہینہ نقد ملا کرے اور تحصیل نگینہ و دھامپور و چاندپور ماڑے خاں و غضنفر علی خاں کے حصے میں دی جاوے اور تحصیل نجیب آباد و بجنور احمد اللہ خاں کے حصے میں اور آٹھ ہزار روپیہ مہینہ غضنفر علی خاں اور ماڑے خاں۔ نا محمود خاں کو دیں اور چار ہزار روپیہ مہینہ احمد اللہ خاں دے چنانچہ یہ بندوبست چند روز تک قائم رہا۔

(جناب صاحب کمشنر بہادر میرٹھ کا چودھری بدھ سنگھ کو مدد دے کر ضلع کو روانہ کرنا چودھری بدھ سنگھ اور چودھری مہاراج سنگھ جو میرٹھ میں بحضور حکام حاضر تھے انہوں نے بار بار جناب کمشنر بہادر میرٹھ سے عرض کیا تھا کہ اگر تھوڑی سی بھی کمک ہم کو ملے تو ہم پھر نا محمود خاں سے مقابلہ کریں اور اس کو ضلع سے خارج کر دیں اور پھر ہم اپنی برادری کے بہت سے لوگ مقابلہ کو جمع کر لیں گے اگرچہ جناب صاحب کمشنر بہادر کو اس میں تامل تھا مگر بسبب اصرار بار بار عرض کرنے چودھریان کے جناب صاحب کمشنر بہادر نے اس کی کمک تجویز کی اور لالہ گورسہائے ناظم حسین پور پاس جس قدر جمعیت تھی اس کا ساتھ کرنا اور کچھ فوج راؤ گلاب سنگھ رئیس کوچیسر کا کمک کو دینا تجویز کیا اور جملہ رئیسان ضلع بجنور کے نام حکمنامے جاری کئے کہ کوئی شخص نا محمود خاں کی اعانت نہ کرے اگر کرے گا تو مجرم سرکار ہوگا۔ چنانچہ سترویں اکتوبر ۱۸۵۷ء کو یہ سب امور تجویز ہوئے اور حکمنامے بنام ضلع بجنور تحریر ہوئے اور چودھری صاحبان کو میرٹھ سے رخصت کیا۔ نقل اس حکمنامے کی بجنسہٖ اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔

حکمنامہ جناب صاحب کمشنر میرٹھ جو بنام رئیسان بجنور جو در باب اعانت چودھری بدھ سنگھ تحریر ہوا

نقل حکمنامہ جناب اڈوڈ فلپ ولیمس صاحب بہادر صاحب کمشنر میرٹھ بنام جملہ رئیسان ضلع بجنور

چونکہ چودھری بدھ سنگھ تعلقدار ہلدور اور ناظر گور سہائے ناظم حسن پور واسطے
دفیعہ اور اخراج نواب محمود خاں و جلال الدین خاں و عظمت اللہ خاں و احمد اللہ خاں و ص۱۱
شفیع اللہ خاں و ماڑے خاں وغیرہ باغیان کے معہ فوج راؤ گلاب سنگھ رئیس کوٹ بسیر
وغیرہ متعین ہوئے ہیں۔ اس واسطے یہ حکمنامہ بنام تمہارے جاری ہوتا ہے کہ جو کوئی
منجملہ تمہارے یا رشتہ داران جو ملازمان یا باشندگان شہر تمہارے کے باغیان مذکور کو
پناہ یا مدد دے گا یا اس کی نوکری کرے گا وہ مجرم سرکار متصور ہو کر کل جائداد منقولہ و
غیر منقولہ و زمینداری وغیرہ تمہاری ضبط سرکار ہو کر تم کو تدارک سنگین ہوگا اور مسکن تمہارا
مثل باغیان مالاگڈھ اور تھانہ بھون وغیرہ کے کرایا جاوے گا چاہیئے کہ یہ آفت اپنے
اوپر مت لاؤ اور بیوقوف اور جاہل لوگوں کے دھوکے میں مت پڑو کہ اب سرکار کی طرف
سے خواہ مخواہ بر ملا سب کا تدارک ہوگا۔ اپنی عقل کو دخل دو اگر سرکار سے ساری خلقت کے
صاف کرنے کے واسطے تجویز ہوتا تو پھر ملک کے رکھنے سے کیا حاصل تھا۔ جو لوگ اور طرح
سے بیان کرتے ہیں سب جھوٹ اور تمہاری خرابی کے واسطے کہتے ہیں۔ البتہ جو لوگ مفسد
اور سرکش ہیں اور سرکشی کی بناء کے سبب مشہور ہو گئے ہیں ان کا تدارک ہوگا اور باقی جو اور
لوگ سرکار کے خیر خواہ بنے رہے ان کے واسطے سب طرح کے فائدہ ہیں اور ان کے واسطے
بر وقت پہنچنے فوج سرکار کے کسی طرح اندیشہ نہیں اس واسطے تم کو لازم ہے کہ تم مفسدوں
سے بالکل علیحدہ ہو جاؤ ان کو کسی طرح کی مدد نہ دو نہ ان کو پناہ دو اور جو تم ایسا کرو گے تو یہ
خیر خواہی تمہاری ظاہر ہو جاوے گی اور اس وقت تم کو اختیار ہے اور اگر اب تم مفسدوں
کے ساتھ ہو جاؤ گے تو اب فوج سرکاری عنقریب پہونچے گی اور جیسا مفسدوں کا تدارک ہوگا
ایسا ہی تمہارا ہووے گا۔ ۱۷؍ اکتوبر ۱۸۵۷ء۔

چودھری بدھ سنگھ کا دھنورہ میں آنا

ان تحریرات کے بعد دونوں چودھری صاحب گھاٹ گڈھ مکتیشر نگینہ کا اوتر کر اور فوج راؤ گلاب سنگھ رئیس کوٹیسرا اور ناظر کرسہائے ناظم حسن پور کو معہ اس کی جمعیت کے ساتھ لے کر دھنورہ میں پہونچے اور پروانہ جات جناب صاحب کمشنر بہادر موسومہ رئیسان ضلع بجنور چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور پاس پہنچائے کہ جملہ رئیسان مکتوب علیہم کے پاس پہونچا دیں اس زمانہ میں چودھری پرتاب سنگھ کچھ روپیہ نینی تال روانہ کرنے کو تھے چنانچہ انہوں نے چار ہزار روپیہ حسب ذیل تفصیل ۱۹ ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کو ۱۸۵۷ء
روانہ نینی تال کئے۔

چودھری پرتاب سنگھ	۲۰۰۰
امید سنگھ سیتارام چودھریان رتن گڈھ	۲۰۰۰
	۴۰۰۰

اور بعد اس کے اپنے آدمیوں کی معرفت وہ حکمنامجات سب رئیسوں کے پاس روانہ کئے کہ وہ حکمنامے اٹھائیسویں اکتوبر ۱۸۵۷ء لوگوں کے پاس پہونچے اور چودھری پرتاب سنگھ نے سامان رسد واسطے فوج مقیم دھنورہ کے تیار کیا اور اس عرصہ میں ایک توپ برنجی جو انہوں نے بنوائی تھی وہ بھی تیار کر لی۔

چودھری امراؤ سنگھ کا کاشی پور چلا جانا

چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیر کوٹ نے اپنا رہنا بسبب اس ہنگامہ کے شیر کوٹ میں مناسب نہ سمجھا وہ اسی تاریخ شیر کوٹ سے کاشی پور چلے گئے۔

(احمد اللہ خاں اور ماڑے کا واسطے مقابلہ چودھری بدھ سنگھ کے چاندپور میں جمع ہونا ماڑے خان بجرد سننے خبر چڑھائی چودھریان ہلدور معہ لپنے لشکر کے بمقام چاندپور پہنچا اور اس کے بعد شفیع اللہ خاں اور احمد اللہ خاں معہ اپنے لشکر کثیر کے چاندپور میں جمع ہوئے اور اکثر رئیسوں کے نام خط لکھے کہ تم بھی آنکر شامل ہو۔ مگر کوئی شریک نہ ہوا اگرچہ توقع تھی کہ

بہت بڑا مفسدہ ہوگا۔ کیونکہ سب مسلمان ضلع کے یقین جانتے تھے کہ درصورت غلبہ چودھریان کے کوئی دقیقہ زیادتی اور جبر کا باقی نہیں رہے گا کہ ہندوؤں کے ہاتھ سے مسلمانوں پر نہوا ہوگا مگر سب رئیسوں کو حکمنامہ جناب کمشنر بہادر کا بہت خوف تھا۔ اس سبب سے سوائے ملازمین نواب کے کہ تعداد میں آٹھ نو ہزار سے زیادہ ہوں گے اور کوئی شریک نہوا مگر چودھری صاحبوں کی طرف بھی جمعیت کثیر نہونے پائی اس اندیشہ سے کہ اگر نواب غالب آیا تو کوئی ایسا ظلم نہ ہوگا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے ہندوؤں پر نہوگا لہٰذا اگر ناظر گوسہائے حملہ کرتا تو ایک راہ نکل جاتی۔ باغیان ضلع بجنور کو ضلع مراد آباد اور دھنورہ وغیرہ پر حملہ کرنے کو۔ بہر حال جو لام چودھری صاحبوں کا دھنورہ پر بندھا تھا وہ آگے نہ بڑھ سکا بلکہ متفرق ہو گیا اور چودھری صاحبان نے وہاں سے مراجعت کی احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اور ماڑے نے تجویز کی کہ جب تک بنیاد ہلدور باقی ہے یہ فساد بھی قایم ہے اس لئے اس نے چاندپور سے ہلدور پر چڑھائی کی۔

ص ۱۱۹ ہلدور کی تیسری لڑائی اور چودھری رندھیر سنگھ کا گرفتار ہونا

ہلدور میں چودھری رندھیر سنگھ معہ قدرے جمعیت کے موجود تھے۔ جب انہوں نے احمد اللہ خاں کے لشکر کے آنے کی خبر سنی حویلی میں محصور ہو گئے۔ لشکر احمد اللہ خاں نے حویلی کو گھیر لیا طرفین کی طرف سے گولیاں چلتی رہیں اور آدمی بھی مارے گئے آخر کار رات کے وقت چودھری رندھیر سنگھ نے اپنے ساتھ کے آدمیوں کو اجازت دی کہ جس طرح پر چاہیں اپنی جان بچا دیں اور حویلی سے نکل جاویں۔ چنانچہ اکثر آدمی نکل گئے صبح کو تاریخ تیسری نومبر ۱۸۵۷ء احمد اللہ خاں کا لشکر حویلی میں داخل ہوا۔ اور چودھری رندھیر سنگھ کو گرفتار کر لیا۔ رامدیال سنگھ پھوپی زاد بھائی رندھیر سنگھ کا اور اور پانچ چھ آدمی رشتہ مندان کے مارے گئے اور چودھری رندھیر سنگھ کو قید کر کے براہ نگینہ نجیب آباد لے گئے اور ایک مکان میں نظر بند کر دیا جس قدر اسباب ہلدور میں تھا سب لٹ گیا اور مکانات چودھریان ہلدور کے جلا دیئے گئے اور ہلدور ویران محض ہو گئی۔

ماڑے کا تاجپور کا چڑھنا اور چودھری پرتاب سنگھ کا گنگا پار چلا جانا

جب کہ احمد اللہ خاں اور ماڑے چاندپور سے ہلدور کو روانہ ہوتے تھے یعنی دوسری نومبر ۱۸۵۷ء کو اس وقت ماڑے خان نے چودھری پرتاب سنگھ کو خط لکھا کہ میرا لشکر عنقریب تاجپور میں داخل ہوگا رسد تیار کرو اس خط کے ساتھ ہی خبر شکست ہلدور اور گرفتاری چودھری رندھیر سنگھ کی تاجپور میں چودھری پرتاب سنگھ کو پہونچی انہوں نے جانا کہ میرا بھی یہی حال ہونے والا ہے اس لئے تدبیر روانگی کی کر کے پانچویں نومبر ۱۸۵۷ء کو تاجپور سے روانہ ہوئے اور ساتویں تاریخ کو گڈھ مکتیشر میں پہونچے۔ چنانچہ نقل خط ماڑے خاں اس مقام پر لکھی جاتی ہے۔

نقل خط ماڑے بنام چودھری پرتاب سنگھ

نقل خط ماڑے خاں بنام چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور

چودھری صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے برحال نیازمندان چودھری پرتاب سنگھ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بعد سلام شوق اینکہ ارادہ لشکر ایں جانب بطرف تاجپور است کہ آں صاحب تدبیر رسد وغیرہ سازند چناں نشود کہ بہ کسے ہیچ تکلیف مردمان لشکر را شود باقی خیریت است فقط رقیمہ الشوق چودھری امام بخش عرف ماڑے خاں از مقام چاندپور مورخہ دوم ربیع الاول ۱۲۷۴ ہجری۔

مہر امام بخش

باغیان گنگا پار کا بجنور میں آنا

اس ہنگامہ کے بعد محمود خاں اور اس کے ہمراہی سب طرف سے بے فکر ہو گئے اور چودھریوں میں سے کسی کا اندیشہ ان کے دل میں نہ رہا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے گنگا پار کے جو باغی تھے انہوں نے بھی اپنے لئے بجنور سے زیادہ کوئی مامن نہ دیکھا۔ چنانچہ دلیل سنگھ اور قدم سنگھ گوجر اور رضا حسن عرف چھٹن اور عنایت[15] علی خاں قاضی تھانہ بھون معہ اپنے رفیقوں اور ساتھیوں کے اس ضلع میں آئے اس ضلع کے باغیوں نے ان کو امن دیا ان کے سوا مرزا الطاف اور مرزا[14] حاجی اور مرزا مبارک شاہ شاہزادگان مفرور دہلی

اس ضلع میں آئے اور نا محمود خاں اور ماڑے نے اول اول بہت عزت اور توقیر کی۔

باغیان گنگا پار کا اترنا اور چند چوکیات اور تھانہ جات سرکاری کو لوٹنا

ان باغیوں نے اس ضلع میں آن کر زیادہ تر فساد مچایا اور نا محمود خاں اور احمد اللہ خاں اور شفیع اللہ خاں اور ماڑے کو ورغلانا اور گنگا پار اترنے اور ضلع مظفر نگر اور سہارنپور میں فساد مچانے اور غدر ڈالنے پر ترغیب کی۔ یہ جاہل ان کے دام میں آ گئے اور پار اترنے پر مستعد ہو گئے اور کئی دفعہ پار کو اترے اور چند چوکیات سرکاری میں نقصان پہنچایا چنانچہ رضا حسن عرف چھٹن ساکن موضع سرائے ضلع مظفر نگر نے معہ پچاس آدمیوں کے گنگا اتر کر چوکی دھرم پورہ کو پھونک دیا اور چار برقنداز چوکی کے مار ڈالے اور دو گھوڑیاں وہاں سے چھین کر کنج آسکیس میں چلا آیا۔ سردار خاں ساکن علاقہ ٹھاکر دوارہ اور دلیل سنگھ گوجر نے بہت سے گوجر اپنے ساتھ لے کر رات کے وقت سونی کے نانگل سے اترا اور سرکاری پکٹ سے مقابلہ کیا اور کچھ گھوڑے لوٹ لایا انہیں گوجروں اور پار کے باغیوں نے چوکی الہ آباد اور تھانہ بھوکرہیڑی کو راولی کے گھاٹ سے اتر کر لوٹ لیا۔ عنایت اللہ خاں قاضی کھیڑہ مجاہد پور کی چوکی پر اترا اور دو ہندو برقنداز پکڑ لایا ایک کو مار ڈالا اور ایک کو مسلمان کر لیا۔
ص۱۲۱ اس طرح قاضی عنایت علی اور دلیل سنگھ گوجر اور رضا حسن عرف چھٹن دو ضرب توپ اور دو ہزار آدمی کی جمعیت سے میران پور پر اتر آئے اور میران پور کے ساتھ تھانہ کو اور کچھ دکانوں کو لوٹ لیا اور کئی آدمی کو قتل کیا۔ اور نا محمود خان کے نام کی منادی پٹوائی اور پھر بھاگ آیا۔

پہلا ڈاکہ کنکھل کا اور کرانی صاحب برقی تار والہ کا گرفتار ہونا

ان وارداتوں کے بعد باغیوں کو اور زیادہ حوصلہ ہوا اور شفیع اللہ خاں نے رڑکی پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ نجف خاں ساکن نجیب آباد ایک گروہ فوج کا افسر کل مقرر ہوا اور جنگ باز خاں جو سابق میں برقنداز کوتوالی جوالاپور تھا اور پھر کول میں بھی رہا تھا اور کفایت اللہ خاں ساکن نجیب آباد جو پہلے کمپونڈر شفا خانہ رڑکی تھا اور پھر ریڈ صاحب کے

محکمہ میں پندرہ روپیہ کا مشاہرہ کا نوکر تھا اور عمر خاں رسالدار اور علی بہادر خاں افسران ماتحت مقرر ہوئے اور ساتویں جنوری ۱۸۵۸ء کو وہ فوج سوار اور پیادہ کی معہ اپنے افسروں کے پایاب گنگا اتری اور کچھ پیدل میاپور کے ڈرام نہر پر ہو کر اتر آئے اور چوکی میاپور پر حملہ کیا کچھ نفر سواران نہر جو اس چوکی پر متعین تھے ان کے پانچ گھوڑے کھول لئے اور چوکی کا محاصرہ کر کے بارک کو آگ دیدی اور تجمل حسین خاں بیس ساکن منڈاور اور تفضل حسن سوار ساکن منگلور اور نادر علی ساکن منڈاور اور حیدر علی ساکن پور قاضی اور گنپت سنگھ پوربیہ پانچ سواروں کو گرفتار کر لیا اور نبی بخش سوار ساکن روڑکی حکمت عملی سے بھاگ گیا بعد اس کے اور ملازمان سرکاری کی تلاش ہوئی اور میاپور کے گودام سے ایک کرانی صاحب مہتمم تار برقی اور مولا مستری اور ہولاس ٹینڈیل اور پندرہ بیلدار لال ٹوپی والا گرفتار کئے اور کپتان ریڈ صاحب بہادر کے دونوں بنگلوں میں آگ دیدی۔ مولا بخش محرر اور محمد حسن چوکیدار بھی گرفتار ہوئے تھے مگر حکمت عملی سے بھاگ گئے بعد اس کے یہ سب باغی کنکھل میں آئے اور تار برقی پل میاپور سے کنکھل تک توڑ دیا اور کنکھل میں نامحمود خان کے نام کی منادی پٹوائی اور جملہ باشندگان کنکھل کو امن دیا پھر ہردوار میں گئے وہاں بھی نامحمود خان کے نام کی منادی کروائی اور گیارہ بجے دن کے معہ ان لوگوں کے جن کو گرفتار کیا تھا گنگا کے اس وار موضع انجنی میں جہاں ان کی اور فوج تھی چلے گئے۔

حکام انگریزی کا کنکھل پر کوچ کرنا ص۱۲۲

تین بجے دن کے اس واردات کی خبر روڑکی میں اور وہاں سے منگلور میں جہاں کچھ فوج سرکاری مقیم تھی پہونچی رات کو حکام انگریزی اور کچھ فوج نے کوچ کیا صبح ہوتے آٹھویں جنوری ۱۸۵۸ء کو افسران اور فوج مندرجہ حاشیہ بمقام میاپور پہونچی اسی وقت مسٹر ملول صاحب بہادر اور کپتان ڈربنڈ صاحب بہادر کپتان بارگن صاحب بہادر اور ٹامسن صاحب بہادر چار سوار اور خادم علی جمعدار سواران نہر ساکن منڈاور کو ساتھ لے کر کھادر گنگا میں

بارگن صاحب بہادر برگیڈ میجر
کپتان بارگن صاحب بہادر
کپتان ڈرمنڈ صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ نہر
ٹامسن صاحب بہادر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نہر

فلپ صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ نہر	
ملول صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ سہارنپور	
سپاہیان پلٹن سکھ	۱۰۰ نفر
سپاہیان پلٹن گورکھا	۵۰ نفر
سپاہیان پلٹن گورہ	۱۰ نفر
سواران رجمنٹ اول خاکی	۲۵ نفر
توپ	دو ضرب

کنارہ گنگا تک بمقابلہ گھاٹ چانڈی گئے اور اس پار سے ایک فقیر کو بلا کر فوج باغیان کا پوچھا اس نے بیان کیا کہ موضع انجنی میں فوج پڑی ہے چنانچہ اس کو ہمراہ لے کر مقابلہ گھاٹ انجنی جا کر کھڑے ہوئے اور دیکھا کہ کنارے پر باغیان کی فوج پڑی ہے ان لوگوں نے جانا کہ یہ لوگ پار اترنے کا ارادہ کرتے ہیں انہوں نے نقارہ بجایا سب سپاہ پریڈ باندھ کر کھڑی ہوئی اور ہتھیار سنبھالنے لگی یہ صاحب کھڑے دیکھا کئے باغیوں نے اس کنارے سے بندوقوں کی فیر کی سب صاحب کھڑے ہنسا کئے تھوڑی دیر بعد سب صاحبوں نے اپنے خیمہ گاہ پر مراجعت کی تھوڑی راہ طے کی تھی کہ باغیوں نے ایک توپ فائر کی اس کا گولہ ریت میں ان صاحبوں سے تھوڑے فاصلے پر گرا۔

دوسرا ڈاکہ کنکھل کا اور باغیوں کا مارا جانا

۱۰ویں جنوری ۱۸۵۸ء کو بارہ بجے شیو پرشاد نیٹو ایجنٹ نہر نے خبر دی کہ نواب کی فوج پار اتر رہی ہے افسران انگریزی نے بگل تیاری کا کیا اور ڈرمنڈ صاحب بہادر نے ڈرام نہر پر کھڑے ہو کر دوربین سے دیکھا کہ درحقیقت فوج اتر رہی ہے کچھ تو اس پار اتر آئی ہے اور کچھ پایاب پانی میں چلی آتی ہے یہ نادان اس ارادے سے اترے تھے کہ کنکھل میں مقام کریں گے کیوں کہ سب کے ساتھ آٹا اور مختصر برتن اور اوڑھنا بچھونا بھی تھا۔ عہ

کپتان ڈرمنڈ صاحب بہادر نے بمجرد دریافت اس بات کے ڈرام نہر کا کھول دیا اور پانی نہر کا گنگا میں چھوڑ دیا اور فلپ صاحب بہادر کو اس پر متعین کر کے خود کنکھل کو تشریف لائے یہ دانائی اور یہ حکمت کپتان ڈرمنڈ صاحب بہادر کی بہت قابل تحسین ہے درحقیقت اس حکمت سے دشمن کو موت کے چنگل میں پکڑ لیا اور بجائے آب شمشیر موج آب سے ان کا کام تمام کیا۔

یہ فوج باغیوں کی جو اتری ان میں سب کا سردار شفیع اللہ خاں بھانجا محمود خاں کا تھا اور عبدالرحمن خاں اور عبداللہ خاں اور وہ سردار جو پہلے اترے تھے سب شریک تھے اور قریب ہزار آدمیوں کے سوار و پیادہ اور تین ہاتھی جن میں سے ایک پر شفیع اللہ خاں سوار تھا معہ تین ضرب توپ نیل دھارا اتر آئے ان میں سے چار سو ساڑھے چار سو آدمی تخمیناً سوار و پیادہ ڈرام کے پانی کو اتر کر کنکھل میں متصل مقام وجھہ تک آگئے تھے کچھ ڈرام کے پانی میں تھے۔

غرضکہ وہ لوگ کنکھل میں داخل ہونے نہ پائے تھے کہ افسران انگریزی معہ اپنی فوج کے ان کے مقابل ہوئے اور حویلی ایکڑی والہ پر مورچہ توپ قائم کیا۔ باغیوں نے بار بندوقوں اور توپوں کی سرکی جب قریب آئے تو سرکاری فوج نے توپوں کا گراب ان پر مارا بیسیوں آدمی گر پڑے اور مارے گئے باغیوں کا منہ پھر گیا اور بھاگ نکلے سرکاری فوج نے دفعتاً دھاوا کر دیا اور مارے بندوقوں کے جس قدر آدمی کے ڈرام کے پانی کو اتر آئے اور جس قدر کہ پانی کے بیچ میں تھے اور جس قدر کہ اس کنارے ڈرام کے کھڑے تھے سب کو مار دیا۔ اور بیسیوں آدمی ڈرام کے پانی میں جو بسبب چھوٹ جانے آب نہر کے گہرا ہو گیا تھا ڈوب گئے اور مقام وجھہ غنیم سے چھین لیا عین اس معرکہ میں کپتان بارگن صاحب بہادر نے کمال دلاوری سے تنہا اپنا گھوڑا شفیع اللہ خان کے ہاتھی کے پیچھے ڈالا اور بندوق فیر کی کفایت اللہ خاں جو عماری میں بیٹھا تھا اس کو گولی لگی وہ مر کر گر پڑا جب صاحب بہادر نے دوسرا فیر شفیع اللہ
خاں پر کیا اس کی قضا نہ تھی وہ خالی گیا اور شفیع اللہ خاں ہاتھی بھگا کر بھاگ گیا۔ بہت سے ۱۲۷۴
ہتھیار اور گھوڑے سواروں کے جو مارے گئے تھے اور ایک تھیلہ میگزین کا جو ہاتھی پر سے گرا تھا فوج سرکاری کے ہاتھ آیا اور فتح و نصرت نصیب اولیائے دولت سرکار ہوئی اس معرکہ میں چار سو آدمی تخمیناً باغیوں کا مارا گیا حسن رضا خاں جو کنارہ آب ڈرام پر سر ننگے زخمی ہو کر بیٹھ گیا اس کا سر تلوار سے کاٹ لیا۔ سرکاری فوج میں کسی شخص کے پھول کی بھی چوٹ نہیں آئی باقی آدمی باغیوں کے جو کنارہ نیل دھارا پر تھے معہ توپوں کے بھاگ گئے۔ بٹیو پرشاد ڈپٹی ایجنٹ نہر کو بجلدوے اس خبر رسانی کے سو روپیہ انعام ملے۔

اس شکست کے بعد باغیوں میں تزلزل پڑنا اور بعض کا بریلی چلا جانا

جب اس شکست کی خبر نجیب آباد میں پہونچی تمام باغیان فوج میں کھلبلی پڑ گئی اور سب کے ارادے جو پار اترنے کے تھے وہ سست پڑ گئے اور ہر ایک باغی اپنے اپنے پرگنجات کے بندوبست میں جو بروقت تقسیم ملک ان کے حصے میں آئے تھے مصروف ہوئے اور سلاطین دہلی اور تلنگان باغی جو جمع تھے متفرق ہونے لگے اور بریلی کی طرف کسی کسی حیلہ اور بہانہ سے چلے گئے اس وقت احمد اللہ خان نے یہ خیال کیا کہ کسی طرح رعایا اس ضلع کو اپنے شریک کیا جاوے یہ ایک مشہور بات ہے کہ بسبب ضبط ہو جانے اراضیات معافی عہد سرکار میں معافیدار سرکار دولتمدار انگریزی سے آزردہ خاطر ہیں اس امر کو احمد اللہ خاں نے واسطے شریک کرنے رعایا اس ضلع کے بہت اچھا حیلہ سمجھا اور سولہویں جنوری ۱۸۵۸ء کو حکم دیا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ جو معافیات عہد انگریزی میں ضبط ہوئی ہیں واگذاشت کی جاویں اور پروانجات بنام جملہ تحصیلداران کے جاری کئے کہ فہرست ان معافیداروں کی جو عہد انگریزی میں ضبط ہوئی ہیں واسطے گذاشت معافیات کے پیش کریں اور جو پروانجات کہ اس باب میں اس نے جاری کئے ان کی نقل اس مقام پر لکھتے ہیں۔

نقل پروانہ موسومہ تحصیلداران در باب طلب فہرست معافیداران

نقل پروانہ احمد اللہ خان موسومہ جملہ تحصیلداران ضلع جو کہ بعنایت الٰہی یہ ملک بہ قبض و تصرف ہمارے آیا ہے اور فضل الٰہی سے جب تک نسلاً بعد نسلاً یہ ملک ہمارے قبض و تصرف میں رہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو معافیات عہد انگریزی میں ضبط ہو کر جمع مقرر ہو گئی صہ۱۲۵
ہے اولاد وارثان ان کے کو معاف و بحال رکھی جاوے گی اور جمع اراضیات معافیات کی سنہ حال سے نہ لی جاوے کس واسطے کہ یہ غریب دعاگو ہیں اس واسطے حسب الحکم روبکار امروزہ تم کو لکھا جاتا ہے کہ تم جمیع معافیداران کو اطلاع دو کہ ہر ایک معافیدار اپنی عرضی بہ استدعائے معافی اراضی معافی کے بہ قید تعداد اراضی اور جمع اور نام گاؤں کے بحضور این جانب گذرانے کہ بعد تحقیقات وہ اراضی معاف اور واگذاشت کی جاویگی المرقوم ۱۶ جنوری ۱۸۵۸ء

جناب صاحب کلکٹر بہادر کا میرٹھ سے رُوڑکی کو کوچ کرنا

سولھویں فروری ۱۸۵۸ء کو چٹھی صاحب سکرٹری گورنمنٹ مورخہ ۱۰؍ فروری ۱۸۵۸ء نمبر ۵۰۰ بنام صاحب کلکٹر بہادر ضلع بجنور بمقام میرٹھ پہونچی کہ تم معہ عملہ ضلع بجنور بمقام رُوڑکی روانہ ہو اور واسطے انتظام روہیلکھنڈ کے فوج کی لام بندی کا بمقام رُوڑکی حکم ہوا۔ چنانچہ جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیر صاحب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ ضلع بجنور رُوڑکی میں تشریف لائے اور باقی عملہ اور رئیسان ضلع بجنور جو گنگا پار تھے حسب تفصیل ذیل اور بتواریخ مختلف رُوڑکی میں پہونچے۔

سید احمد خاں صدر امین بجنور	۲۱؍ فروری ۱۸۵۸ء
مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ	۲۱؍ فروری ۱۸۵۸ء
کیسری سنگھ مہاجن گنج آسکین	۲۱؍ فروری ۱۸۵۸ء
عملہ کلکٹری و فوجداری	۲۱، ۲۲؍ فروری ۱۸۵۸ء
چودھری بدھو سنگھ و چودھری مہاراج سنگھ رئیسان ہلدور	۲۲؍ فروری ۱۸۵۸ء
گلاب سنگھ زمیندار شیرکوٹ	۲۲؍ فروری ۱۸۵۸ء
امراؤ سنگھ پسر رائے ہمت سنگھ رئیس ساہنپور	۲۲؍ فروری ۱۸۵۸ء
چودھری نین سنگھ رئیس بجنور	۲۳؍ فروری ۱۸۵۸ء
پران سنگھ اور خوشحال چند بشنوئیان نگینہ	۲۳؍ فروری ۱۸۵۸ء
محمد رحمت خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر	۲۴؍ فروری ۱۸۵۸ء ۱۲۶ ص
چودھری پرتاب سنگھ رئیس تاجپور	۲۴؍ فروری ۱۸۵۸ء
چودھری امراؤ سنگھ رئیس شیرکوٹ معہ خوشحال سنگھ	۲۵؍ فروری ۱۸۵۸ء
چودھری جودھا سنگھ رئیس بجنور	۲۶؍ فروری ۱۸۵۸ء
میر قاسم علی تحصیلدار چاندپور	۳؍ مارچ ۱۸۵۸ء

سید تراب علی تحصیلدار بجنور	۱۸؍مارچ ۱۸۵۸ء
پنڈت کالکا پرشاد منصف نگینہ	۲۲؍مارچ ۱۸۵۸ء

نا محمود خاں کا نسبت تقسیم ملک کے نیا انتظام اور ولی عہد کا مقرر کرنا

یہاں تو لام بندی فوج کے واسطے انتظام روہیلکھنڈ کے ہو رہے تھے اور بجنور میں بیوقوف اپنے تئیں مالک ملک کا جان کر تقسیم ملک اور انتظام ولی عہدی میں مصروف تھے جو تقسیم کہ پہلے ہوئی تھی اس کا منشا نا محمود خاں یہ سمجھا تھا کہ تحصیل نگینہ اور دھامپور اور چاندپور کا مالک غضنفر علی خاں اس کا بیٹا رہے گا حالانکہ برخلاف اس کی توقع کے مارے خاں تنہا اس کا مالک ہو گیا اور سب کو بے دخل کر دیا۔ اس سبب سے دوبارہ باہم باغیوں کے نزاع پیدا ہوا اور واسطے رفع اس نزع کے سب لوگ نجیب آباد میں جمع ہوئے اور از سر نو انتظام ملک کا عمل میں آیا اور جو روبکاری اس جدید انتظام کی بابت لکھی گئی اس کی نقل بجنسہ اس مقام پر لکھتے ہیں۔ اگرچہ اس کی روبکاری پر تاریخ نہیں ہے مگر تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بائیں فروری ۱۸۵۸ء کو یہ روبکاری لکھی گئی۔

میر تراب علی کا باغیوں کے ہاتھ سے نگینہ سے نکلنا

اس وقت میں کہ سب باغی آپس کے رفع نزاع میں مشغول تھے سید تراب علی تحصیلدار بجنور جو نگینہ میں باغیوں کے ہاتھ میں پھنس گئے تھے باعانت مولوی محمد علی اور میر اشرف علی رئیسان نگینہ جو انجام تک خیر خواہ سرکار رہے نگینہ سے نکل آئے۔

نقل روبکار تقسیم ملک اور تقرر ولی عہد

روبکار باجلاس امیر الدولہ ضیاء الملک ذو القدر نواب محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ مرقومہ ... چونکہ آج کی تاریخ میں ہم کو انتظام کرنا مالی و ملکی ضلع نجیب آباد کا ساتھ اس وجہ کے پر ضرور ہوا کہ ہم نے اپنی طرف سے جو اختیارات اپنے تھے وہ کل اختیارات برخوردار محمد احمد اللہ خاں کو دیئے تشریح ان اختیارات کی یہ ص۱۲۷
ہے کہ برخوردار مذکور الصدر کو اختیار ہے کہ پیشگاہ اپنے سے احکامات موقوفی وبحالی محکمہ نظامت و فوجداری اور نیز فوج میں اجرا کریں چنانچہ اسی سبب سے خرچ جیب خاص اپنی کا مبلغ آٹھ ہزار روپیہ مقرر

کر لے اور اسی میں خاندان نواب محمد کلو خاں و نواب محمد ملہو خاں مرحوم اور ملازمین بخ بھی آگئے اور جو کہ
برخوردار غضنفر علی خاں کو اولاد اکبر اپنا سمجھ کر ولی عہد گردانا اور ہزار روپیہ مشاہرہ واسطے اصراف
لابدی اس کے مقرر کئے۔ تاحین حیات ہماری اس کو ملکی و مالی یا اجرا احکامات میں کسی طرح
مداخلت نہ ہوگی اور اسی طور سے مشاہرہ اولاد اپنی اور والدہ اور جملہ خاندان نواب محمد سلطان
خاں مرحوم و نواب مرتضیٰ خاں خلف نواب افضل خاں مرحوم مقرر کیا کہ تفصیل اس کی بیچ تحت
روبکار کے مندرج کی جاتی ہے اور سابق میں ہم نے ایک اقرار نامہ کہ جس مضمون کا بتاریخ
انیس شوال ۱۲۷۳ھ درباب اولاد نواب محمد سلطان خاں مرحوم و نواب مرتضیٰ خاں خلف
نواب افضل خاں بہادر مرحوم کے تحریر کیا ہے وہ جائز و برقرار رہے گا اور دو جرنیل فوج کے
یہ تحت برخوردار نورچشم محمد احمد اللہ خاں بہادر کے کئے گئے ایک برخوردار محمد شفیع اللہ خان
بہادر کہ جو فوج ماتحت برخوردار محمد احمد اللہ خاں بہادر کے تھی اور ایک چودھری امام بخش
چنانچہ چودھری امام بخش سے بیچ اس ملک کے بہت کارنمایاں ہوئے ہیں تو اس نظر سے
چودھری مذکور الذکر کو فرزندی اپنی میں لے کر بطور عطیہ جاگیر پرگنہ شیر کوٹ میں انیس ہزار
روپیہ کی نسلاً بعد نسلاً مرحمت کی برخوردار محمد احمد اللہ خاں کو چاہیئے کہ پیشگاہ اپنے سے فہرست
دیہات شیر کوٹ کے تحصیلدار سے طلب کر کے حضور میں بھیج دیں کہ تجویز مناسب عمل میں آ دیگی
سند چودھری مذکور الصدر کو دی جاوے گی اور اگر خواستہ ایزدی ہے بعد انتظام ملک
میان دوآب کے کل پرگنہ شیر کوٹ کا نسلاً بعد نسلا عطا کیا جاوے گا۔ اس میں کچھ شک و شبہ
نہ ہوگا اور مشاہرہ جرنیلی کا کر فوج اس کے پاس ہے اس پر چھ سو روپیہ مقرر کیا اور برخوردار
احمد یار خاں جو سابق سے سپہ سالار مقرر ہیں ہر دو فوج کے سپہ سالار رہیں گے اور سپہ سالار ص۱۲۸
مذکور رتبہ جرنیلی سے زیادہ رکھتے ہیں اور قواعد فوج کا یہ قرار پایا کہ جو جرنیل کہ کمان پر جاوے
ہر روز بطرز روزنامچہ پاس سپہ سالار کے بھیجتے رہیں اور سپہ سالار کو یہ لازم ہے کہ رپورٹ اپنی
بر سبیل اصل عرضی کے معہ مثل خدمت میں برخوردار محمد احمد اللہ خاں کے واسطے صدور حکم آخر
کے بھیجتے رہیں۔ اور جو مقدمات کہ خفیف ہیں اس میں جرنیلوں کو اختیار ہے کہ بعد تصفیہ مقدمہ
کے اطلاع سپہ سالار کو دیا کریں اور سپہ سالار بموجب قاعدہ مذکورہ بالا کے بخدمت برخوردار

موصوف کے مرسل رکھا کریں اور برخوردار مذکور نقشہ ماہواری کا حضور میں بھیجتے رہیں تو اس صورت میں لازم بل الزم یہ امر ہوا کہ برخوردار محمد احمد اللہ خاں اقرار نامہ اس مضمون کا تحریر کر دیں کہ جیسے عہد نواب نجیب الدولہ بہادر مرحوم میں نواب سلطان خان بہادر مرحوم کا تھا اسی طرح سے برخوردار مذکور کار بند رہے اس میں کچھ تجاوز و تفاوت نہ لادیں اور برخوردار مذکور کو مسند نشینی ہماری اور نہ ہماری اولاد سے کچھ دعویٰ نہیں ہوگا تفصیل تنخواہ خاندان وجیب خاص

۱۵۰۲۰

محمد غضنفر علی خاں بہادر ولیعہد	مظفر علی خاں بہادر	والدہ صاحبہ
۱۰۰۰	۵۰۰	۲۰۰
صاحبزادی صاحبہ	بیگم صاحبہ	ہمشیرہ صاحبہ
۱۰۰	۳۰۰	۷۰
نواب جلال الدین خاں بہادر	نواب محمد عظمت اللہ خاں بہادر	احمد اللہ خاں صاحب
۱۰۰۰	۶۰۰	۱۰۰۰
محمد شفیع اللہ خاں صاحب	بوجہ خاندان	بوجہ کار سرکار
۴۰۰	۵۰۰	۵۰
ص۱۲۹ بوجہ خاندان	کام کے	احمد یار خاں صاحب سپہ سالار
۲۰۰	۲۰	۴۰۰
عبدالرحمٰن خاں صاحب	خاندان	کام کے
۲۰۰	۲۰۰	۲۰۰
خاندان	کام کے	مصطفٰے خاں صاحب
۱۵۰	۵۰	۲۰۰
حبیب اللہ خاں بخشی فوج	خاندان	کام کے
۲۰۰	۱۵۰	۵۰

خاندان   کام کے   حفیظ اللہ خاں صاحب

۱۵۰   ۵۰   ۲۰۰

عباد اللہ خاں صاحب   خاندان   کام کے

۲۰۰   ۱۵۰   ۵۰

خاندان   کام کے   عزیز اللہ خاں صاحب

۱۵۰   ۵۰   ۲۰۰

کریم اللہ خاں صاحب   خاندان   کام کے   خاندان   کام کے

۲۰۰   ۱۵۰   ۵۰   ۱۵۰   ۵۰

لہٰذا حکم ہوا کہ

احکامات مندرجہ متن روبکار ہذا حسب ضابطہ بنام تحصیلداران و تھانہ داران ضلع نجیب آباد و بنام سپہ سالار و بنام جرنیل برخوردار محمد شفیع اللہ خاں و بنام جرنیل چودھری امام بخش کے جاری ہوں کہ موافق اس کے کاربند ہوں اور ایک نقل روبکار ہذا پاس برخوردار محمد احمد اللہ خاں بہادر کے بھیجی جاوے کہ حسب منشاء روبکار ہذا کے کاربند ہوویں اور اشتہارات واسطے آگاہی خاص و عام مشتہر کئے جاویں۔

آراضی منضبطہ عہد سرکاری کے معافی کے اشتہارات جو باغیوں نے جاری کئے

جب کہ نامحمود خاں کو فراہمی فوج کی بمقام روڑکی خبر پہنچی تو اس نے یہ بات چاہی کہ
ص۱۳۰ کسی طرح رعایا اس ضلع کو ورغلا کر لڑائی میں اپنے ساتھ شریک کیا جاوے اسی خیال سے اس نے تئیسویں فروری ۱۸۵۸ء کو حکم دیا کہ اراضیات معافی جو سرکار میں ضبط ہوئی ہیں ان کی نصف جمع معاف ہوا اور جو معافی دار کہ ہمارے ساتھ بمقابلہ انگریزان گنگا پار اترے اس کی کل جمع معاف ہو ظاہر ہے کہ اس اشتہار نے ضلع میں کچھ تاثیر نہیں کی کیوں کہ بہت جلد چوتھی مارچ ۱۸۵۸ء کو اس نے دوسرا اشتہار متضمن معاف کرنے کل جمع اراضیات معافی سابق کے جاری کیا مگر ہماری رائے میں اس پر بھی اس ضلع میں سے بجز ان لوگوں کے جو

ملازم نواب تھے اور کوئی سرکار کے مقابلہ پر نہیں آیا بلکہ ملازمین میں سے بھی بہت لوگ جان چھپا کر بھاگ گئے۔ چنانچہ ہم اس مقام پر چوتھی مارچ ۱۸۵۸ء کے اشتہار کو بجنسہٖ نقل کرتے ہیں کہ اس میں پہلے اشتہار کا مضمون بھی بلفظہٖ مندرج ہے۔

نقل اشتہار باغیان درباب معافی

اشتہار کچہری نظامت ضلع نجیب آباد اجلاس محمد احمد اللہ خاں صاحب بہادر واقع چار مارچ ۱۸۵۸ء۔

روبکار مورخہ ۲۳ر فروری ۱۸۵۸ء اجلاس نواب محمد محمود خاں صاحب بہادر بدیں خلاصہ کہ سابق میں واسطہ معافی نصف جمع اراضی ملک معافیات ضلع کے اشتہار عام جاری کیا گیا اور واسطے معافی نصف دیگر کے یہ حکم تھا کہ جو معافی داران شامل قتل کفاران بمقام گنگا پار ہمراہ لشکر کے ہووے گا اور سرکار سے سند حاضری کی اس کو ملے گی بذریعہ اس سند کے مستحق معافی کا ہوگا اور اگر شہید ہو جاوے گا تو وارثان اس کے کو معافی ہوگی اور اب حضور کو نظر رحم اور افلاس معافی داران کے مناسب منصور ہوا کہ معافیات کل معاف کی جاویں اور ایک فہرست جملہ معافیات بقید اراضی معافی اور نام معافی داران ہر ایک تحصیل سے طلب ہووے اور ہر ایک معافی دار سے بقدر حیثیت اس کے اقرار نامہ اس مضمون کا لیا جاوے کہ جس وقت سرکار کو ضرورت ہووے تو ہمراہ لشکر آدمی مسلح واسطہ امداد کے دیا کرے۔ صادر ہوئی لہٰذا یہ اشتہار واسطے آگاہی خاص و عام کے جاری ہوتا ہے کہ جن معافی داران کو دعویٰ معافیات کرلے اپنی معافی کا ہے وہ بمیعاد پندرہ یوم کے سامنے حضور کے جہاں لشکر ہو حاضر ہو کر عرضی اپنی حاضری کی گزرانے اس وقت تحقیقات مراتب مذکورہ کی ہو کر درصورت استحقاق حکم معافی عام کا دیا جاویگا۔

تفصیل باغیوں کی فوج کی بقید مقامات جہاں متعین تھی

ان اشتہاروں کے بعد احمد اللہ خاں اور اس کے صلاح کاروں نے ہر ایک مقام پر

جہاں جہاں سے سرکاری فوج کے اترنے کا احتمال تھا کچھ فوج متعین کی اگرچہ فوج متعینہ کی ایک مقام سے دوسرے مقام پر ادلی بدلی ہوتی رہتی تھی مگر جب فوج سرکاری اس ضلع میں اتری ہے اس وقت جس جس مقام پر جس جس قدر فوج موجود تھی اس کی تفصیل اس مقام پر لکھی جاتی ہے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تفصیل بالکل صحیح اور حقیقی ہے مگر جہاں تک ممکن ہوا ہے تحقیقات کر کے لکھا ہے۔

فہرست فوج باغیان

نام مقام	نام افسران	سپاہ سوار: نام رسالہ داران	سپاہ سوار: تعداد سواران	میزان	سپاہ پیادہ: نام غول	سپاہ پیادہ: تعداد	سپاہ پیادہ: میزان	تعداد توپ
بسونت	احمد اللہ خان	عطار اللہ خان	۵۵		احمد اللہ خاں	۴۰۰		۲
	شفیع اللہ خاں	نیاز اللہ خاں	۷۰		شفیع اللہ خاں	۷۰۰		
		قلندر علی خاں	۴۰		از ہمراہیان ماڑے	۱۰۰		
		شیخ نجف علی	۷۵					
		قادر بیگ	۳۵					
		عمر خاں برادر عمدو خان	۳۲					
		کاظم علی خاں	۳۶					
		شیورام گوجر	۳۱					
		سواران رجمنٹ باغی ہمراہیان قاضی عنایت علی	۸۰					

(نقل مطابق اصل [illegible])

نام مقام	نام افسران	سپاه سوار			سپاه پیاده			تعداد توپ
		نام رساله داران	تعداد سواران	میزان	نام غول	تعداد	میزان	
آئینه سوت		از همراهیان ماڑے	۱۲۰					
		بهارالدین خان	۳۴					
		میزان		۶۰۸			۵۷۰۰	۶
تخته پل	محمود خان	عمدو خان	۱۰۰		اردلی محمود خان	۱۰۰۰		
	مصطفی خان	بجو خان جمعدار						
	حفیظ الله خان							
	کریم الله خان							
	عزیز الله خان							
		میزان		۱۰۰			۱۰۰۰	۱۰

نام مقام	نام افسران	سپاہ سوار: نام رسالہ داران	سپاہ سوار: تعداد سواران	سپاہ سوار: میزان	سپاہ پیادہ: نام غول	سپاہ پیادہ: تعداد	سپاہ پیادہ: میزان	تعداد توپ
نانگل	عظمت اللہ خاں		۵۰			۱۰۰۰		
	کلن خان							
	عبد الرحمٰن خان							
	حبیب اللہ خاں							
	میزان			۵۰			۱۰۰۰	۴
دارانگر	ماڑے خان	سواران رجمنٹ باغی	۶۰		ہمراہیان ماڑے	۴۰۰۰		
	قاضی عنایت علی	ہمراہیان قاضی عنایت علی			ہمراہیان دلیل سنگھ گوجر	۵۰۰		
	دلیل سنگھ گوجر	دیگر ہمراہیان قاضی عنایت علی	۱۵۰					
		سواران ماڑے	۴۰۰					
		گوجر ہمراہیان دلیل سنگھ	۷۰					
	میزان			۶۹۸			۴۵۰۰	۸ معہ جزائیل

نام مقام	نام افسران	نام رسالہ داران	سپاہ سوار تعداد سواران	میزان	سپاہ پیادہ نام غول	تعداد	میزان	تعداد توپ
افضل گڑھ	ننھو خان	نظام علی خان غلام محمد خان عرف گامی خاں نائب	۷۰		ہمراہیان ننھو خان از ہمراہیان مارے	۱۵۰ ۵۰۰		
	میزان			۷۰		۶۵۰	۶۵۰	۲
میزان کل				۱۵۲۶		۱۲۵۵۰	۱۲۵۵۰	۳۰

جنرل جونس صاحب بہادر کا روڑکی میں پہونچنا

یہاں تو نواب نے ہر طرح سے ناکہ بندی کر رکھی تھی اور ادھر سرکاری فوج بمقام روڑکی جمع ہوئی تھی کہ دفعتاً تیرھویں اپریل ۱۸۵۸ء کو جنرل جونس صاحب بہادر اس فوج کے کمانیر مقرر ہو کر روڑکی میں داخل ہوئے اور میجر چپل صاحب بہادر کو حکم دیا کہ کنکھل میں پل جو تیار ہوتا ہے اس کی حفاظت کریں اور میجر اسماعیل صاحب بہادر کو حکم دیا کہ بڑی توپیں اور لڑائی کا سامان نانگل کے گھاٹ کے سامنے لے جا کر غنیم کو اس طرح پر دکھا دیں کہ گویا پایاب پانی میں ہو کر دریا کے پار اترتے ہیں۔

پل کشتیوں کا شیشم والے گھاٹ پر بندھنا اور کچھ فوج سرکار کا پار اترنا اور روڑکی سے لشکر کا کوچ کرنا

چودھویں اپریل ۱۸۵۸ء کو کپتان ڈریلینڈ صاحب بہادر افسر کمان انجنیر اور کپتان براؤ صاحب بہادر انجنیر دو توپیں ہاتھیوں پر رکھ کر معہ ایک کمپنی گورہ اور ایک کمپنی سکھ آٹھ بجے کے قریب موضع کنکھل میں بمقام گھاٹ شیشم والے گنگا پار اتر گئے اور مورچہ لگا دیئے غنیم کی طرف سے کوئی مقابل نہیں ہوا۔ تخمیناً دو سو آدمی جو وہاں متعین تھے وہ بھاگ گئے پندرھویں تاریخ تک پل کشتیوں کا بخوبی تیار ہو گیا اور اسی تاریخ کل لشکر کا روڑکی سے کوچ ہوا اور گنگا کا نالا اتر کر پل کے پاس مقام ہوا اور سولھویں تاریخ کو کل لشکر کا تو وہیں مقام رہا مگر توپخانہ اور ملتانی رسالہ اور کوک صاحب کی پلٹن پار اتر گئی۔

اسی تاریخ میجر اسماعیل صاحب بہادر نے اپنے لشکر کو گنگا کے کنارے پر جھکا کر اسی کنارے سے غنیم کے لشکر پر توپیں ماریں اور ادھر سے بھی توپیں چھٹیں اور پھر اپنی فرودگاہ پر واپس آگئے۔

آنبہ سوت کی لڑائی اور سرکار کی فتح ص۱۳۲

سترھویں تاریخ کو اسی طرح اسماعیل صاحب بہادر نے پھر گنگا کے کنارے پر آن کر توپ چلائی اور اسی تاریخ کو تمام لشکر نے مقام فرودگاہ متصل پل سے حسب انتظام مندرجہ حاشیہ

ہراول

۰۰ پلٹن رفیل کی ایک کمپنی جو محاربۂ متفرقہ کے لئے تجویز ہوئی تھی۔

۰۰ رفیل کی ایک کمپنی جو دو ضرب توپ کی حفاظت کرتی تھی۔

سپراور منیرا ور ایک رسالہ سواران

قلب لشکر۔

ایک رسالہ سواران اور توپ خانہ کپتان آسٹن صاحب بہادر

۰۰ پلٹن رفیل معہ پنجابی پیدل کا رگیڈ اسباب حرب اور خزانہ معہ سواران رسالہ ملتانی

لشکر کا عقب

ایک کمپنی پیادگان پنجابی اور ایک رسالہ سواران لشکر قلب کے دونوں طرف ایک ایک کمپنی پیادگان ہندوستانی اور آدھے آدھی کمپنی سواران متعین تھیں

کوچ کیا۔ اور پل کو اتر کر آنبہ سوت کی طرف چلا یہ رستہ مشکل تھا اور دونوں طرف سڑک کے جنگل ہے بعض جگہ بہت گھنا ہے اور کہیں کم ہے جب کہ کپتان ڈرمنڈ صاحب بہادر نے گنگا کے پار مورچہ لگایا تھا تو احمد اللہ خاں دارانگر میں تھا اس کو خبر پہونچی کہ وہ انگریز اور تھوڑی سی فوج پار اتر آئی ہے اس لئے اس لئے اس نے دارانگر سے آنبہ سوت پر کوچ کیا اور ساڑھے لشکر میں سے ہزار سپاہی اور کچھ سوار اپنے ساتھ لے کر سولھویں تاریخ کو آنبہ سوت پر پہونچا اور سترھویں کو اس نے بھی آنبہ سوت سے گنگا کی طرف کوچ کیا تھا جب ہماری فوج پیلی ندی پر چھ میل راہ چل کر پہونچی تو فوج ہراول کو معلوم ہوا کہ غنیم یہاں موجود ہے۔ میجر منر صاحب بہادر نے کمال دانائی اور چستی سے ایک بلند جگہ پر رفیل پلٹن کی ایک کمپنی متعین کی اور سواران اور توپ خانہ کو آگے بڑھا کر سرحد موضع شام پور قریب اسیا پور کے لڑائی شروع کی اسی وقت جنرل جونس صاحب بہادر نے حکم دیا کہ کپتان کیو رٹین صاحب بہادر کا رسالہ اور کپتان آسٹن صاحب بہادر کا توپ خانہ لشکر کے آگے دوڑایا جاوے اور پیادہ صد۱۲۱
صف باندھ کر غنیم کے قیام گاہ پر بڑھیں۔

جیسا ہم نے اوپر بیان کیا کہ احمد اللہ خاں دارانگر سے خبر سن کر آنبہ سوت پہ آیا در حقیقت اس کا ارادہ چھاپہ مارنے کا تھا لیکن وہ اس ارادے سے ناامید ہوا۔ اور سرکاری توپ خانہ رفیل پلٹن اور ملتانی رسالہ نے غنیم پر ایسی آگ برسائی کہ وہ بالکل

سراسیمہ ہو گئے۔ اس وقت جنرل جونس صاحب بہادر نے دفعتاً سواروں اور توپ خانہ کو آگے بڑھانے کا حکم دیا۔ کپتان کیو رٹین صاحب نے ہر مقام پر غنیم پر یورش کی اور شراپنل کا گولہ برابر غنیم پر پڑنے لگا۔ دشمن بھاگ نکلا اور بجز چند توپوں اور بندوقوں کے فائر کرنے کے اور کچھ نہ ہو سکا آنیہ سوت پر جو بہت مشکل اور مورچہ کے لئے بہت عمدہ جگہ تھی غنیم نے بہت مدت سے یہاں مورچہ درست کیا تھا اس وقت اس کو بھی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ سینکڑوں آدمی جوتیاں اور وردی کے کپڑے اور اپنے ہتھیار پھینک کر بھاگ گئے تمام جنگل اور سڑک پر ہتھیار بکھرے ہوئے تھے اور ہر ہر قدم پر لاش پڑی تھی۔ میں جو لشکر محارب کے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا قصداً لاشوں کو دیکھتا تھا کہ شاید کوئی شناخت میں آوے مگر کوئی نامی آدمی نہیں مارا گیا۔ البتہ دو لاشیں تلنگان نمک حرام کی نظر پڑیں اور میری دانست میں تخمیناً تین سو ساڑھے تین سو آدمی غنیم کا مارا گیا اور سرکار کی طرف بجز ایک آدمی کے اور کسی کا نقصان نہیں ہوا۔ چار توپیں دشمنوں کی اور تمام اسباب میگزین وغیرہ وخیمہ جو آنیہ سوت پر کھڑا ہوا تھا سب چھین لیا مگر دو توپیں غنیم کے آدمی لے کر نجیب آباد بھاگ گئے تھوڑی دیر کے بعد لشکر وہاں سے آگے بڑھا اور بھاگو والہ پر پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں سے آٹھ میل نجیب آباد اور آٹھ میل نانگل تھی۔

بعد شکست کھانے کے احمد اللہ خاں مع چند سواروں کے جدا بھاگا اور شفیع اللہ خاں مع چند سواروں کے جدا بھاگا اور بہت سے سوار اور پیادہ سیدھے نجیب آباد کو بھاگے اور کچھ نانگل کی طرف گئے اور اکثر آدمی جوتیاں اور ہتھیار اور وردی پھینک کر
صلہ جنگل میں چھپ گئے۔ جب اس مقام پر لڑائی ہو رہی تھی اور اس سے تھوڑی دیر پہلے میجر اسماعیل صاحب بہادر نے نانگل کی طرف سے دشمن پر گولے مار رہے تھے۔ جو فوج دشمن کی نانگل پر متعین تھی وہ بھی سراسیمہ ہو گئی تھی اور بہت سے بھاگ نکلے تھے کہ اس عرصہ میں شفیع اللہ خاں بھاگا ہوا نانگل پہونچا اور اس کے تھوڑی دیر بعد احمد اللہ خاں پہونچا اور یہ سب مل کر نجیب آباد آئے اور اسی وقت بھاگنے کی تیاری کی پانچ بجے تک جملہ باغیان نجیب آباد سے بھاگ گئے دو ضرب توپ جو آنیہ سوت سے بھگا کر لا رہے تھے اور چار ضرب توپ

جو نانگل سے بھاگ کر لائے تھے اور ایک ضرب توپ جو خاص نا محمود خاں کی اردلی کی تھی ان توپوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور چودھری رندھیر سنگھ اور کرانی صاحب مہتمم تار برقی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور نجیب آباد کی تمام رعایا شہر سے نکل گئی اور شہر بالکل خالی ہو گیا۔

نانگل کے گھاٹ سے سرکاری فوج کا اترنا

اسی تاریخ جنرل جون صاحب کو خبر پہنچی کہ نانگل سے بھی غنیم اپنے خیموں کو استادہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسی وقت میجر اسماعیل صاحب کو حکم دیا گیا کہ بھاری توپیں اور سامان حرب گنگا کے پار اتاریں۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی اور میجر اسمٰعیل صاحب کا توپ خانہ اور پہلا پنجاب رسالہ معہ بھاری توپوں کے پایاب گنگا اتر آیا اور رات کے وقت میجر ہوس صاحب بہادر نانگل سے اس لشکر میں آئے اور ملاقات کر کے اپنی فرودگاہ کو پھر گئے۔

نجیب آباد پر سرکار کی چڑھائی اور سرکار کی فتح

اٹھارویں تاریخ کو اسی قاعدہ سے لشکر کا کوچ بھاگو والہ سے نجیب آباد ہوا۔ جب لشکر قریب مالن ندی کے پہونچا تو غنیم کی طرف سے تین آواز توپ کی آئی۔ کچھ شک نہیں کہ سوار باغیوں کے بالکل بھاگ گئے تھے اور تمام شہر خالی پڑا تھا مگر کچھ سپاہی پتھر گڈھ کے قلعہ میں تھے۔ جب انہوں نے بھاگنا چاہا تو توپیں چھوڑ دیں تاکہ ان کو بھاگنے کی فرصت ملے۔

جنرل جون صاحب بہادر نے اسی وقت بریگیڈ کوک صاحب کو حکم دیا کہ آگے جاویں چنانچہ صاحب ممدوح آگے بڑھے۔ شہر بالکل خالی پڑا تھا۔ جب قلعہ پتھر گڈھ کی طرف بڑھے تو کچھ لوگ باغی قلعہ میں سے بھاگتے دکھائی دیئے ان کے تعاقب میں سواروں نے گھوڑے ڈالے اور تیس آدمی ان میں کے مارے۔ شہر اور قلعہ بالکل فتح ہو گیا اور سرکار دولتمدار کے قبضہ میں آگیا۔ قلعہ میں چھ ضرب توپ اور گولا اور سامان حرب اور شہر میں سے دو توپیں ایک احمد اللہ خان کے دروازے پر سے اور ایک کارخانے

ہیں سے یہاں توپیں بنی تھیں اور شہر اور قلعہ کے بیچ میں جو میدان ہے وہاں سے سرکار دولتمدار کے ہاتھ آئیں۔ شہر نجیب آباد کا لٹ گیا اور تمام شہر میں آگ لگ گئی۔

شہر نجیب آباد میں آگ کا لگنا

نہایت افسوس ہے کہ ہمارے حکام کو اس طرح سے شہر کا جلانا منظور نہ تھا۔ شاید اتفاقیہ آگ لگی اور بسبب اس کے کہ شہر خالی پڑا تھا اور پانی بھی وہاں بہت کمیاب ہے آگ کے بجھانے کا کچھ علاج نہ ہوا مگر عموماً یہ بات مشہور ہوئی کہ ہندوؤں نے جنکے گھر نواب نے جلا دیے اس وقت کو غنیمت سمجھ کر قصداً تمام شہر میں آگ لگوا دی اور جو رنج کہ ان کے دلوں میں تھا اس کا بدلہ بخوبی نکال لیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ ایسا ہی ہوا ہو۔

قلعہ پتھر گڈھ کا حال

مناسب ہے کہ قلعہ پتھر گڈھ کا بھی کچھ تھوڑا حال لکھوں۔ نجیب خان نے ۱۷۵۵ء میں یہ قلعہ بنایا ۱۷۵۹ء میں نجیب خاں سے اس قلعہ پر لڑائی ہوئی جھنکو راؤ سندھیا اور ملہار راؤ مرہٹہ نے چاندی کے متصل گومکھ گھاٹ سے اتر کر نجیب آباد کو اور اس قلعہ کو لوٹا تھا۔ پھر شاہ عالم کے وقت میں ضابطہ خان پر نواب نجف خان ۱۷۷۲ء اور سندھیا تکوجی مرہٹے نے چڑھائی کی اور پتھر گڈھ پر توپیں ماریں اور لوٹ لیا پھر ۱۷۷۴ء میں شجاع الدولہ نے اس قلعہ پر تسلط کیا۔ پھر ۱۸۰۱ء میں سرکار دولتمدار انگریزی کا اس ملک پر تسلط ہوا۔ پھر ۱۸۰۵ء امیر خان نے اس نواح میں غدر مچایا۔ اب ۱۸۵۷ء میں ان ٹکراموں نے اس خاندان کا نام نشان مٹا دیا۔

جلال الدین خاں اور سعد اللہ خاں کا گرفتار ہونا اور مارا جانا

انیسویں تاریخ کو خبر ملی کہ جلال الدین خاں بھائی محمود خان کا اور سعد اللہ خاں جو پہلے منصف امروہہ تھا کوٹ قادر میں ہیں۔ اسی وقت جناب صاحب کلکٹر اور میجر اسماعیل صاحب بہادر کچھ سوار ساتھ لے کر ان کی گرفتاری کو گئے مگر پہونچنے سے پہلے ان دونوں نے اپنے تئیں ملتانی سواروں کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ دونوں گرفتار آئے اور گوروں کے پہرے میں مقید ہوئے اور بیسویں تاریخ سے ان کا کوٹ شروع ہوا اور بعد ثبوت جرم کے جنرل

جان صاحب بہادر کے حکم سے لنڈپور کے مقام ۲۳ تاریخ کو گولی سے مارے گئے۔

باغیوں کے مکانات حکومت کا اوڑانا

بیسویں اپریل ۱۸۵۸ء کو یہ تجویز ہوئی کہ مکانات نامحمود خاں اور جلال الدین خان جان کی سرداری اور حکومت کے نشان ہیں اُٹھا دیئے جاویں تاکہ سرکاری کمال ناراضی ان پنشن دار نمک حراموں سے ظاہر ہو اور لوگوں کو بخوبی عبرت ہو۔ چنانچہ اسی تاریخ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور دیوان خانہ جو بہت بڑا مکان اور حکومت کی جگہ تھی اٹھا دیا گیا اسی تاریخ یہ تجویز ہوئی کہ ایک کمپنی سکھ اور توپ خانہ اپنی تحت حکومت میجر اسماعیل صاحب بہادر رسالہ اول پنجاب رسالہ تحت حکومت کپتان جوس صاحب بہادر پتھر گڈھ میں رہے اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ انتظام نصف شمالی ضلع کا اپنے ذمے لیں۔ صاحب ممدوح ہمراہ اس فوج کے بمقام نجیب آباد مقیم رہے اور جناب صاحب کلکٹر بہادر نے مجھ صدر امین کو حکم دیا کہ تم بھی جناب صاحب جنٹ مجسٹریٹ بہادر کی خدمت میں حاضر رہ کر ان کی اطاعت میں کام کرو۔ چنانچہ میں نے اس حکم کی تعمیل کی اور صاحب ممدوح کی تابعداری میں حاضر رہا۔

نگینہ پر باغیوں کا جمع ہونا اور رندھیر سنگھ کی رہائی

جب یہ باغی نجیب آباد سے بھاگے ہیں تو نگینہ ہوتے ہوئے دھامپور گئے اور راستہ میں احمد اللہ خان نے چودھری رندھیر سنگھ کو اپنی فوج میں سے چھوڑ دیا اور وہ باعانت زمینداران چوہیج نجیب آباد میں پہونچے اور لشکر میں شامل ہوئے۔ نگینہ والے بھی شہر کو خالی کر کے بھاگ گئے۔ جب حرامزادہ ماڑے نے دارانگر میں خبر سنی کہ فوج سرکاری نجیب آباد میں داخل ہو گئی تو اس نے سرکار کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور دارانگر سے معہ اپنی تمام فوج کے براہ بجنور نگینہ کو آیا اور بجنور میں ہردیال جاٹ کو قتل کیا اور چند ہندوؤں کو گرفتار کر کے نگینہ لے آیا اور نگینہ کے باغوں میں مورچہ قایم کئے اور احمد اللہ خان کو بلانے کو سوار بھیجے اور جتنی فوج کہ متفرق ہو گئی تھی اور جتنے باغی فرار ہو گئے تھے سب کو بلا کر جمع کیا۔ چنانچہ سب باغی یعنی ماڑے خان اور قاضی عنایت علی اور دلیل سنگھ گوجر اور احمد اللہ خاں

صہ ۱۳۴ اور شفیع اللہ خاں اور حبیب اللہ خان اور کلن خان اور نتھوں خاں متعین افضل گڈھ کل اپنی جمعیت اور توپوں کو لے کر بمقام نگینہ جمع ہو گئے۔ مگر نا محمود خاں نگینہ پر نہیں آیا بلکہ سیوہارہ میں جا کر معہ ایک ضرب توپ اور کچھ سواروں کے مقیم ہوا۔ اور بیسویں تاریخ رات کے وقت جناب صاحب کلکٹر بہادر کو بذریعہ مخبروں کے جو جناب ممدوح نے مقرر کر رکھے تھے مفصل خبر غنیم کے ہر ایک مورچہ اور توپوں کی تعداد کی نجیب آباد میں پہونچی اور میر اشرف علی ساکن نگینہ نے جو لواح نگینہ میں موجود تھا اور سرکار کے خیر خواہوں میں ہے مفصل حالت کی عرضی بحضور جناب صاحب کلکٹر بہادر روانہ کی غرض کہ جملہ حالات نگینہ کے بخوبی بمقام نجیب آباد دریافت ہو گئے۔

نگینہ کی لڑائی اور سرکار کی فتح

اکیسویں تاریخ کو فوج کا نجیب آباد سے نگینہ کو کوچ ہوا اسی ترتیب سے ہراول اور قلب اور عقب اور یمین و یسار لشکر کا روانہ ہوا جس وقت کہ لشکر نہر کے پل پر پہونچا جہاں سے نگینہ تین میل رہتا ہے جوانان سیپر منیر نے فی الفور پل پر درختوں کی ٹہنیاں کاٹ کر ڈالیں اور توپ خانہ اسپی اور رفل کی پلٹن پل پر سے اتر گئی۔ اس وقت غنیم کے سوار دکھائی دیئے فی الفور چھ رسالہ ڈرگون اور دو ضرب توپ اور جوانان محاربہ متفرق دائیں ہاتھ کی طرف متعین ہوئے اور سواران ملتانی بائیں ہاتھ پر اور توپ خانہ محاصرہ آگے بڑھایا گیا۔ باغیوں کی طرف سے گولہ چلنا شروع ہوا سرکار کی طرف سے توپ سر ہوئی اور ۷ رفل کی پلٹن اور پہلی پلٹن پنجابی آگے بڑھی اور ۷ پلٹن اس کی تائید میں رہی پلٹن پیادگان سکھ نے آگے بڑھ کر باڑ ماری غنیم سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلا۔ داہنی طرف سے سرکاری فوج نے بڑھنا شروع کیا اور کپتان کیوڈبین صاحب بہادر نے ملتانی رسالہ کے سوار ساتھ لے کر بائیں طرف کو رخ کیا غنیم کی فوج بے اختیار بھاگی جاتی تھی اور صدہا آدمی مارے جاتے تھے تمام مورچہ دشمن کے سرکار کے قبضہ میں آ گئے ۱ پلٹن رفل اور پہلی پلٹن پنجابی نے یورش کر کے پانچ توپیں غنیم کی ایک مورچہ پر سے چھین لیں اور کپتان سٹ صاحب بہادر نے بجمعیت جوانان کا رینیر یورش کر کے فوج غنیم کے بائیں طرف سے دو توپیں اور دو جزائیل چھین لیں اور ایک

توپ ماڑے کے مکان میں سے سرکار کے قبضہ میں آئی۔

جس فوج نے دائیں طرف سے غنیم پر یورش کی تھی اور باغی بھاگے جاتے تھے اس وقت ص۱۲۸
سرکاری فوج متصل پکے باغ کے جو بائیں کے نام سے مشہور ہے پہنچی اس باغ میں کچھ لوگ مسلح شہر سے بھاگ کر آن چھپے تھے اور کچھ باغی بھی بھاگتے وقت گھس گئے تھے منجملہ ان کے عنایت رسول جو نامی باغی اور مشہور حرامزادہ تھا معہ جان محمد اپنے غلام کے اس باغ میں گھس گیا تھا جب سرکاری فوج کے چند سوار اس باغ کے قریب پہونچے تو اس نے یا اس کے نوکر نے ان سواروں پر بندوق فیر کی اس وقت یقین ہوا کہ اس باغ میں باغی چھپے ہوئے ہیں سرکاری فوج نے اس باغ میں جاکر قریب پچاس ساٹھ آدمی کے قتل کیا اور ساٹھ ستر آدمیوں کو زندہ پکڑ کر گولیوں سے مار دیا۔ عنایت رسول معہ اپنے نوکر کے مارا گیا۔ اور اکثر آدمی قاضی محلہ کے جو اس باغ میں چھپے ہوئے تھے وہ بھی مارے گئے۔ اور جس قدر عورتیں اس باغ میں سے نکلیں ان سے کسی نے کچھ مزاحمت نہ کی۔

تار برقی والہ صاحب کا زندہ ملنا

کپتان کیوڑین صاحب بہادر نے جو ملتان رجمنٹ کے سوار لے کر بائیں طرف سے گئے تھے چار میل تک باغیوں کا تعاقب کیا۔ موضع میجھڑہ کے نیچے دھامپور کی سڑک پر چار توپ اور چھ ہاتھی غنیم کے چھین لئے اور جس قدر لوگ ہاتھیوں پر سوار تھے سب کو قتل کیا۔ اور گرانی صاحب مہتمم تار برقی جو نامحمود خاں کی قید میں تھا منجملہ انھیں ہاتھیوں کے ایک ہاتھی پر سوار تھے۔ کپتان صاحب صحیح و سلامت اس کو لشکر میں لے آئے جس روز نگینہ میں لڑائی ہوئی ہے اس روز باغیوں کو سرکاری فوج آنے کا یقین تھا اس لئے دیال سنگھ گوجر باغی معہ ایک توپ اور سو سواروں کے رسد لینے کو بڈھاپور گیا تھا اور وہاں کے مہاجنوں کو لوٹ کر نگینہ پھرا آتا تھا۔ اس عرصہ میں غنیم کی شکست ہو چکی تھی جب دیال سنگھ موضع شریعت الملک پور عرف قاضی والہ کے پاس پہونچا چند سرکاری سواروں نے اس کا تعاقب کیا اور توپ اس سے چھین لی اور سب سواروں کو معہ دیال سنگھ کے بھگا دیا۔ اس لڑائی میں ۵ توپیں اور کل میگزین سرکار کے قبضہ میں آئیں اور ایک توپ جس کو باغیوں نے نیا بنایا

صـ ۱۳۹ تھا اور چھوٹنے کے وقت پھٹ گئی تھی میدان میں سے ٹوٹی پڑی پائی۔

جناب کپتان ہاوس صاحب بہادر کا بڈھا پور جانا اور سعد اللہ خاں کو مارنا

جس وقت نگینہ پر لڑائی شروع ہونے کو تھی نجیب آباد میں میجر ہوس صاحب بہادر نے اپنے رجمنٹ کے سوار ساتھ لے کر بڈھ پورہ کو کوچ کیا تھا اس ارادہ سے کہ باغی اس طرف سے بھاگنے نہ پائیں افسوس ہے کہ صاحب کے پہونچنے سے بہت پہلے دلیل سنگھ بڈھ پور سے پھر چکا تھا میجر صاحب نے بڈھ پورہ کے جنگل میں تلاش کیا تو سعد اللہ خاں سابق تھانہ دار نگینہ جو باغیوں کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ پولس تھا جنگل میں بھاگتا ہوا ملا اور اسی جگہ معہ ایک اور سوار کے مارا گیا۔

شہر نگینہ کا انتظام

یہ مجرد فتح ہونے نگینہ کے جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر اور جناب اندرسین صاحب بہادر برگیڈ میجر معہ سپاہیان پلٹن خاکی کے شہر نگینہ میں تشریف لے گئے اور سید تراب علی تحصیلدار کو واسطے انتظام شہر کے اپنے ساتھ لیا اور شہر کی ناکہ بندی کر کے جیسا کہ چاہیئے انتظام شہر کا فرمایا اور تین سو آدمی شہر میں سے گرفتار کیئے ان میں سے چون آدمی اسی وقت مارے گئے اور باغیوں نے اسی وقت رہائی پائی۔ اسی وقت جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر نے مولوی محمد علی رئیس نگینہ کو جو خیر خواہ سرکار تھے تلاش کر کے بلایا اور اپنے لشکر میں رہنے کا حکم دیا اور جہاں تک ممکن ہوا ان کے گھر کو بھی لٹنے سے بچایا باقی تمام شہر نگینہ کا شام تک لٹتا رہا اس لڑائی میں سرکار کی جانب سے بہت کم نقصان ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ لفٹنٹ کاسٹلنگ صاحب بہادر اس معرکہ میں بہت دلاوری سے کام آئے۔

رات کے وقت جناب صاحب کلکٹر مجسٹریٹ بہادر نے مولوی قادر علی تحصیلدار نگینہ کو بدستور نگینہ کی تحصیلداری پر مامور کیا اور سید تراب علی تحصیلدار بجنور کو حکم دیا کہ تم نگینہ میں ٹھیرو اور تمام تحصیل و تھانجات متعلقہ تحصیل نگینہ کا انتظام کرو اور جس قدر کہ آدمی

مناسب سمجھو نوکر رکھ لو۔ چنانچہ سید تراب علی نے بخوبی انتظام کیا جس سے حکام بخوبی راضی رہے۔

دھامپور کو لشکر کا کوچ

صبح بائیسویں تاریخ کو لشکر نے نگینہ سے کوچ کیا اور دھامپور پہونچکر مقام ہوا ایک توپ جو نامحمود خاں کے ساتھ سیوہارہ کی طرف گئی تھی اور وہاں سے بھاگتے وقت رستہ میں رہ گئی تھی اس کی اطلاع زمینداران موضع گنگا دھرپور پرگنہ سیوہارہ نے چودھری پرتاپ سنگھ کو دی انہوں نے اپنے آدمی متعین کرکے اس توپ کو منگالیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جملہ باغی اس ضلع سے بھاگ گئے اور مراد آباد کی طرف چلے گئے۔ چونکہ مراد آباد میں فیروز شاہ آگیا تھا اس لئے تمام لشکر نے ۲۳ تاریخ کو مراد آباد کی طرف کوچ کیا۔

کل لشکر کا مراد آباد کو کوچ ہونا اور جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیر صاحب بہادر کا تمام ضلع کا انتظام اپنے ذمہ لینا

جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیر صاحب بہادر نے بمقام نندپور تمام ضلع کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا اور لشکر سے جدا ہو گئے۔ جنرل جون صاحب بہادر نے ہمارے جناب صاحب کلکٹر بہادر کی کمال احسان مندی ظاہر کی کہ آپ نے ہم کو بخوبی مدد دی اور بسبب واقفیت ضلع کے خبروں کے پہونچانے اور رسد کے تیار کرنے میں بلاناغہ اپنے کمال کوشش کی اور اسی وقت جنرل جون صاحب بہادر نے فوج مقیم میران پور کو جو مقابلہ گھاٹ دارانگر پایاب کی حفاظت کرتی تھی حکم دیا کہ دریا کو عبور کرکے بجنور میں داخل ہوں۔

چنانچہ چھبیسویں تاریخ کو اس فوج نے عبور کیا۔

جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیر صاحب بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کا معہ توپہائے غنیمت نگینہ بفتح و فیروزی بجنور میں داخل ہونا

جناب صاحب کلکٹر بہادر نے جس قدر توپیں فتح نگینہ میں ہاتھ آئیں تھیں جنرل جون صاحب

سے لے لیں اور باوجود یکہ اسی وقت سب فوج کا کوچ مراد آباد کی طرف ہو گیا مگر صاحب ممدوح نے بہ کمال دانائی دلاوری سب توپوں کو اپنی حفاظت میں لے کر چھبیسویں جون کو بجنور میں داخل ہوئے۔ جس انتظام سے توپیں آئیں تھیں ہر شخص اس کو دیکھ کر تعجب کرتا تھا۔

جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر جنٹ مجسٹریٹ نے اسی قلیل عرصہ میں نجیب آباد اور کرتپور اور منڈاور وغیرہ کا بخوبی انتظام کیا اور تھانہ اور تحصیل اور چوکیات بٹھا کر اسی تاریخ بجنور میں تشریف لائے اور میں بھی ہمرکاب صاحب ممدوح بجنور میں پہونچا اور چھبیسویں تاریخ سے کچہری صدر امینی کی کھول دی۔

چھبیسویں تاریخ کو فوج مقیم میران پور اور کپتان سمیج صاحب بہادر اور سواران رسالہ پولیس اور اٹھائیسویں تاریخ کو میجر ہوس صاحب بہادر اور میجر اسمٰعیل صاحب بہادر معہ چار ضرب توپ بجنور میں داخل ہوئے۔

ضلع میں اس قدر جلد انتظام ہونا نادرات سے ہے

اپریل کا مہینہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ جناب مسٹر الگزنڈر شکسپیر صاحب بہادر اور جناب مسٹر جارج پامر صاحب بہادر کی حسن تدبیر اور سعی کوشش سے تمام ضلع میں امن ہو گیا۔ تمام ص۱۲۱
ضلع میں تھانجات اور چوکیات اور تحصیلیں قایم ہو گئیں اور ہر ایک جگہ زر مالگذاری سرکاری تحصیل ہونا شروع ہو گیا یہ وقت بہت نازک تھا کہ رعایا کی تسلی اور باغیوں کی سزادہی دونوں ساتھ ہوتی تھیں یہ دونوں کام ایسے شائستہ تدبیروں سے انجام پائے کہ ہر ایک کے دلوں پر حکومت اور قوت سرکار کی دہشت ہر وقت بڑھتی گئی اور اسی کے ساتھ رعایا تسلی و دلاسا پاتی گئی خیال کرنا چاہیئے کہ یہ ضلع بالکل ملا ہوا ہے پہاڑ اور بہت بڑے بڑے جنگلوں سے جبکہ سرکار کی بخوبی عملداری تھی جب بھی اکثر ڈاکو اس میں رہتے تھے اب کہ کثرت باغیان کی اس ضلع میں تھی ایسا خیال میں گذرتا تھا کہ اس ضلع سے بہت لوگ جو جنگل سے واقف ہیں جنگل میں چلے جاوینگے اور نئے سرے سے ایک جماعت ڈاکوؤں کی پیدا ہو جاوے گی۔ صرف ان دونوں حاکموں کی حسن تدبیر تھی کہ ان خرابیوں میں سے کوئی بھی ہونے نہ پائی اور جس قدر کہ آدمی جنگل میں چلے گئے تھے سب جنگل سے نکل کر اپنے اپنے مکانوں میں آ گئے اور اپریل کا مہینہ گذرنے سے

پہلے جنگل کی راہیں سب صاف ہوگئیں اور کوٹ دوار اور لال ڈھانگ کی منڈیوں میں بخوبی تجارت جاری ہوگئی ایسا جلد ضلع کا انتظام ہونا نادرات اور بہت بڑا اثر ان دونوں صاحبوں کی تدبیر کا ہے اب مناسب ہے کہ میں بھی اپنی کتاب کو ان دونوں باانصاف اور مدبر حاکموں کی دعائے ترقی عمر و دولت اور اقبال پر ختم کروں۔ ؎

دولت و فتح و ظفر اقبال و جاہ و منزلت

در تضاعف باد دایم ختم کردم بر دعا

خاتمہ [۱۸]

جو امر کہ دنیا میں پیش آوے آدمی کو لازم ہے کہ اس پر غور کرے اور اس مآل نتیجہ سوچے اور اس سے ایک نصیحت کی بات سمجھ لے یہ ہنگامہ فساد جو پیش آیا صرف ہندوستانیوں کی ناشکری کا وبال تھا اس زمانے کے بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ سرکار دولتمدار انگریزی ہی کی عملداری میں پیدا ہوئے اور بہت سے ایسے ہیں کہ انہوں نے سرکار ہی کی عملداری میں ہوش سنبھالا ہے غرضکہ ہندوستانیوں نے آنکھ جو کھولی تو سرکار ہی کی عملداریوں کو دیکھا اور کوئی عملداری نہیں دیکھی۔ تاریخ دیکھنے کا اور کتابوں سے پچھلے حالات دریافت کرکے عبرت پکڑنے کا ہندوستان میں مطلق رواج نہیں رہا اس سبب سے تم لوگ نہیں جانتے تھے کہ پچھلی عملداریوں میں کیا کیا ظلم اور کیا کیا زیادتیاں ہوتی آئی ہیں کوئی شخص کیا امیر کیا غریب چین سے نہیں رہتا تھا اگر تم پچھلی عملداریوں کے ظلم و زیادتیوں سے واقف ہوتے تو سرکار انگلیشیہ کی عملداری کی قدر جانتے اور خدا کا شکر ادا کرتے مگر تم نے کبھی خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور ہمیشہ ناشکری کرتے رہے اس لئے خدا نے اس ناشکری کا وبال تم ہندوستانیوں پر ڈالا اور چند روز سرکار دولتمدار انگلش کی عملداری کو معطل کرکے پچھلی عملداریوں کا نمونہ دکھلا یا اے باشندگان ضلع بجنور تم خیال کرو کہ اس ضلع میں تین حالتیں گذر گئیں چند روز تعطل عملداری رہا کہ کسی کی عملداری کو زور و طاقت نہ تھی اس زمانہ میں خیال کرو کہ باہم رعایا نے کس قدر اپنے ہمجنسوں پر ظلم اور

---

[۱۸] سر سید احمد خاں کے مسودہ میں یہ خاتمہ شامل نہیں ہے (مرتب)

زیادتی کی ہزاروں گھر لوٹ لئے اور بیسیوں گاؤں جلا دیئے سینکڑوں آدمی مارے گئے ہزاروں آدمی لٹ کر فقیر ہو گئے کسی کا مقدور نہ تھا کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک بے خطر رستہ چل سکے۔ پھر مسلمانوں نے اول اور آخر اس ضلع میں زور پکڑا اور جو بہت بڑے موروثی نواب کہلاتے تھے اور گویا انہیں کے بزرگوں نے اس ضلع کو بسایا تھا انہوں نے عملداری کی ان کا عملداری کا مزہ دیکھ لیا کہ کس قدر ہندو اس ضلع کے تباہ اور برباد اور قتل اور غارت ہوئے بڑے بڑے رئیس اس ضلع کے تباہ و برباد ہو کر جلا وطن ہو گئے بیسیوں ہندو بے گناہ پکڑے گئے اور مارے گئے اور مال اسباب گھر سب لٹ گئے۔ مسلمانوں کو جو اس وقت میں ان نوابوں کے ہاتھ سے نقصان نہیں پہونچا یہ بات بھی ایک مصلحت کی تھی کہ وہ بد ذات جانتے تھے کہ کسی طرح مسلمان ہمارے برخلاف نہ ہو جاویں اگر خدانخواستہ ان کو حکومت کو ذرا بھی پائیداری ہو جاتی تو تم لوگ مسلمان بھی دیکھ لیتے کہ انہیں تمہارے ہم مذہب لوگوں سے تم پر کیا کیا زیادتیاں اور کیا کیا ظلم ہوتے ان نوابوں کی عملداری کے درمیان میں چند روز ہندوؤں کا غلبہ اور زور ہو گیا اور چودھریوں نے اس ضلع میں ان دنوں حکومت کر لی تم نے ہندوؤں کی حکومت کا مزہ چکھ لیا کہ ان کے ہاتھ سے مسلمانوں پر کیا کیا گذرا اور کتنے گھر لٹے اور کتنے گاؤں مسلمانوں کے جلے اور جورو بیٹی تک کی بے عزتی ہوئی تم سچ بتاؤ کہ سرکار انگلشیہ نے چون برس اس ضلع میں عملداری کی کسی شخص ہندو مسلمان نے کسی قسم کی تکلیف اور ایذا پائی پھر تم یہ خیال نہ کرو کہ ان ہی ایام غدر میں ہندوستانیوں کی حکومت نے یہ آفتیں تم پر ڈالی تھیں اگلے بڑے بڑے بادشاہوں کی عملداریوں کا حال تاریخ کی کتابوں سے دیکھو کہ ان منتظم عملداریوں میں کیا کیا ظلم اور کیا کیا آفتیں رعایا پر رہتی تھیں۔ یہ آرام جو سرکار دولتمدار کی عملداری میں تھا اس کا لاکھواں حصہ بھی نصیب نہ تھا۔ دیکھو سرکار انگلشیہ کی عملداری میں ہندو مسلمان سب امن اور آسائش سے رہتے تھے کوئی زیردست پہ ظلم نہیں کر سکتا۔ ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے موافق خدا کی یاد پرمیشور کی پرستش میں مصروف ہے کوئی کسی سے معترض نہیں ہندو اپنے مذہب کے موافق شیوالے بناتے ہیں اور پوجا کرتے ہیں مسلمان اپنے مذہب کے موافق مسجدیں بناتے ہیں اور اذانیں دیتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں کوئی روکنے والا اور منع کرنے والا

نہیں سوداگر اپنے تجارت کے کام میں مشغول ہیں لاکھوں روپیہ کا مال ایک بڈھے ضعیف گماشتہ کے ساتھ کرکر ہزاروں کوس بھیجتے ہیں اور نفع اٹھاتے ہیں کسی ڈاکو ٹھگ کا اندیشہ نہیں رہا رستے کیسے صاف ہیں کہ رات کو عورتیں ہزاروں روپیہ کا زیور پہنے گاڑی میں بیٹھ منزلوں چلی جاتی ہیں اور کچھ کھٹکا نہیں ہوتا۔ زمیندار کاشتکار اپنی کھیتی کے کام میں مشغول ہیں جو مالگذاری کا ان سے ٹھہر گیا اس سے زیادہ حبہ بھی کوئی نہیں لیتا غرض کہ یہ انصاف اور یہ آسائش اور یہ آزادی اور عدم مزاحمت ہر کسی کے حال اور قال اور مذہب اور ملت سے جیسا کہ ہماری سرکار انگلشیہ کے عہد میں ہے کسی کے عہد میں نہیں۔ جب تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا شکر ادا نہیں کیا اس کا وبال تم پر پڑا اور چند روز تغیر عملداری کرکے تم کو مزہ چکھا دیا۔ حکمت الٰہی اس میں یہ بھی کہ اب تم ہماری سرکار انگلشیہ کی عملداری کی قدر جانو اور اس کے سایہ حمایت کو اپنے سر پر ظل ہما سے بہتر سمجھو خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ صد ۱۴۸

ہندوستان میں اکثر یہ طریق رہا ہے جب کوئی زبردست کسی ملک پر قابض ہوا تو رعایا نے اس کی اطاعت قبول کی اور سب لوگ اس کے ساتھی ہو گئے جب وہ چلا گیا اور دوسرا آیا پھر اس کے مطیع ہو گئے۔ سمجھو اس بات کو کہ یہ امر سرکار دولتمدار انگلشیہ کی عملداری کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا اگلی ہندوستانی عملداریوں میں رعایا کو آزادی حاصل نہیں تھی ہر طرح پر حاکم وقت کے ظلم و زیادتی اور بے جا حکومت میں دبے رہتے تھے۔ تمام مالی اسباب رعایا کا درحقیقت ان ظالموں کا تھا کہ جس کا چاہتے تھے ضبط کر لیتے تھے اور جس سے چاہتے تھے تقصیر بے تقصیر ڈانڈ لیتے تھے ایسی عملداری کا کچھ حق رعایا پر نہیں ہوتا برخلاف ہماری سرکار انگلشیہ کی عملداری کے کہ اس میں عام رعایا کو آزادی حاصل ہے ہر شخص اپنی چیز کا آپ مالک ہے وہ جو چاہتا ہے سو کر لیتا ہے۔ سرکار دولتمدار انگلشیہ جس طرح اپنا حق محفوظ رکھتی ہے اسی طرح حقوق رعایا کی بھی حفاظت کرتی ہے اگر ایک ادنیٰ چمار سرکار کی رعیت کا یہ جانتا ہے کہ ایک پیسہ بھی بیراسر کار نے ناحق لے لیا ہے تو اس کی نالش خود سرکار پر کرکر اپنا انصاف پا سکتا ہے گویا اس عملداری میں رعایا اور حکام سب شریک ہیں اس قسم کی عملداری کا حق ایک رعایا پر ہوتا ہے جس کا ادا کرنا ہر ایک رعیت پر واجب ہے اور وہ حق یہ ہے کہ ایسی عملداری کی رعایا کو طرفداری اپنے گورنمنٹ

کی واجب اور لازم ہوتی ہے اور نہ کرنے کی صورت میں مجرم اور قصوروار ہوتا ہے۔ پس اس نازک وقت میں سب ہندوستان کی رعایا کو واجب تھا کہ سرکار انگلشیہ کی طرفداری کرتی اور جو حق عملداری سرکار کا ان کے ذمہ تھا اس کو ادا کرتے اور طرفداری کے یہ معنی ہیں کہ جہاں تک ہو سکتا سرکار کی امداد و اعانت کرتے اور مخالفین سرکار کو مدد نہ دیتے اور یہ تمام رعایا ہندوستان کی ایک بہت اچھی کمک ہوتی جو ہر جگہ مخالفین سرکار کے دفعیہ کو مستعد رہتی تاکہ سرکار زیادہ تر رعایا کے حال پر متوجہ ہو کہ ہندوستان کی رعایا کو اس سے بھی زیادہ آزادی اور عزت دیتی جیسا کہ گورنمنٹ کی خوبی رعیت پروری اور انصاف گستری ہے ایسا ہی رعایا کا ایمان اپنے گورنمنٹ کی طرفداری ہے۔ ہم لوگ اس سے غافل رہے بلکہ اس کے برعکس کیا اور تمام اپنے ہموطنوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا۔ ہے کاش! اگر تم ایسا کرتے تو یہ روز بد جو تمکو بسزائے تمہارے اعمال کے نصیب ہوا ہے کیوں ہوتا اب بھی تم کو چاہیئے کہ حق گورنمنٹ ادا کرو اور جو روسیاہی تم کو گورنمنٹ سے حاصل ہوئی ہے اس کو آب زلال اطاعت اور فرمانبرداری اور دلی طرفداری گورنمنٹ سے دھو تاکہ نتیجہ نیک پاؤ۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش   در نوشت است پند بر دیوار

اعلان

واضح ہو کہ بعض اس خیرخواہی کے کہ جو اس ہنگامہ میں ان تین ملازمان سرکار دولتمدار سے ظہور میں آئی سرکار دولتمدار نے بموجب رپورٹ جناب مسٹر الگزنڈر شیکسپیر صاحب بہادر دام اقبالہ مورخہ پانچویں جون ۱۸۵۸ء نمبر ۵۶ و تیئسویں جون ۱۸۵۸ء نمبر ۵۷ اور رپورٹ جناب صاحب کمشنر بہادر روہیلکھنڈ دام اقبالہ مورخہ یکم جولائی ۱۸۵۸ء اور رپورٹ حکام عالی مقام صدر دیوانی عدالت مورخہ انیسویں جون ۱۸۵۸ء نمبر ۳۱۷ اور حکم گورنمنٹ مورخہ بارھویں جولائی ۱۸۵۸ء نمبر ۳۲۷۹ سید احمد خاں صدر امین بجنور کو عہدہ صدر الصدور مراد آباد پر مقرر فرمایا اور علاوہ اس کے دو سو روپیہ ماہواری پنشن حین حیات ان کے اور ان کے بڑے بیٹے کے مقرر فرمائے اور محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر بجنور کو دیہات زمینداری متصل خورجہ ضلع بلند شہر میں جس کی جمع مالگذاری پانچ ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہ ہو مرحمت

ہونے تجویز فرمائے اور میر تراب علی تحصیلدار کو اوپر عہدہ فائزہ ڈپٹی کلکٹر مجسٹریٹی کے ممتاز فرمایا اور دیہات زمینداری ضلع آگرہ میں جس کی جمع مالگذاری ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہ ہو مرحمت ہونے تجویز فرمائے چنانچہ اس کی منظوری بموجب چٹھی صاحب سکریٹری گورنمنٹ مورخہ انتیسویں جولائی ۱۸۵۹ء نمبر ۲۷۰۳ آگئی اب دیکھو ہمارے قدردان گورنمنٹ کی قدردانی کو کہ جن لوگوں نے اس ہنگامہ میں اپنے خیرخواہی ظاہر کی کس قدر ان کی قدر و منزلت بڑھائی۔

ضمیمہ الف

۱- محمد علی خاں افضل گڑھیہ کاشی پور سے پکڑا گیا۔

۲- محمد عمر خاں افضل گڑھیہ سابق میں ضلع حصار میں تحصیلدار تھا۔

۳- محمد حسین خان افضل گڑھیہ اول رسالدار ہوا پھر مختار ہو کر بریلی خان بہادر کے پاس گیا۔

۴- محمد حسن خان افضل گڑھیہ ڈپٹی کلکٹر سرسہ

۵- مظفر خان افضل گڑھیہ اول تھانیدار ناگل ہوا پھر کوتوال نجیب آباد تھا۔

۶- عطا خاں افضل گڑھیہ جمعدار اردلی محمود خاں۔

۷- عنایت اللہ افضل گڑھیہ جمع خرچ پولیس

۸- نیاز اللہ خاں افضل گڑھیہ۔

۹- اکبر علی خان افضل گڑھیہ۔

۱۰- دختر شاہ ولی خان زوجہ احمد اللہ خان۔

۱۱- احمد یار خاں عرف کلن خان سپہ سالار۔

۱۲- عبدالرحمٰن خان مصاحب۔

۱۳- مصطفٰے خاں افسر پلٹن بعدہٗ مصاحب۔

۱۴- دختر محب اللہ خاں زوجہ شاہ ولی خاں۔

۱۵- نیاز اللہ خاں تحصیلدار ضلع ہمیر پور۔

۱۶- سیف اللہ خاں ڈپٹی ایجنٹ متعینہ راج بھرت پور

۱۷- عباد اللہ خان قبل غدر پیشکار کاشی پور بعد باغیان کے اول تحصیلدار نگینہ بعدہٗ مصاحب۔

۱۸- عظمت اللہ خاں قبل غدر منصف ٹھاکر دوارہ بعدہٗ پیش دست محمود خاں۔

۱۹- دختر عظمت اللہ خاں زوجہ حبیب اللہ خاں بخشی۔

۲۰- دختر عظمت اللہ خاں زوجہ اسمٰعیل خاں منصف سہارن پور۔

۲۱- احمد اللہ خاں قبل غدر تحصیلدار نجیب آباد، نواب باغی کی طرف سے اول ڈپٹی کلکٹر اور اس کے مختار کل۔

۲۲- شفیع اللہ خاں بعدہٗ باغیان اول تحصیلدار نجیب آباد بعدہٗ جرنیل فوج۔

۲۳- عزیز اللہ خاں مصاحب۔

۲۴- دختر احمد اللہ خاں زوجہ حفیظ اللہ خاں۔

۲۵- حبیب اللہ خاں داماد عظمت اللہ خاں باغیان کی طرف سے بخشی فوج۔

۲۶- کریم اللہ خاں قبل غدر پیشکار دھام پور بعد اس کے اول تحصیلدار دھام پور پھر مصاحب۔

۲۷- حفیظ اللہ خاں داماد احمد اللہ خاں مصاحب محمود خاں۔

۲۸- شفاعت علی خاں عرف جیون علی خاں مصاحب۔

۲۹- محمد خاں۔

۳۰- ثابت علی خاں پیشکار دھام پور۔

۳۱- ولایت علی خاں۔

۳۲- عنایت علی خاں قیدی جیل خانہ مراد آباد۔

۳۳- مہدی علی خاں صغر سن۔

۳۴- پسر ثابت علی خاں صغر سن

۳۵- نا محمود خاں باغی مطلق۔

۳۶- غضنفر علی خاں ولی عہد باغی۔

۳۷- معظم علی خاں پسر نا محمود خاں باغی۔

۳۸- دختر محمود خاں۔

۳۹- جلال الدین خاں برادر محمود خاں باغی۔

۴۰- زوجہ جلال الدین خاں۔

۴۱- زوجہ علاء الدین خاں پسر امین الدین خان

۴۲۔ سید بیگم زوجہ عظمت اللہ خاں دختر ببمبو خاں۔

۴۳۔ فیض بیگم زوجہ سعد اللہ خاں دختر ببمبو خاں۔

۴۴۔ اسحاق خاں پسر سعد اللہ خاں۔

۴۵۔ سعد اللہ متبنّٰی زوجہ غلام قادر خاں سابق منصف امروہہ شریک جلال الدین خاں۔

۴۶۔ اسمٰعیل خاں پسر سعد اللہ خاں منصف سہارنپور۔

حواشی و تعلیقات

۱۔ نواب محمود خاں

نواب محمود خاں، امیر الامراء نواب نجیب کے پرپوتے تھے۔ اُن کے والد نواب معین الدین خان اپنے بھائی غلام قادر خاں کی شہادت کے بعد پنجاب کی طرف چلے گئے تھے۔ دہلی پر ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے قبضہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد انگریزی سرکار کی طرف سے بلا لیے گئے اور پانچ ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی اور دہلی میں قیام کی اجازت ملی۔ ۱۸۱۲ء میں ان کو نجیب آباد میں قیام کرنے کی اجازت دے دی گئی۔[۱]

محمود خاں نے اپنے آبائی وطن نجیب آباد میں ایک عالی شان حویلی تعمیر کی اور اس کا "مبارک محل" نام رکھا۔ اس عمارت کے متعلق مصنف نجیب التواریخ نے لکھا ہے۔

> رقم نے قبل از غدر جبکہ مری عمر ۱۶ برس کی تھی سیر قلعہ اور جناب باغ کی کی تھی اور جس احاطہ میں تحصیل نجیب آباد اور تھانہ پولس واقع ہے، وہ محل سرائے نواب کی تھی۔ دروازہ نہایت عجیب اور باشوکت تھا، باغ میں ایک مکان مچھی بھون تھا۔ ایام گرما میں اس کی چھت سے باریک بوندیاں مینہ کی سی برسائی جاتی تھیں۔[۲]

نواب محمود خاں مبارک محل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد نے ان کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا۔ جب سن شعور کو پہنچے تو انہوں نے اپنے علاقہ کا انتظام ان کے سپرد کیا۔ نواب

---

[۱] نجیب التواریخ قلمی نسخہ۔ صـ ۱۶

[۲] نجیب التواریخ، قلمی نسخہ۔ صـ ۱۷

معین الدین خان کے انتقال کے بعد ان کو ایک ہزار روپیہ ماہوار پنشن بھی ملنے لگی۔ ان کے سوتیلے بھائی، جلال الدین خاں تھے۔ ان سے اور محمود خان سے ترکہ کے سلسلہ میں سخت اختلافات ہو گئے، لیکن کچھ عرصہ بعد جائداد دونوں فریقین میں تقسیم ہو گئی۔

نواب محمود خاں بے حد فیاض اور سخی تھے، داد و دہش کے باعث ہمیشہ مقروض رہتے یہاں تک کہ ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں اپنی جائداد نواب محمد سعید خان بہادر والی رام پور کے پاس رہن کر دی۔ نواب محمود خاں نہایت خوش طبع، یار باش اور مہمان نواز تھے۔ سپاہیانہ مزاج رکھتے تھے شکار کا بہت شوق تھا اکثر وقت اسی شغل میں بسر ہوتا۔"[1]

گولی کا نشانہ خوب لگاتے انگریز حکام اور مرزا شاہ رخ، شاہزادہ دہلی ان کے شکار کے ساتھی تھے۔ راجہ ہندوراؤ بھی شکار کی غرض سے ان کے یہاں آتا تھا۔"[2]

انقلاب ۱۸۵۷ء نواب محمود خان نے بجنور کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ نواب شجاع اللہ خان اپنے روزنامچہ (تالیف ۱۸۶۹ء) میں لکھتے ہیں :-

"کلکٹر نے سو آدمی نواب محمود خان سے طلب کئے اور نواب سے کہا کہ ہم بسبب ہنگامہ پر دانہ حل کے یہاں سے میرٹھ جاتے ہیں اور ضلع کا بندوبست بوجہ قدیم رئیس ہونے کے تمہارے سپرد کیا جاتا ہے انتظام ضلع کرو۔"

اور شجاع اللہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

"سید احمد خان آئے اور محمود خان سے کہا کہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ ڈپٹی رحمت خاں، چودھریان ہندوان کو ضلع سپرد کرائے دیتے تھے لیکن

---

[1] نجیب التواریخ صفحہ ٢٦٩۔

[2] نواب محمود خاں سے مرزا شاہ رخ کے گہرے تعلقات تھے ان کا ارادہ دلی جانے کا ہوا بہادر شاہ کے روزنامچے میں ہے کہ، ایک رقعہ صاحب کلان بہادر کے نام اس مضمون کا لکھا گیا کہ محمد محمود خاں ابن نواب میو خاں نجیب آبادی ہم سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں شاہزادہ شاہرخ بہادر سے کہدیا کہ یہ راسخ الخیال اور بہمہ وجوہ ہیں ان کو آنے جانے کی اجازت دیدیں ۱۲ دسمبر ۱۸۴۳ء بہادر شاہ کا روزنامچہ صفحہ ۳

میں نے کوشش کر کے آپ کے سپرد کرا دیا اور بلا شرکت آپ کو رئیس کرا دیا۔[۱]

۸ر جون ۱۸۵۷ء کو نواب نے اپنی امارت کا اعلان کیا اور انتظام شروع کر دیا ۱۲ر جولائی کو محمود خان کے ہاتھ ایک عرضداشت دہلی روانہ کی شاہ دہلی ابو ظفر بہادر شاہ نے امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر مظفر جنگ کا خطاب مرحمت کیا۔[۲]

انقلابیوں کی شکست کے نتیجہ میں بعض دوسرے رہنمایان تحریک کی طرح محمود خان پر بھی مقدمہ چلایا گیا۔ حبس دوام کی سزا کا حکم سنایا گیا، لیکن انڈمان نہ بھیجے گئے اور قید فرنگ میں قید ہستی سے آزاد ہو گئے۔[۳]

نواب احمد اللہ خاں

نواب احمد اللہ خاں نواب محمود خان کے بھانجے تھے[۵]

احمد اللہ خاں نجیب آباد کے تحصیلدار تھے۔ ۱۸۵۷ء میں محمود خان کے معین و مددگار رہے اپنی کارکردگی سے نواب موصوف کے دار المہام اور مختار کل عہدے پر سرفراز کئے گئے[۶]۔

۱۔ روزنامچہ عہد نواب شجاع اللہ خاں ۶۹ء اس کا قلم مخطوطہ علیگڑھ لائبریری میں موجود ہے۔

۲۔ عروج عہد انگلشیہ از مولوی ذکاء اللہ)

۳۔ گزیٹر آف بجنور از نیول ص ۲۱۲

۴۔ گزیٹر آف بجنور جلد ۱۴ ایچ ار نیول صفحہ ۲۰۸

۵۔ فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش جلد ۵ ص ۲۴۹

۶۔ علماء کا شاندار ماضی ۱/۴ ص ۳۳۴

امیرالامرا نواب نجیب الدولہ

نجیب خان ابن سردار اصالت خان ابن ملک عنایت خاں، عمر خیل قبیلہ سے تھے۔
یہ قبیلہ روہیلوں میں باعتبار بزرگی و شرافت ممتاز تھا۔ اصالت خاں قبیلہ کا سردار تھا اور اس کے بھائی بشارت خان گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ وہ عہد فرخ سیر میں بسلسلہ تجارت ہندپاکستان کے۔ یہاں کٹھیر میں روہیلوں نے اپنی ریاست قائم کرلی تھی۔ اسی علاقہ میں بشارت خان نے بلاس پور پر قبضہ کرلیا اور اس کا نام اپنے نام پر بشارت نگر رکھا۔

نجیب خان ۱۱۱۹ھ میں اپنے وطن میں پیدا ہوئے تیئیس سال کی عمر میں بشارت خاں کے ہمراہ وہ ہندوستان آئے بشارت خاں مذکور کی ایک لڑکی نواب علی محمد خاں کو بیاہی تھی[۱]۔ دوسری دختر نجیب خاں سے منسوب ہوئی۔ ان کے بیٹے نواب ضابطہ خاں کو نواب علی محمد خاں کی دختر منسوب تھیں جن کے بطن سے نواب غلام قادر خاں روہیلہ تھے[۱]۔

نجیب خان کو نواب علی محمد خاں نے آنولہ بلا کر کچھ سواروں کی سرداری پر فائز کردیا تھا۔

مرد صاحب جوہر بود اگرچہ ناخواندہ مطلق لاکن عقل بسیار و اقبال داشت[۲]

نواب علی محمد خاں کو شاہ دہلی نے سرہند کی صوبہ داری عطا کی۔ اس پر نجیب خاں کی جانبازی سے قبضہ ہوا، نواب نے اس کے معاملہ میں ان کا عہدہ بڑھا دیا[۳]
نواب ضابطہ خاں کی والدہ کا ۱۱۶۱ھ میں انتقال ہوگیا تو۔ نواب دوندے خاں رئیس

---

[۱] تاریخ خورشید جاہی ص ۱۸۸

[۲] احوال نجیب خاں نجیب الدولہ بہادر از سید نورالدین حسین خاں بہادر (قلمی) ۲۶ الف

[۳] سرگذشت نجیب الدولہ نواب عبدالسلام خاں قلمی۔

بسولی نے اپنی دختر دُر بیگم سے نجیب خان کی شادی کر دی اور ۱۴ محال ضلع بجنور کے نواب علی محمد خاں سے دلوائے، اور اپنی فوج کا ان کو رسالدار کر دیا[۱] اور دارانگر کی تحصیل ان کے سپرد کی جس کو تھوڑے عرصہ میں نجیب خان نے ایک آباد قصبہ بنا دیا اور ایک درس گاہ بھی قائم کی جہاں علمائے فرنگی محل درس وتدریس کے لئے مقرر کئے گئے۔[۲]

شاہ دہلی احمد شاہ اور اس کے وزیر صفدر جنگ میں جب اختلافات پیدا ہوئے تو موخر الذکر وزارت سے معزول کئے گئے انہوں نے سورج مل جاٹ اور صوبہ باونی کے فوجدار اندرگشائیں کو اپنا معاون ومددگار بنا کر دلی کو اپنی افواج سے محصور کر لیا۔ اور نوابان روہیلکھنڈ کو بھی اس فوجی مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ احمد شاہ نے بھی ان امرا کو طلب کیا، دوندے خان اور حافظ الملک حافظ رحمت خاں وزیر کی اعانت کے لئے مشورہ کر رہے تھے، نجیب خاں اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا بلکہ یہ فیصلہ کیا کہ مغل بادشاہ کا ساتھ دیا جائے اور ایک ہزار سوار پیادہ ہمراہ لے کر دلی روانہ ہوئے۔ راہ میں خانماں برباد لوگ ان کے ہمراہ ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ دہلی پہنچنے پر ان کے ساتھ تقریباً بیس ہزار کا مجمع تھا۔[۳]

دلی سے دو میل کھنڈر پر صفدر جنگ نے مورچہ لگا رکھے تھے۔ نجیب خاں نے اس کی فوج پر حملہ کیا اور شکست فاش دی۔ سورج مل شکست کھا کر بھرت پور کی طرف بھاگ گیا۔ اور گسائیں، مارا گیا۔ آخر ش صفدر جنگ نے بادشاہ سے معافی حاصل کر لی اور اودھ کی صوبے داری پر چلا گیا۔

بادشاہ نے ان کو نجیب الدولہ کا خطاب دیا اور نوبت ونقارہ مع خلعت اور نوابی کا علم عطا کیا اور بخشی کے منصب پر فائز کیا۔ سہارنپور کی جاگیر بھی عطا ہوئی۔ یہ وطن

---

[۱] نواب نجیب الدولہ اور جنگ پانی پت ص۲۶

[۲] درس نظامیہ اور فرنگی محل (مقالات شبلی)

[۳] نجیب الدولہ مولانا اکبر شاہ خان در عبرت ۱۹۱۶ء

لوٹا۔ جیت سنگھ نے جو فساد مچا رکھا تھا اس کا استیصال کیا اور مظفر نگر قبضہ میں لائے۔ ۱۷۵۱ء میں تالس ندی کے کنارے اپنے نام سے نجیب آباد شہر آباد کیا۔

نجیب الدولہ کا عظیم ترین کارنامہ یہ تھا کہ اسی کی کوشش کے نتیجہ میں شاہ ابدالی کی سرکردگی میں مسلم سرداروں نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دی۔ نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ دہلوی کا معتقد تھا اور ان ہی کے فیض کا اثر تھا کہ اس نے مرہٹوں کے مقابلہ کا بیڑا اٹھایا۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اس سلسلہ میں شاہ ابدالی کو خط لکھ کر آمادہ کیا کہ وہ اس وقت مسلمانوں کی سلطنت کی حفاظت اسی طریقہ سے کر سکتے ہیں۔ نجیب الدولہ نے یہ خدمت انجام دی کہ ایک طرف تو شاہ ابدالی کو سرداری قبول کرنے پر راضی کیا اور دوسری طرف مسلم حکمرانوں اور سرداروں کو یک جہتی کی ترغیب دی۔ نواب شجاع الدولہ والی اودھ کو تیار کرنے کے لئے وہ خود اس کے دربار میں آیا اور بہت کوشش کے بعد اس کو تیار کیا کہ اپنی فوج لے کر پانی پت آئے جس طرح نجیب الدولہ نے مسلمانوں کو یکجا کر کے مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی تھی، اسی طرح میدان جنگ میں اس نے اور دوسرے روہیلہ سرداروں نے غیر معمولی بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

پانی پت کی تیسری لڑائی برصغیر ہند پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے، مرہٹوں نے ایک زبردست فوج تیار کی تھی جس کی تعداد کم و بیش تین لاکھ تھی اور ان کا مصمم ارادہ تھا کہ مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کر کے برصغیر میں ہندو حکومت قائم کریں۔ اگر ان کا یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو شاید مغلیہ حکومت کی عمر سو سال کم ہو جاتی اور مسلمانوں کے انحطاط کی رفتار تیز تر ہو جاتی، اس نکتہ کو شاہ ولی اللہ نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا چنانچہ انہوں نے نجیب الدولہ اور دوسرے مسلم رہنماؤں کو جہاد کے لئے تیار کیا اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے زوال کو کم از کم ایک مدت تک کے لئے روک دیا۔ پانی پت کے بعد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کو امیر الامرائی کے عہدہ پر قائم رکھتے ہوئے حکومت کا انتظام بڑی حد تک اسی کو سپرد کر دیا۔ دس سال تک نجیب الدولہ نے عہد انحطاط میں نہایت بہادری اور دور اندیشی کے ساتھ سلطنت کا انتظام کیا۔ اس دور میں اس کا قابل ذکر کارنامہ جاٹوں کی قوت کو ختم کرنا تھا۔ گویا کہ مغلیہ سلطنت اور اسلامی معاشرہ کی تین مخالف

قوتوں یعنی مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں میں سے دو کو اس قدر کمزور کردیا کہ وہ ایک مدت تک دوبارہ سر نہ اٹھا سکے۔ لیکن یہ امر قابل افسوس ہے کہ نجیب الدولہ کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی ۱۷۷۰ء میں اس نے وفات پائی۔

ہمارے مورخین نے نجیب الدولہ کی شخصیت اور کارناموں کی صحیح تصویر پیش نہیں کی ہے، وہ اٹھارھویں صدی کے نصف آخر کے قابل ترین سیاست دانوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے۔

نواب دوندے خاں

دوندے خان ابن حسن خاں یوسف زئی، حافظ الملک حافظ رحمت خاں والی روہیلکھنڈ کے چچازاد بھائی اور نواب نجیب الدولہ کے خُسر تھے۔ ۱۷۵۴ء میں تحصیل بسولی کا علاقہ ان کی جاگیر میں آیا۔ جنگ پانی پت میں بھی وہ شریک تھے۔ شاہ ابدالی نے عزت الدولہ، دلاور الملک، بہرام جنگ کے خطاب سے سرفرازی بخشی، خلعت و اسپُ نوبت و علم اور ضلع شکوہ آباد بطور جاگیر عطا کئے۔ ۱۷۷۰ء میں بسولی میں ان کا انتقال ہوا۔

نواب دوندے خان، ضلع مراد آباد کے مشہور چشتی، صابری بزرگ سید شاہ عبدالہادیؒ صاحب سے عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ صاحب نے دوندے خان کو نصیحت کی تھی کہ وہ کوشش کرکے شاہ عالم ثانی کو جو الہ آباد میں انگریزوں کے زیر اثر تھے، اپنی معیت میں دہلی پہنچائیں، لیکن دوندے خان کا جلد ہی انتقال ہوگیا اور بالآخر شاہ عالم مرہٹوں کی مدد سے دہلی آئے۔ شاہ صاحب کی تجویز نہایت صحیح اور اہم تھی، حقیقتاً وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مغل بادشاہ کسی صورت سے مرہٹوں کے زیر اثر آجائے، لیکن بدقسمتی سے آخر کار یہی ہوا۔ سندھیہ اپنے ہمراہ شاہ عالم کو دہلی لایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ اور اس کا دربار اس کے زیر اثر آگیا۔

نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ

نواب نجیب الدولہ کے بعد ضابطہ خان دلی میں اپنے باپ کے فرائض منصبی ادا کرنے لگا۔[1] سندھیہ کا قلعہ پر قبضہ ہوا تو ضابطہ خان (١٧٧٠) اپنی بادلی محال نجیب گڈھ کو چلا گیا[2] جب شاہ عالم نے ضابطہ خاں کو طلب کر کے حکم دیا کہ اپنے باپ کی جائداد کا حق جانشینی اور عہدہ کے مروجہ ٹیکس ادا کرے اور صرف خاص کی ان آراضیات کا جو نجیب الدولہ کے پاس عرصہ دراز تک رہیں حساب پیش کرے، یہ اطلاع پاکر اسنے قاصد کو لوٹا دیا اس پر شاہی فوج کا ایک حصہ بہ سرکردگی نجف خاں ایرانی جو وزیر اور سپہ سالار فوج شاہ عالم تھے معہ ڈکوجی ہلکر مہاداجی سندھیا اور ویساجی کرشنا سرداران مرہٹہ، ضابطہ خان پر حملہ آور ہوئے یہ فوج ضابطہ خاں کے علاقہ میں داخل ہو گئی اس فوج کی روانگی کے گیارہ دن بعد شاہ عالم ثانی بھی دہلی سے روانہ ہوا ضابطہ خاں نے اہل خاندان و خزانہ سکھر گڈھ کے قلعہ میں بھیج دیا۔ اور خود ایک فوج روہیلوں کی ہمراہ لے کر مقابلہ کے لیئے آیا۔ ٢٣ر فروری ١٧٧٢ء کو بمقام سکرتال فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں نواب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ شمال میں پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے میدان چھوڑنے پر شاہی فوج نے سکھر گڈھ پر چڑھائی کی۔ ١٦ر مارچ ١٧٧٢ء کو قلعہ خالی کر دیا گیا۔ مرہٹوں نے نجیب الدولہ کی قبر کے تعویز کو مٹا دیا اور ضابطہ خان کا خزانہ قبضہ میں کر لیا، اور نواب کے افراد خاندان مرد اور عورتیں اور ان کے خردسال لڑکے غلام قادر کو گرفتار کیا۔ آخر میں شجاع الدولہ کی سفارش پر یہ رہا ہوئے۔

١٧٧٤ء کی جنگ روہیلہ میں ضابطہ خاں، شجاع الدولہ نواب اودھ کے ساتھ تھا بعد میں نجف خان نے پھر بادشاہ کو راضی کر کے ضابطہ خان کے خلاف جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ٢٨ر اپریل ١٧٧٧ء کو شاہ عالم مرہٹوں کی کثیر فوج لے کر ضابطہ خاں کی آخری جائے پناہ

---

[1] تاریخِ ہندوستان ذکاء اللہ جلد نہم و دہم صہ ٣١٩

[2] ایضاً صہ ٣٢٠

غوث گڑھ پر حملہ آور ہوا قلعہ فتح ہوا ضابطہ خان جان بچانے کی خاطر سکھوں کے علاقہ کی طرف چلا گیا۔ عورتیں اور بچے بھی گرفتار کر لے گئے اور آگرہ کے قلعہ میں بھیج دیئے گئے۔ غلام قادر کو بادشاہ نے لال قلعہ میں اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ کچھ عرصہ بعد شاہی حکومت کو جاٹ اور راج پوتوں سے مقابلہ کرنا پڑا تو ضابطہ خان سے معاملہ کیا اور ساتوں محال معہ قلعہ غوث گڑھ اس کو واپس کر دیئے گئے۔ اپنے علاقہ میں آ کر کچھ عرصہ رہا تھا کہ پیام موت آ گیا۔ ۱۳ر جنوری ۱۷۸۵ء کو اس کی وفات واقع ہوئی۔ ضابطہ خان حضرت شاہ فخر الدینؒ کا معتقد تھا۔

"او در حسن اعتقاد مرشے بود بے نظیر و در سعادت ازلی یکتائے روزگار بود۔

عظمت اللہ خاں

بڑے بہادر اور نامور فرد تھے ٹھاکردوارہ ضلع مراد آباد میں عہدہ منصفی پر سرفراز تھے ان میں بھی روہیلہ خون تھا یہ بھی جنگ آزادی میں شریک ہوئے اور نواب محمود خاں کے ہمنوا ہو گئے نواب نے ان کو اپنا نائب مقرر کیا۔

نواب خاں بہادر خاں

نواب خاں بہادر خاں ابن ذوالفقار خاں ابن حافظ رحمت خاں ۱۲۰۸ھ میں پیدا ہوئے علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد انگریزی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ بریلی میں صدر الصدور کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ پھر پنشن لی مذہب کے بڑے پابند تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جب بریلی میں ہنگامہ شروع ہوا تو انگریز حکام شہر کا انتظام خان بہادر خان کے سپرد کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ پیش کش منظور نہ کی مگر انگریز نینی تال بھاگ گئے تو معززین شہر میں سے سید میاں جان، سید فیض اللہ (فیض علی) میراں جان سادات نو محلہ معہ ۱۰-۱۵ نفوس کے ان سے ملے اور ان کو کہا کہ شہر کا انتظام ہاتھ میں لیجیے مگر یہ اب بھی تیار نہ تھے۔ یہاں تک کہ جنرل بخت خاں اور دوسرے افسروں نے متفق ہو کر روہیلکھنڈ کا نواب ان کو منتخب کیا،

بہادر شاہ نے انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر خاں ہزبر جنگ کے خطابات عطا کئے۔ خان بہادر خان نے نظم و نسق مندرجہ ذیل افسروں کو سپرد کیا۔

سوبھا رام دیوان، نیاز محمد خان، جنرل فوج، مدار علی خان سپہ سالار، موسیٰ خاں افسر کمپو، عبدالرحمن خاں افسر کمپو، منشی فرحت اللہ بخشی فوج، اکبر علی خان کوتوال شہر، نظام علی خاں نظامت شاہ جہاں پور، فتح علی شاہ نظامت بدایوں، خان بہادر خاں نے ایک سال حکومت کی۔ جنگ آزادی میں متعدد لڑائیوں میں حصہ لیا اور کارہائے نمایاں انجام دیئے ۱۸۵۹ء میں کوہستان نیپال کے دامن کی جنگ میں گھوڑے سے اتفاقیہ گر پڑے اور گرفتار ہو گئے مقدمہ چلا سزا پھانسی کی سزا دی گئی ڈسٹرکٹ جیل بریلی میں دفن کئے گئے[1]

ماڑے خاں

ماڑے خاں کا اصل نام امام بخش تھا۔ شیرکوٹ کے رہنے والے تھے ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، نہایت بہادر اور شجاع تھے، جماعتی نظم و نسق کا اچھا سلیقہ رکھتے تھے انگریزوں کا اقتدار اس کے علاقہ سے اٹھ گیا تو قصبہ کے سربرآوردہ لوگوں نے اس کی حفاظت ان کے ذمہ کی۔ امام بخش نے رضاکاروں کا دستہ تیار کیا جس نے چند روز میں ایک فوج کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ نہ صرف قصبہ شیرکوٹ میں بلکہ پورے ضلع میں ان کے تہور اور شجاعت کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان کے مفصل حالات قلمی مولانا وحید الدین قاسمی شیرکوٹی کے پاس محفوظ ہیں[2]

---

[1] حیات حافظ رحمت خان ص ۳۶۴ گزیٹیر اور میلسن ۱۹۱ - ۱۹۲ - غدر کے علما ص ۱۳۶
ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علما ص ۲۷ فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش ص ۱۸۳
۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۷۷ علما کا شاندار ماضی ج ۴ ص ۲۵۷

[2] علما کا شاندار ماضی جلد ۴ ص ۳۴۴

شہزادہ مرزا شاہ رخ بہادر

بہادر شاہ کے لڑکے اور دارا بخت ولی عہد کے سگے بھائی تھے۔ بہادر شاہ ان کو بہت چاہتے تھے۔ اُن کو شکار کا شوق بہت تھا۔ نواب محمود خاں سے گہرے تعلقات تھے۔ مرزا عبداللہ بہادر ان کے خلف تھے۔ اپریل سنہ ۱۸۴۷ء میں انتقال ہوا۔

مرزا شاہ رخ کے بیٹے 'مرزا عبداللہ' ان شہزادوں میں تھے جن کو ہڈسن نے اپنی گولی کا نشانہ بنایا۔

دھوندو پنت نانا راؤ

آخری پیشوا، باجی راؤ ثانی کو سنہ ۱۸۱۷ء میں کمپنی کی حکومت نے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کا وظیفہ دے کر بٹھور (کانپور کے نزدیک) میں رہنے کی اجازت دیدی تھی اس کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو تین بچوں کو متبنیٰ کیا۔ ان میں سے نانا راؤ کے لئے نصیحت کی کہ میرے بعد "مکھیہ پردھان" اس کو کیا جائے۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں باجی راؤ مرا تو نانا کی عمر ستائیس برس کی تھی۔ تیس لاکھ کا سرمایہ باجی راؤ نے چھوڑا تھا۔ نانا بھی باجی راؤ کی طرح انگریز حکام کے گرویدہ تھے۔ باوجودیکہ باجی راؤ نے انگریزوں کی "افغان اور سکھوں" کے مقابلہ میں مدد کی تھی۔ کمپنی کی حکومت نے نانا کو پنشن سے محروم کر دیا۔ نانا سے عرض داشت بھیجی مگر وہ بے اثر رہی۔ آخر ش عظیم اللہ خاں، بالا صاحب۔ محمد علی خاں جیسی گرین پر مشتمل وفد لندن بھیجا لیکن کمپنی کے ڈائرکٹروں نے ان کو صاف جواب دے دیا۔ عظیم اللہ خان نے واپس آ کر ملک میں حریت کی روح پھونکی چنانچہ نانا راؤ بھی ان ہی کے اثر سے سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں شریک ہوئے۔ کانپور، لکھنؤ، بریلی اور شاہجہاں پور میں مقابلہ کرتے رہے۔ آخر کار نیپال کی طرف میں چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔

میندھو خاں

میندھو خاں انگریزی فوج میں صوبہ دار تھے ان کے ہمراہ ۲۹ رجمنٹ تھی، پہلے انہوں نے گوجروں پر الٰہ آباد کے نزدیک حملہ کیا۔ پھر یہ بجنور آ گئے۔ بعد میں مراد آباد دیچہ گئے۔[1]

نواب شمس الدین خاں

نواب شمس الدین احمد خاں کے والد نواب احمد بخش خاں جلیل القدر فرد، اور ایک عمدہ کمانڈر تھے۔ الور ریاست کی تاسیس ان کی سعی بلیغ کا نتیجہ تھی، لارڈ لیک کے دست راست تھے۔ ان کو فیروز پور جھرکہ کی ریاست ملی تھی الور سے پرگنہ لوہارو ملا۔ نواب کی بہن مرزا غالب کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ خاں قلعہ دار آگرہ کو بیاہی تھی۔ نواب مذکور کی دو بیویاں تھیں۔ ایک سے شمس الدین احمد خاں تھے۔ دوسری سے نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں تھے۔ نواب موصوف نے ۱۸۲۲ء میں فیروز پور جھرکہ کی مسند شمس الدین احمد خاں کے سپرد کی لوہارو دوسرے صاحبزادوں کو دیا اور خود گوشہ نشیں ہو گئے۔ اکتوبر ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔

شمس الدین خاں لوہارو پر بھی تصرف کرنا چاہتے تھے اس بناء پر عدالت میں ہر دو طرف سے کشمکش ہوتی رہی ۱۸۳۲ء میں ولیم فریزر دہلی کے ایجنٹ مقرر ہوئے۔ ان سے پہلے سے احمد بخش خاں سے روابط تھے۔ فریزر نے امین الدین خاں اور ضیاء الدین خاں کی معاونت کی اور لوہارو ان کے ہی قبضہ میں رہا۔ اس واقعہ کا اثر نواب شمس الدین خاں نے لیا اور کریم خاں کے ذریعہ ۲۲ر مارچ ۱۸۳۵ء کو گولی سے ان کا کام تمام کرا دیا ان پر مقدمہ چلا۔ آخر ش ۸ر اکتوبر ۱۸۳۵ء کو ان کو کشمیری دروازہ

---

[1] فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش جلد ۵ ص ۲۴۸

کے باہر پھانسی دی گئی ان کی نعش لٹکے لٹکے ہی مغرب سے قبل ہوگئی۔ نماز جنازہ حضرت شاہ محمد اسحاق نے پڑھائی۔

جلال الدین خاں برادر نواب محمود خاں

جلال الدین خان بھی انقلاب ۱۸۵۷ء میں اپنے برادر گرامی قدر کے ہمنوا تھے۔ انہوں نے بھی جنگ آزادی میں بڑے کارنمایاں کئے تھے انگریزوں کو جب بجنور پہ اقتدار حاصل ہوگیا تو جلال الدین خان کو ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو نندپور میں پھانسی دی گئی۔ ان کے ساتھ ہی نواب سعداللہ خاں کو بھی دار پہ چڑھایا گیا اور ان کا دیوان خانہ بارود سے اڑا دیا گیا۔ [1]

مرزا حاجی شکوہ

یہ دہلی سے نجیب آباد، نواب محمود خاں کے پاس آئے۔ انکے ہمراہ مرزا الطاف اور مرزا مبارک شاہ تھے یہ حضرات دلی کے شاہی خاندان سے تھے ماڑے خان وغیرہ نے ان کی بہت پذیرائی کی۔ کچھ عرصہ بعد مرزا حاجی شکوہ یہاں سے چلے گئے۔ ۳ مئی ۱۸۵۸ء کو مراد آباد میں گرفتار کر لئے گئے۔ ولسن نے ان کی گرفتاری کی اطلاع گورنر جنرل کو دی۔ [2]

قاضی عنایت علی خاں

قاضی عنایت علی خاں تھانہ بھون کے با اختیار قاضی تھے۔ انکا خاندان عہد شاہجہانی سے اس عہدہ پر ممتاز چلا آرہا تھا۔ بائیس گاؤں جاگیر میں تھے۔ باوجود جاگیردار

---

[1] - فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش - جلد ۵ صفحہ ۳۲۲، ۳۱۱

[2] - فریڈم اسٹرگل ان اترپردیش - مرتبہ اس - اے - اے رضوی ایم اے پی ایچ ڈی جلد ۵ صفحہ ۵۲۶

ہوئے تھے نہایت متبع شریعت اور بڑے صادق القول تھے۔ فنون حرب اور شہسواری میں بہت مہارت تھی۔ تحریک آزادی میں آپ حاجی امداد اللہ صاحب حافظ ضامن علی مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد منیر کے ہمراہ تھے۔ شاملی پہونچکر انگریزی فوج سے نبرد آزما ہوئے۔ اس لڑائی میں ضامن علی شہید ہوئے۔ جب انگریزوں کا اقتدار دوبارہ قائم ہوا تو انہوں نے ایک سو سے زائد نفوس کو مہاجنوں والی باغ چی میں پھانسی دیدی۔ یہ یہاں سے بجنور گئے اور نواب محمود خاں کے ہمراہ رہ کر داد شجاعت دی۔ پھر میرٹھ ہوتے ہوئے بندیلکھنڈ پہونچے ۱۸۵۹ء میں بھوپال میں قیام کیا۔ نواب قدسیہ بیگم نے ان کو معقول مشاہرہ پر سواروں اور گھوڑوں کی تربیت و اصلاح کے لئے ملازم رکھ لیا۔ ایک عرصہ بعد الور میں قصبہ تجارہ کے قریب ایک موضع میں شمشیر ساز دوست کے یہاں مقیم رہے۔ وہیں ۱۹۱۶ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔[۱]

مرزا نجف خاں

مرزا نجف خاں، متوسلان شاہ ایران سے تھا اصفہان میں اس کی پیدائش ہوئی۔ جب نادر شاہ نے ایران پر قبضہ کیا تو شاہ کے کنبہ دار بھی گرفتار کئے گئے۔ مرزا کو بھی قید ہوئی۔

مرزا محسن برادر بزرگ صفدر جنگ بطور سفیر محمد شاہ بادشاہ دہلی کی طرف سے ۱۷۳۹ء میں ایران گئے تو انہوں نے نادر شاہ سے سفارش کر کے مرزا نجف خاں کو رہائی دلوائی۔ نجف خاں اور اس کی بڑی بہن رہا کر دی گئی۔ مرزا محسن نے اس کی بہن کو اپنے حبالہ عقد میں لیا۔ اور جب واپس آئے تو نجف خاں کو ہمراہ لیتے آئے اس کا قیام شجاع الدولہ کے پاس رہا۔

---

۱ - علما کا شاندار ماضی۔ جلد ۴ صـ ۲۵۷

یہاں سے جاکر اولاً مرزا کوچک (محمد قلی خاں) داروغہ قلعہ الہ آباد کی ملازمت اختیار کی۔ بعد میں نجف خاں بنگال چلاگیا اور نواب قاسم علی خان سے متعلق ہوگیا۔ اُس نے نجف خاں کو تیس لاکھ روپیہ فوج کی فراہمی کے لئے دے۔ بکسر کی جنگ میں نجف خان بھی شریک تھا اس جنگ کے خاتمہ پر وہ کمپنی کی ملازمت میں آگیا۔ ۱۷۶۵ء میں الہ آباد پر انگریز متصرف ہوئے تو لارڈ کلائیو نے اس کی خدمت کے صلہ میں دو لاکھ کی پنشن عطا کی اور شاہ عالم کی طرف سے کڑہ کا فوجدار بنادیا۔ منیرالدولہ کا بادشاہ پر اثر بڑھا تو نجف خان اس عہدہ سے برطرف کردیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد شاہ عالم کی توجہ اُس پر پھر ہوئی تو اس کو تین ہزار سوار و پیادہ پر افسر مقرر کردیا گیا۔ شاہ عالم دہلی آئے تو یہ ہمرکاب تھے۔ اگرہ پر جاٹوں نے قبضہ کرلیا تھا شاہ نے ان کی سرکوبی پر نجف خان کو متعین کیا، یہ شاہی فوج لے کر جاٹوں پر حملہ آور ہوئے اور آگرہ کو فتح کرلیا۔ کامیابی پر بادشاہ نے نواب ذوالفقارالدولہ کا خطاب دیا اور عہدہ امیرالامرائی پر سرفراز کیا۔ ان کی امیرالامرائی کے زمانہ میں ایرانی امراء کا دربار میں اثر بہت بڑھ گیا۔ آخر زمانہ میں نجف خان کی اخلاقی حالت بہت گر گئی تھی، مرزا مظہر جان جاناں کو انہی کے اشارہ سے قتل کیا گیا، شاہ عبدالعزیز پر بھی اس کے زمانہ میں سختیاں کی گئیں۔ ۲۶ اپریل ۱۷۸۲ء کو ۴۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔

شہزادہ فیروز شاہ

جنگ آزادی کے سربرآوردہ رہنماؤں کی صف اول میں جن لوگوں کا شمار کیا جاتا ہے، ان میں فیروز شاہ بھی شامل ہیں، یہ ۱۸۵۶ء میں حج سے واپس آئے تھے کہ ہنگامہ انقلاب شروع ہوا۔ انہوں نے فوراً انقلابی جماعت میں شمولیت اختیار کی اور آخر تک لڑتے رہے، ان کے حربی کارناموں کا سلسلہ گوالیار سے شروع ہوتا ہے، اس کے بعد وسط ہند میں مندسور کے مقام پر انہوں نے کارہائے نمایاں دکھلائے

آخر میں اودھ اور روہیلکھنڈ کی لڑائیوں میں سید احمد اللہ شاہ اور خان بہادر خان کے ہمراہ میدان جنگ میں لڑتے رہے۔ آخر میں تانتیا توپی کے ہمراہ جو نانا راؤ مرہٹہ کا سردار تھا مختلف لڑائیوں میں حصہ لیا۔ بالآخر فیروز شاہ کی رائے اور مشورہ کے خلاف تانتیا توپی نے انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی۔ شہزادہ فیروز شاہ حجاز کی طرف چلے گئے اور وہیں آخر عمر تک رہے۔